



**ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.**

انتخابات

یو رہین شعراء

(۱) کرنل جان بلی

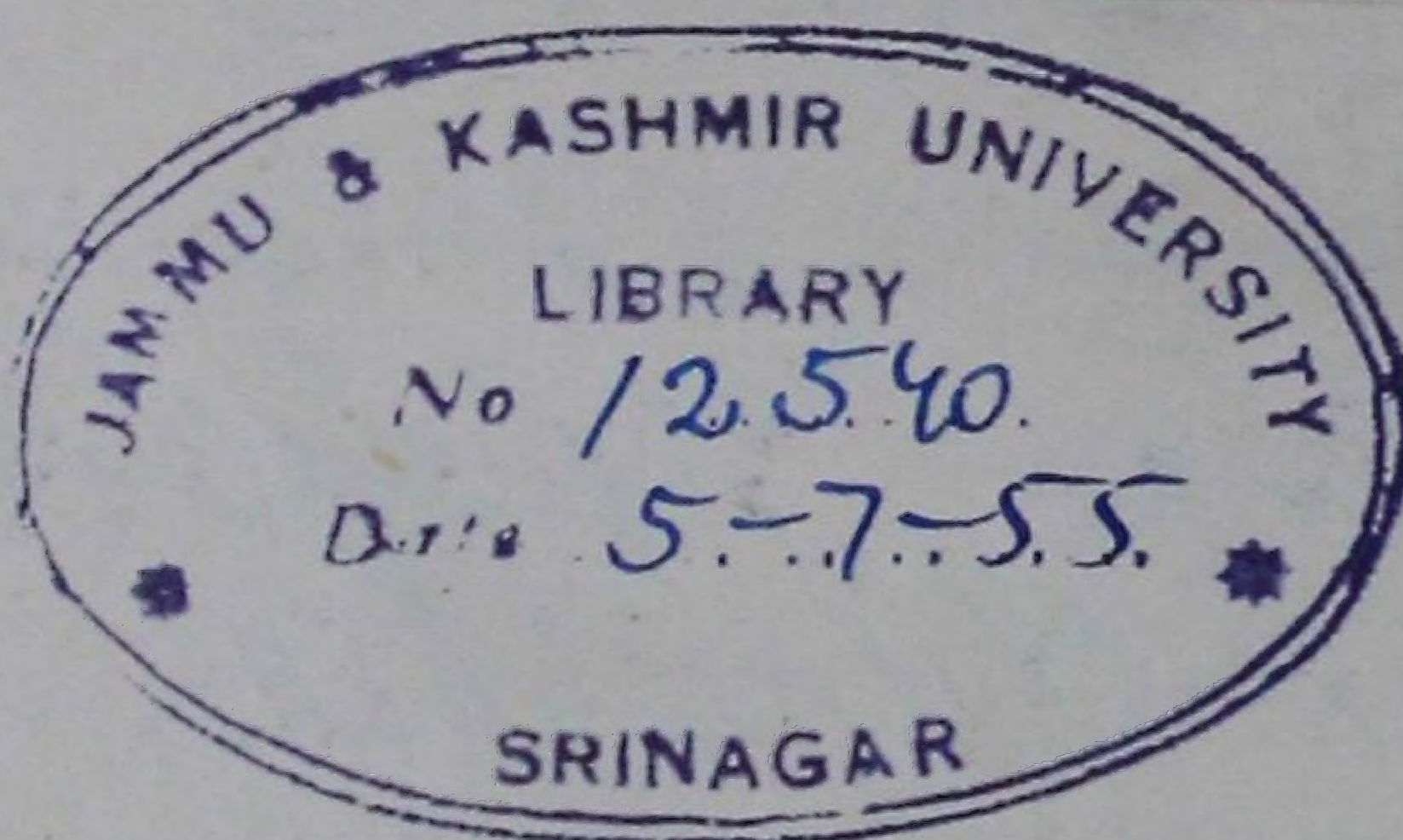
(۲) جان شور

(۳) جنرل اسمتھ "اسمتھ"

(۴) ڈاکٹر ہونی "ہونی"

(۵) مسٹر ڈیو ہرسٹ "ناتھ"

[Handwritten signature]



کرنل جان بلی

مار ڈالے گی محبت مجھے مس طپسا کی
جان نکلے گی جلاتے ہوئے پھر عیسیٰ کی

اسمیتہ

نہ وہ ہمدرد نہ وہ جلسا رہا ہے
جنوں کے فوج کی سن آمد آمد
تپ دُوری سے دل جل سا رہا ہے
خرد کا پاؤں کچھ چل سا رہا ہے
کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہو
جو خیمہ چرخ کا ہل سا رہا ہے
مجھے اس واسطے ہے تلملا ہٹ
کہ غم سینے میں دل مل سا رہا ہے

غنیمت جان اسمیتہ آگیا ہے
کہ دشمن اُس سے اب ٹل سا رہا ہے

ڈاکٹر ہونی

جان عالم ترے انداز نے مارا مجھ کو
زلفین جھک جھک کے کہتی ہیں کسی کو بچاؤ
بے ترے اتنے نہیں زلیست گوارا مجھ کو
ابرو اُس شوخ کے کرتے ہیں اشارا مجھ کو
مجھ کو کچھ ڈر نہیں دشمن کا کرے جو روستم
ہے ہونی حضرت عیسیٰ کا سہارا مجھ کو

اشکوں سے بہا جاتا ہے اپنا دل پر غم
ایمان بھی حاضر ہے دل جان بھی حاضر
برسات میں گرتا ہے یہ گھر کوئی خبر لے
وہ باد شہِ حسن مری نذر اگر لے
بیچارہ ہونی ایک کس کس کی خبر لے
ہونے کو ہیں اس شہر میں معشوق ہزاروں

ثاقب (دیو ہر سٹ)

کسی کی بات محبت میں ناگوار نہیں
 مرے لئے تو محبت کٹھن ہے مشکل ہے
 اسی زمانہ میں آپ اس پُرانے مدرسے
 خدا کرے کہ سلامت سے آپ پہنچیں اں
 معاف کیجئے اب کچھ نصیحتیں کر دوں
 بُرا نہ مانئے اگر میں صلاح ایسی دوں
 وطن میں لوٹ کر اپنے رسوم مذہب خاص
 سب اپنے مذہب میں پر قدم تو جمع کریں
 نہ گھر نہ گھاٹ کا ہی یہ کہیں گے سب طنزاً
 وطن کا آتش و شعلہ ہمیشہ دل میں جلے
 زبان ملک تھامی کام میں ثنا گو ہوں

تخلص آگے تو میں نے خود اختیار کیا

بہ اسم ثاقب اور اس میں کچھ انکسار نہیں

حُسنِ یوسف کو سرِ بازارِ رسوا کیجئے
 میں جو دیتا ہوں نصیحت اسکی نعت کچھ نہو
 دین و دنیا کو تو میں نے اسطرح سے کھو دیا
 میرے حالِ نارِ پر اب کچھ توجہ چاہئے
 ہر بھلا اور مجلس اپنی نیکنامی کی تلاش
 میرے دل سے حاضرین کے واسطے ہر صبح و شام

اپنی حالت کو سرِ سرِ زبردِ بالا کیجئے
 خود ستائی و تکبر اپنا شیوا کیجئے
 اب زیادہ نہ محبت کا تقاضا کیجئے
 ظلم و سختی کی معافی کی تمتا کیجئے
 کیجئے لیکن گنہگار خود مُہتر کیجئے
 یہ دعا مقبول ہو عزت تو پیدا کیجئے

زندگی کا لطف اٹھانا جس کے حق میں ہو سوتا
 اب جدائی کا زمانہ سامنے آیا طویل
 حل تو مشکل دوسرا کوئی معما کیجئے
 ہرگز اس میں میری باتوں کو نہ سپا کیجئے
 میں نے جرات سے تخلص ثاقب اپنا کر لیا
 اس ثاقب کو مساوی با مستے کیجئے



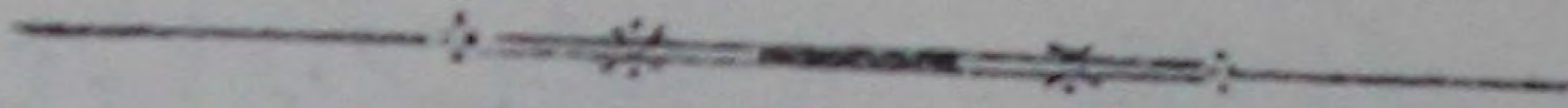
آرینی شعراء اردو و فارسی

(۱) مرزا ذوالقرنین

(۲) سرمد

(۳) جوہانس "صاحب"

(۴) ایرن جبیب "فرحت" و "ایرن"



رباعیات

- (۱) از کار جهان عقده کشودم همه را
حق دانی و انصاف ندیدم ز کس
 - (۲) مشهور شدی به دلربائی همه جا
من عاشق این طور تو ام می بینم
 - (۳) یارب ز کرم بخش تقصیر مرا
پیری و گناه ناجزائیت عجیب
 - (۴) باز آ باز آ ز منکر باطل باز آ
خوشنود مشو که منکر دنیا هرگز
 - (۵) ای فسق و فجور کار هر روزه ما
میخندد روزگار میگردید عمر
 - (۶) سرمد تو ز هیچ خلق یاری مطلب
عزت ز قناعت است خواری طمع
 - (۷) ای نفس متمکار سراپا حسرت
قانع نشدی گاه و نگشتی خرسند
 - (۸) دیدی که غم و عیش جهان و گذشت
این یک نفس که ماند سرمایه تو
 - (۹) سرمد اگرش فاست خود می آید
بهوده چرا در پی او میگرددی
 - (۱۰) دنیا همگی اگر به کام تو بود
- در محنت اندوه بودم همه را
دیدم همه را و آزمودم همه را
بے مثل شدی به آشنائی همه جا
خود را نه نمائی و نمائی همه جا
مقبول کن ناله شکیبیر مرا
لطف تو کند چاره تدبیر مرا
از وهم و خیال خام دل باز آ
نه وصل نماید و نه واصل باز آ
پُر شد ز گناه کاسه و کوزه ما
بر طاعت و نماز و بر روزه ما
از شاخ برهنه سایه داری مطلب
با عزت خویش باش خواری مطلب
جز شکر ترا نیست هزاران نعمت
دنیا نه بود بقدر طول اُملت
چیزی که در اندیشه تو بود گذشت
هشیار که نقصان نه کنی سود گذشت
گر آمدنش رویت خود می آید
بیش گرا و خداست خود می آید
دین سکه مهر و موه بنام تو بود

آخر ز جهان بے بقا باید رفت
 (۱۱) آں کیست که اوز بدوریانه شنا
 گفتی که نخور باد و چو من زاهد شو
 (۱۲) از وهم و خیال و فکر دنیا بگز
 دیوانه مشو برنگ بوس گل و گل
 (۱۳) سر مدغم عشق بوالهوس رانه دهند
 عمری باید که یار آید به کنار
 (۱۴) چوں نقش و نگین در پے نامی تو هنوز
 از خرمین عمر خوشتر تو شه بگیر
 (۱۵) اے دوست دریں میکده یار مبار
 این جام جهان نما بهر کس نه دهند
 (۱۶) در فصل خزاں تو به شکستن مشکل
 هنگام خزاں بهار آمد به کنار
 (۱۷) سلطان خود منت سلطان کشم
 نفس من سگ است من سگبانم
 (۱۸) از نقش بر آب هر چه گفتم گفتم
 من بعد از من شعر خیال است محال
 (۱۹) خواهی که شوی شاد و نگر دی غمگین
 آسودگی هر دو جهان است همین
 (۲۰) یارب زمین زار نیاید کارے
 از کار گذشت کار آگاه شدم

ک

گرفتیر و فغفور عظام تو بود
 در مکرو و غا خدا چو مانه شناسد (مفتاح)
 این را به کس گو که ترانه شناسد (امین زی)
 چون باد صبا ز باغ و صحرا بگز (خزانه عالم)
 هشیار بشو ازین هوا با بگز (جمع انفس)
 سوز دل پروانه مگس رانه دهند (ماثر الکرام)
 این دولت سر مدغم کس رانه دهند (روز روشن)
 جان مسکینی و در پے کامی تو هنوز (صبح گلشن)
 هنگام درو رسید و خامی تو هنوز (شمع نجم)
 بے ساقی گلزار ز نهار مبارش (تذکره دله)
 غافل تو ازین دولت دیدار مبارش (اغشانی)
 با ساقی و مے عهد به بستن مشکل (صبح وطن)
 زین درد و شکست بست رستن مشکل
 از بهر دوناں منت دوناں نه کشم
 از بهر سگی منت سگیاں نه کشم
 از جوش حباب هر چه گفتم گفتم
 ایام شباب هر چه گفتم گفتم
 از خلق کناره گیر و تنه بنشین
 یک حرف از من بشنو و راحت بگزین
 جز معصیت و غفلت بچید کارے
 کارے نشد از من که بیاید کارے

صاحب (مشر جو ہانس) لکھنوی

دیکھنا توڑ کے وحشت میں نکل جاؤں گا
مجھ کو پہناتے ہو زنجیر پہ زنجیر عبث

فرحت (ایرن جیکب)

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے
شبِ وصل وعدہ وفا ہو رہا ہے
جفا آپ کرتے ہیں عاشق پہ اپنے
بہارِ چمن پر نہ اترائے بلبلیں
یہ کیا چپکے چپکے تو کہتا ہوں دل
سہرِ بزمِ اغیار آنے لگے ہیں
یہ کس دل جلے کو ستایا پھر اُس نے
ذرا مسکرا کر چھڑک دیا تم
شکایت نہیں تیرے ظلموں کی ظالم
سہرِ بزمِ ہجو سے ناب ناحق
یہ ظلم اور کما ندر کیا ہو رہا ہے
حیا آکے کہتی ہے کیا ہو رہا ہے
ذرا سوچئے تو یہ کیا ہو رہا ہے
تماشا یہ دور روز کا ہو رہا ہے
یہ درپردہ کس کا گلا ہو رہا ہے
بُرا کر رہے ہو بُرا ہو رہا ہے
کہ نالوں سے محشر بپا ہو رہا ہے
کہ مُنہ زخم کا بے مزا ہو رہا ہے
مراد دل بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے
ترے حق میں اعظما ہو رہا ہے

لگی چوٹ آیرن کے دل پر یہ کیسی
کہ ہر وقت ذکرِ خدا ہو رہا ہے

خبر اس کی نہیں کیا ہو گیا دل
نہ چو کی حشر میں بھی آنکھ اُن کی
مری تقدیر کا ہے پھیر یہ بھی
مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل
خدا کے سامنے بھی لے لیا دل
کہ مجھ سے پھر گیا ہے آپ کا دل

حسینوں کی گلی میں کھو گیا دل
کیا برباد جس بُت نے مرا دل

مجھے ہے بچو دی میں یاد اتنا
قیامت تک ہے آباد یارب

غموں سے خوب ہی باد ہی بستی مرے دل کی
اکھی خیر کرنا دونوں چو میں ہیں مقابل کی
گلے پر خوب بے کس کے چلی تلوار قاتل کی
بہت ملتی ہے ٹوٹے جام سے صورت مرے دل کی

کرے یاد انکی سیر اک دُعاں پچھپ منزل کی
وہ اپنے عکس سے آئینہ میں آنکھیں لڑاتے ہیں
ملا لطف شہادت اُسکے دم سے دیر تک مجھ کو
شکستہ خاطری ہو فرقت ساتی میں کچھ ایسی

وفا دیکھو کد تک آئی ہیں ہمراہ فرقت کے
تمنائیں، مرادیں، آرزوئیں حسرتیں دل کی

ہاتھ میں سچو ہے لب پر ہے ترانہ نام لے بُت
بس ہی دین ہے میرا ہی ایمان میرا

حسین جس پہ مائل ہوں وہ دل ہی ہے
مگر پیار کرنے کے متقابل ہی ہے

محبت سے رکھنے کے قابل ہی ہے
مرے بُتے اچھی تھی حور جنت

نظارہ ہو دم آخر برائے آرزو دل کی
گرائیں بجلیاں ایسا نہواہیں عناد دل کی

نکلتی کس طرح ہو دیکھ جائیں جان بیل کی
ستم ایسا نہ کرے باغباں فصل بہار می میں

انگلو انڈین شعراء

- (۱) جان ٹامس "ٹوماس"
 - (۲) الیگزینڈر ہیڈرلی "آزاد"
 - (۳) جوزف بنسلی "فنا"
 - (۴) ڈیوڈ آکٹر لونی ڈایس "سومبر"
 - (۵) لفٹنٹ کرنل جیمس اسکز "اسکز"
- شعراء گارڈنر خاندان
- (۶) سلیمان شکوہ گارڈنر "فنا"
 - (۷) دانیال سقراطیس نتھانی ایل گارڈنر "شکر"
 - (۸) پادری برتھلمو گارڈنر "صبر"
 - (۹) پادری رابرٹ گارڈنر "اسبق"
 - (۱۰) پادری ٹرک سالومن گارڈنر "شوق"
 - (۱۱) ولیم گارڈنر "ادریس"
 - (۱۲) ایلی فیلکس گارڈنر "فلک"
 - (۱۳) تھیو صوفیس گارڈنر "جین"
 - (۱۴) ایلن کرسچانہ گارڈنر عرف قتیہ سلطان بیگم
 - (۱۵) جان رابرٹ "جان" (لکھنؤ)
 - (۱۶) کرنل پامر "پامر"
 - (۱۷) ٹامس ولیم بیل "ٹامس"
 - (۱۸) بنجمن جانسٹن "فلاطون" (حیدرآباد)

۱۱
(۱۹) بنجمن ڈیوڈ مانٹروز "مقنطر" (الہ آباد)

(۲۰) جیمس کارکرن "کارکرن"

(۲۱) منرو مظلوم دہلوی (گوالیار)

(۲۲) کلاڈیس بکسٹر نظم (لکھنؤ)

(۲۳) اے۔ ڈبلیو سنگھ صاحب (لکھنؤ)

(۲۴) واکر (کلکتہ)

(۲۵) لیٹر این ڈسنی رونق (لکھنؤ)

(۲۶) ای۔ اے۔ جوزف کاتل (اجمیر)

جان طامس "طوماس"

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر دوست ہیں ہم کھڑے سیر بازار بازار

تو قیر لکھ بمصر طوماس تو غزل لے آہ کھینچ دے میرا لاشیں پہ خط

انتخاب کلام الیکزنڈر ہیڈرلی آزاد

زہے وحدت ہی دیر و حرم میں جلوہ آراہی ازل سے محو ہوں جسکے جمال حیرت افزا کا
دوئی کو ترک کر آنا دس معقول حدت ہ اسی پر منحصر ہے فیصلہ دنیا و عقبہ کا

لگے گا لطمہ موج فنا دریاے ہستی میں حباب اکدم کی خاطر تو اگر نکلا تو کیا نکلا
کرے کیا کوئی عالم میں نمود جلوہ آرائی رہا کیا خاک پتھر سے شر نکلا تو کیا نکلا

میری صورت سب کے دیتی ہے میرا حال دل میرے تیور دیکھ کر وہ مجھ سے بدظن ہو گیا

واعظوں سے جوئے کرتے تھے جنت کا بیا جبکہ تحقیق کیا کو چہرے جاناں نکلا
جوش وحشت کہیں زیر زمین بھی یارب خاک سے گل جو ہر اک چاک گریباں نکلا

نہ دہن تم کو میر نہ کمر ہے پیدا تم سے محتاج سے کیا پھر کوئی سائل ہو گا
جس وقت لگا کیسے خمدار کا کوڑا لے شوخ ترا خش ادا اور بھی چمکا
سے پی کے تجھے دیکھے تو لطف ہے دونا دیکھیں تری آنکھیں تو نشہ اور بھی چمکا

وہ گرم رو راہ معاصی ہوں جہاں میں
کھلتی ہے محبت ہی تری ورنہ عداوت
تیروں کی جراحت جو سر سینے میں کم ہے
ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گرمی کا
باعث ہے شکر یہ تری کم نظری کا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا لیکن
یہ دیدہ ترا شک سے بھر آئے ہیں کیا کیا
جب کعبہ سے تہخانہ میں آیا تو میں آزاد
دریا کے محبت کا نہ ساحل نظر آیا
لوفت میں ہاتھ اپنے گہر آئے ہیں کیا کیا
جلوسے مجھے واسطہ نظر آئے ہیں کیا کیا

جب مصیبت آپڑی جز صبر بن آتا نہیں
نو گرفتارِ قفس پھر کا پھر تک گم رہ گیا

ساتھ اپنے آبر و میری نہ کھو طفل سرشک
سوزش دل نے الٹی کونسی کی تھی کمی
چشم کے گھر میں بڑا تو بد گھر پیدا ہوا
جو جلائے کو مرے داغ جگر پیدا ہوا

غموں کے گھل کے نہ کچھ تیرے خستہ تن میں رہا
رہا تو کچھ یونہی دھوکا سا پیرن میں رہا

میرے کھانے کو بھی تھوڑا سا ہے خونِ جگر
سب کا سب تو ہی نہ ملے دیدہ خونبار بہا

صبح تک سب جگتے رہتے ہیں سو سکتے نہیں
نالہ پُر شور سے ہی میرے گھر میں ات جگا

پوچھنے کو بت میری کہ پینے کو شراب
بخت سے آزاد جگر بھی مدینہ بن گیا

نویداے دل کہ رفتہ رفتہ گیا ہے اُن کا حجاب آدھا
 ہزار شکل سے بارے اُلٹا اٹھوں نے بُخ سے نقاب آدھا
 شراب ہوئے جو تند ساقی نہ بے مزہ کر ملا کے پانی
 پلا وہ ساغر کہ جس میں ہوئے شراب آدھی گلاب آدھا
 حسن کی گرمی سے مٹے ملقا میں بل پڑا جابجا بے وجہ کب زلفِ دو تار میں بل پڑا

ذوق پائمالی سے گھر ہے لامکاں اپنا
 تو نے کب تک چھڑکا زخمِ دل پہ اکہدم
 مثل نقشِ پائینی مٹ گیا نشاں اپنا
 دل کے خون ہونے کی اور کیا علامت ہے
 تجھ سے تو سوا دشمن ہی مزاجِ داں اپنا
 چشمِ خونِ نقشاں اپنی نالہ خو نچکاں اپنا

زہر قاتل ہے دوا و دردِ محبت کے لئے
 ہم سے افتادہ بھی چھو لیتے بہ ہنگامِ خرام
 تھا مرا فیصلہ اک دم میں جو درماں ہوتا
 اک ذرا اور بھی نیچا ترا داماں ہوتا

ہم نے آنکھیں جو گاڑ کر دیکھا
 رخ روشن پہ جم گئی پستلی
 حُسن اس رشکِ ماہِ کامل کا
 سب کو ناحق گمان ہے تل کا

دمِ بدم تن میں خون بڑھتا ہے
 بھیک مانگی جو تیرے عارض سے
 ذکرِ سُن سُن کے تیغِ قاتل کا
 ہم خجالت سے مر گئے آزاد
 بھر دیا کاسِ ماہِ کامل کا
 تھک گیا ہاتھ جبکہ قاتل کا

بند ہیں آنے کی راہیں اثرِ دہامِ یاس سے
 میرے دل میں کب گذر ہوتا ہی حرصِ آرزو کا

کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ
آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا
ہے جو ہمرنگے تو بن تیرے
خون دل بھی پیا نہیں جاتا

کس کا گرم جستجو ہے مجھ کو کیا کیا دہم ہیں
کچھ تو ہے جو یوں ہمیشہ ہے سفر میں آفتاب
ذرہ خاک کی کو تو چشم حقیقت سے نہ دیکھ
ہو نگاہ دیدہ اہل نظر میں آفتاب
زندگی آزاد گزری تیرہ روزی میں سدا
ایک دن دیکھا نہ ہم نے عمر بھر میں آفتاب

میری شامت تھی جو زلفوں میں کسی کی پھنستا
آپڑی ہیں یہ بلائیں سر سے آپ کے آپ
سوکھنا غم سے مرے حق میں ہوا ہے مرہم
ہو گئے خشک سر زخم جگر آپ سے آپ

نالہ لرزلہ پرواز ذرا رعب بٹھا
کہیں شوق کر دے زمین در کہیں تعمیر اُٹھ

آپ رہتا ہے مرا رخ ترے گھر کی جانب
پھر جو میں پاس رکھوں قبلہ نما کیا باعث

وہ نہ آئے تو موت آجائے
ہم کو دونوں کا انتظار ہے آج
کل کی باتیں بھی یاد ہیں کہ نہیں
ہم سے صاحب کو ننگ عار ہو آج
رنج و راحت کے ساتھ ہے آزاد
تھا اگر نشر کل خار ہے آج

زاہد اکیوں نہ اُسے ساری خدائی چاہے
وہ بت سیم بدن دولت بیدار ہی آج

یہ بزم بزم مغاں ہوا ہے بیٹھ اسے شیخ
جو نا چنا ہے تو جا کر کسی مزار پہ ناچ

روتا ہوں کیونکہ خانہ دل کی نہ فکر ہو
شمس و قمر کو دیکھ کے ڈرتا ہوں ات دن
پانی میں آگئی ہے یہ تعمیر بے طرح
آنکھیں دکھائے ہو فلک پر بے طرح

رخسہ پر دازی اغیار کو پوچھو ہم سے
سیکڑوں دل میں ہزاروں میں جگر میں سوراخ

خاک ہو کر میں دربار پہ پہونچا آزاد
ہے رسائی پہ مرا بخت سامیرے بعد

جبین یار پہ قشقے کو دیکھ لے آزاد
نہ دیکھا ہو جو کبھی تو نے آفتاب میں چاند

تم اپنے لمحہ عارض سے اسکو دے ڈالو
یہ مفلسی ہے کہ آزاد شب کو بجتے میں
ذرا سا نور جو ہو آفتاب میں پیوند
لگاتا پھرتا ہی ہر روز خواب میں پیوند

دل کا شکوہ کیا کریں ہم سے ہی نادانی ہوئی
جل چکے آٹھوں فلک کے دل بس آگے عرش ہوئی
سینے میں پہلے ہی سے کیوں سکو بالا دیکھ کر
اب سمجھ کر آہ کرا اور کھینچ نالا دیکھ کر

ہے نام پاک اُسکا غنی کچھ عجب نہیں
ہے آفتاب طایر زریں پرے فلک
دل مضطر کی ہو سینے سے رہائی کیونکر
آشیاں تک مرکز نہا رسائی نہوئی
باندھے اگر صواب پہ دیکو خطا پہ چھوڑ
تو اُسکو صدقے کر کے مر د لربا پہ چھوڑ
طایر قبلہ نما کے نہیں بس کی پرواز
طایر سدہ نے گولا لکھ برس کی پرواز
مرغ دل تو نے اُدھر گر بہوس کی پرواز
اس سے جسوقت کہ اک مرغ نفس کی پرواز
دام گیسو میں پھنسے گا پئے یک ذہ خال
آشیاں میں بدن کے ہی پھر آنا مشکل

گئے کہ صحر کو وہ گرم ہو کر کہ تپ رہی ہے زمیں سر اسر
 قدم قدم پر آنکھوں نے گویا بچھائی ہے رگدڑ میں آتش
 نہیں مرکب ہیں میرے عنصر جدا ہیں فرقت میں تیزی وہ بھی
 کہ پانی آنکھوں میں خاک تن پہ ہوا ہی سر میں جگر میں آتش
 نہ چھوڑا ہاتھ سے دامن صبر کو آزاد ہر ایک کام کا ہوتا ہے اضطراب میں نقص

نہ ہاتھ رکھ مری نبضوں پہ تفتہ دل ہو نہیں نہ ہو کہ ہاتھ اٹھلے بیٹھے ہاتھ سے نیاض

چمن کو چہ جانناں کا خریدار ہوں میں مفت بھی دے تو نہ لوں باغ جناں و عطر

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے سردھنا کرتی ہی پروانہ کے افسوس میں شمع
 اہل محفل جو ہیں انجام سے غافل آزاد شام سے صبح تلک رہتی ہی افسوس میں شمع
 تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہو کہ ہے یہ ظلمت کدہ عاشق مایوس میں شمع

جواب خط نہ سہی نامہ بر تو آ جاتا کیا نہ جان نے اتنا بھی انتظار دریغ
 یہی ہے فکر کہ جب چاہے ہم سے لے کیو خدا نے جان بھی دی ہی تو مستعار دریغ
 شباب پر مرے ہنستا ہے عالم پیری خزاں سے ہو گئی بدتر ہیں بہار دریغ
 یہ لاغری نے مگر حق میں بوئے ہیں کانٹے نظر میں سب کی کھٹکتا ہوں مثل خار دریغ

جبے پایا دشمنوں نے پاؤں کا میرا سرغ سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوئے جانناں کی طر
 یاد اپنا آگیا کاشانہ ویراں ہمیں چلتے پھرتے ہم جو جانکے بیا باں کی طرف

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈھا کئے مگر آزاد ہم نے اپنا نہ پایا نشان ملک

سرپکٹا ہوں اُسی روز سے اس پر اپنا نکلی ہے سنگِ درِ کافر بے پیر سے آگ

اس لاغری پہ خاک کرے بلِ نکل گئے تھکے کی طرح عاشقِ خستہ جگر کے بل
پھولا اگر سمائے نہ گلُ تو عجب نہیں سب کو دتے ہیں گلشنِ عالم میں رکے بل

کچھ نہیں معلوم کس کا مچو نظارہ رہا شب ہوئی برہم نہ شکلِ باہِ کامل یک پہل

نگاہِ مست دیکھے اگر وہ دریا کو تو پھر جہان میں پانی بکے شراب کے مٹول
جنگل میں رُلانہ جوشِ وحشت پھر خاک کہاں اڑائیں گے ہم
پابندِ غم بتاں ہیں آزاد کیا قید سے جی چرائیں گے ہم

ہیں شمعِ صفتِ نخبِ دہر میں آزاد سرگرم رہِ وادیِ تسلیم فنا ہم
پروہ ہمارا خاک اڑانے میں رہ گیا آئے نظر کسی کو نہ گردِ غبار میں
بھولے نہیں ہیں تنگی کا شانہ یاد ہے کرتے ہیں شکر لپٹے کنجِ مزار میں

فروعِ مہر میں ہے ذرہ ذرہ نورانی ہوا ہے حسنِ ترا جلوه گز کہاں سے کہاں

اپنی وحشت کی قسم ہمارے چھوڑوں باقی میرے قابو میں مگر دامن کہاں نہیں
زادِ اہم سے جو پوچھے تو خدا شاہد ہے کافرِ عشق سے بہتر کوئی دیندار نہیں

آج دشمن اگر خراب نہیں کیا زبانی میں انقلاب نہیں
 ہر گردوں پہ چھا گئی زردی اُن کے چہرے پہ کیا نقاب نہیں
 مجھ سے کیا حساب ہے، یارب تیری بخشش کا کچھ حساب نہیں

روتے روتے آگیا ہی میری آنکھوں میں غبار خاک ایسی زندگی میں ہوں مگر آب میں

سبک جو کر کے مجھے تم نے کر دیا بلکا تو پھول ہو کے تمھارے گلے کا بار ہوں میں

نقہ اٹھے ہی کس منط اٹھ کے ذرا دکھا کہ یوں حشر بپا ہو کس طرح چل کے ذرا بتا کہ یوں
 میں نے کہا کہ عشق میں جلنے تو جلے کس طرح خس کو اٹھا کے اسنے جھٹ آگ چا کھدیا کہ یوں

آج تک کھٹنے نہ پایا تھا کسی پر رازِ غم ہشتم تر محنت ڈالو دی میری ساری اندوہ

کف اربابِ بہت میں دوسرے ہلندہ سے اگر چاہیں تو لیلیں ہر عالمِ تاب مٹھی میں
 نہوگا کوئی مجھ سا آج کم سرمایہ عالم میں بہت ہوئے تو سب کے مرا اسباب مٹھی میں
 تمھارا غم بھی کیا راحت اثر ہے مسرت ہے دل اندوگیں میں
 نہ پہلے اس سے کیوں طفل تصور تفاوت کیا ہو دل میں سیر میں
 ہے رشتہ سب سے بڑا زنا کا ایک عجب یہ کشمکش ہے کفر و دین میں

اس بت کی راہ میں جو مجھے ساتھ لے چلے دھو دھو کے بار بار پیوں برہن کے پانوں
 لے غیرت بہار ترے انتظار میں من ہو گئے کھڑے کھڑے سر و چین کے پانوں

حال شکستہ دیکھ کے میرا ارادہ پھیر لیا
فیض اٹھا آزاد ہر اک سے اہل ہنر ہو کوئی ہو

نہ تو میں تجھ سے جدا اور نہ تو مجھ سے جدا
ہمارا نالہ دل چشم بد دور
کہیں بادہ کشتی چھپتی ہے ز اہر
تجلی دیکھتا ہوں دل میں آزاد
عالم میں تم چمکنے نہ دو آفتاب کو
اُس شرنگیں کی شرم کا اٹھنا محال ہے
پھر کہاں پاؤں جو اپنے میں نہ پاؤں تجھ کو
ہوا ہے ہم صدکے صورت اور ہو
ہوا ہے چہرہ کیا پُر نور اور ہو
کہاں میں اور کوہ طور اور ہو
تھوڑا سا اک طرف سے اٹھا دو نقاب کو
نازک بہت ہے توڑے وہ کیونکر حجاب کو

جان تم اپنی بچاؤ گے کہانتک آزاد
یا مرد عشق میں یا عشق کا دعویٰ چھوڑو

کوئی عالم میں نہیں یا کہ جو خود میں نہ ہو
دیکھ لو پیوستہ دست مرد و زن میں آئینہ

پہلے جانے سے وہاں بھیج جو کام آئے ترک
جمع کر کر کے یہ اسباب اسباب پر رکھ

سب پالیا بدن کے چرانے کو دیکھ کر
ہیں شوخیاں غضب تری شرم حیا کے ساتھ
عیاں ہی سب میں کہاں ہی مخفی کر لے سکا جلوہ نقاب میں ہے

قصور اپنی نگاہ کا ہے وگرنہ کب وہ حجاب میں ہے
ٹاگوارا ہی ہمیں آزاد وحشت میں غذا
جب سے پتھر ہاتھ سے لڑکوں کے ہم کھانے لگے

خاکساری ترک کر کے جس نے کی گردن کشی
اُس نے کھو دی ہر میں کسیر اپنے ہاتھ سے

جو کریں وہ بد وضعی ان کی ونداری ہی
گر کریں وہ بے مہری عین مہربانی ہے
عشق میں تیرے مرنا عمر جاودائی ہے
جو یہ زندگانی ہے خاک زندگانی ہے
اک امید رہتی ہے ہم کو ناامیدی میں
موت کی توقع پر اپنی زندگانی ہے

کس حرف کے ہیں در خطوط شعاع مہر
موزوں ہیں وریاں تری حلین کے واسطے

تمام خلق پہ مردہ بھی میرا بھاری ہے
عجب نہیں ہے جنازہ اگر مرانہ اٹھے

کہتا نہ تھا کہ دیکھو باندھ کی دست و پا یہ
اتنا نہ ربط رکھو لے مہرباں حنا سے

لاکھ بیدردی سے میرا زخم دل سو بار سی
منہ سے نکلے گی نہ میرے بخیہ گرز نہاری
ہو گیا میرا قد خم گشتہ چوڑی کی مثال
ہاتھ کنگن کو نہیں درکار ہر گز آرسی

نام لیتا ہوں ترا کب میں کسی کے آگے
منہ سے بیاختہ باتوں میں نکل جاتا ہے
خاک ہو کر بھی ہوا کے لیے گھوٹے پہ سوار
سچ ہے جلنے سے کہیں رسی کا بل جاتا ہے

کوئی مذہب کا مقتید کوئی پابند طریق
سب گرفتاری میں ہیں ارستہ اک آزاد ہے

شرابے و ز تو ہم مانگتے نہیں ساقی
کوئی پیالہ دم ریش سحاب تو دے

خلقت کے خلق و بغض سے آزاد کیا غرض
کل مہربان ہیں جو خدا مہربان ہے

کسے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو گھس گھس کر تمام طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی

قانع ہوں اُسے عشق میں جو خشک ترے لے کھانے کو داغ پینے کو خون جب گریے
افسوس خاک تک نہیں ہر سرے وہ بھی ہیں لوگ جنکو اڑانے کو زریے

آج ہلتا ہی نہیں ضعفے اللہ اللہ اسی سے کبھی دیوار گرائی ہو گی
کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد اب دریا رہ گیا خاک رسانی ہو گی

باغ عالم میں ہزاروں غنچے کھلتے ہیں مدام دل نہیں کھلتا یہ شاید غنچہ تصویر ہے

ہم نے جس راہ میں دیکھا اُسے دیکھا آزاد اور کیا راہ بتائیں گے طریقت والے

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا درو دیوار سر کو چپر جاناں کے لئے

مجھ سے برگشتہ ہی تو یا مجھ کو سودا ہی فلک خاک کیوں دیتا ہی عسرت میں مجھے زر چلے
چرخ سے طاقت آزمائی کی کی تو طالع نے یہ رسانی کی
وہ رشک کا عالم ہی کہ غیروں کا تو کیا ذکر ہم وصل کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے

بائے خدا کے ہاں بھی تکلف قبول ہے پیل فلک پہ ڈالی ستاروں کی جھول ہے
حوران غیر جنس کی صحبت سے فائدہ دوزخ بھی ایسی خلد کے بدلے قبول ہے
شورش ہنگامہ ذوق قہیدن دیکھئے زلزلہ کو نین میں اپنے دل سہل ہے ہی

آب باران شرم عصیاں کا پینہ ہی دلا
 ہو گئے آزاد پر چھوٹے نہ تیری قید سے
 شکل قاصد نظر نہیں آتی
 وہ بلا کونسی ہے صحرا میں
 ابر تراک گوشہ داناں گنہگاروں کا ہے
 ڈھنگ عالم سے جدا تیرے گرفتاروں کا ہے
 نہیں آتی خبر نہیں آتی
 جو کبھو میرے گھر نہیں آتی

انتخاب قصائد

قصیدہ

خاک باد و آتش کو فراہم کر دیا
 سوزش داغ جل کر چوں صنیا ماہتاب
 دم میں پیدا صانع قدرت نے آدم کر دیا
 گاہ برتر کر دیا رتبہ گئے کم کر دیا
 بے نوا اور بند کفر و دین سے آزاد ہوا
 مجھ کو کیساں آب گنگ آب مزہم کر دیا

مقدس و نعت

تیری رحمت حامی زق گدایاں یا مسیح
 تیری شفقت ہر کس ناکس کی خواہاں یا مسیح
 تیری بخشش تاج بخش تاجداراں یا مسیح
 ہے تجھی سے نیک و بد کی مشکل آساں یا مسیح
 ساقی کو نین و شاہ دو جہاں تو ہی تو ہی

یا مسیحا چارہ ساز عاصیاں تو ہی تو ہی

قصیدہ مدح خاں صاحب حیات محمد خان صاحب (مامون رضا خود)

زہے نصیب زل سے ہوں بے تردد و بیم
 بری ہوں طرح و مذمت سے میر کذب میں
 نہ آرزوئے بہشت بریں نہ خوفِ جہنم
 نہ بتکدہ کی حقارت نہ کعبہ کی تعظیم
 ہزار و اعظ و ناصح کیا کریں بک بک
 سنوں نہ ایک کسی کی نصیحت و تفہیم
 نہ مدح گو گا و نہ مری زبان سے شکر
 نہ طعن ساز سے مجھ کو شکایت تلویح
 دیا ہے وہ دل بے مدعا خدا نے مجھے
 نہ زور و زر کی تمنا جسے نہ خواہش بیم
 نہ آرزوئے بہشت بریں نہ خوفِ جہنم
 نہ بتکدہ کی حقارت نہ کعبہ کی تعظیم
 سنوں نہ ایک کسی کی نصیحت و تفہیم
 نہ طعن ساز سے مجھ کو شکایت تلویح
 نہ زور و زر کی تمنا جسے نہ خواہش بیم

کسی کے کہنے سے صاحبِ جہان کیجے اسے کہاں ملیگا پھر آزاد سا غلام مستدیم
قصیدہ مدح نظام الدین (برادرِ خور)

ہم ازل سے ہیں کسی کے آستان کے جہہ سا
جس زمیں پر ہو ہماری ہرزہ گردی کا اثر
ہم بھی کافر ہوں جو مرٹ کرہوں پابالہ
گرتے در سے نگاہ آسماں پھرنے لگے
تیری بخشش منشی گردوں کا بستہ چھین لے
گرتے آئین سے لے نکتہ داں پھرنے لگے
دور نہیں ہم سے اگر اب سماں پھرنے لگے
واں مکاں بنتے ہی شکل آسماں پھرنے لگے
تو اگر ہم سے نظام الدین خاں پھرنے لگے
کاسہ گردانی کرے بے آبِ ناں پھرنے لگے
گرتے آئین سے لے نکتہ داں پھرنے لگے

قصیدہ در مدح نواب علی محمد خاں

عروج پر ہے مری آہ کی شرکاری
گر آج ہی نہ کروں دعویٰ ثنا خوانی
تلاشِ رزق میں یوں در بدر پھرے آزاد
کے ہے خرمن گردوں پہ صاعقہ باری
تو کام آئے گی کیا حشر میں باں داری
ہزار حیف کہ تجھ سا غلام سرکاری
قصیدہ در مدح ظامس میڈرلی (حقیقی برادرِ خور)

پھر سینہ تپ غم میں ہی مجھ سے زیادہ
عالم کا تو کیا ذکر کہ خود ہوتی ہی نفرت
میں کیوں رکھوں سرتے در پر کہ جہاں میں
گو خاک نشین ہوں یہ تمنا ہے کہ آزاد
جو بخت ہے دل کا سوہی اگلے سے زیادہ
مجھ کو مری اوقاتِ محض سے زیادہ
لمجا ہی نہیں میرا ترے در سے زیادہ
دیکھوں نہ کوئی در کبھی اس در سے زیادہ

قصیدہ در مدح مہاراجہ جی راؤ سندھیاروالی گوالیار

کس لئے ہو تجھ کو لے دل انتظارِ فصلِ گل
طبع رنگیں کو مری بھاتا نہیں طولِ کلام
اپنا عرض حال بھی لازم ہو اتیر حضور
اک دھڑ بھی ہونگا لطف کے بندہ نواز
ہے مہاراجہ کی محفل میں بہارِ فصلِ گل
یہ مرا رنگیں سخن ہے اختصارِ فصلِ گل
سیری آنکھوں میں خزاں ہو روزگارِ فصلِ گل
داغِ غم سے ہے مجھ پر بہارِ فصلِ گل

ہوئے گرا آزاد تیرے آستان پر جبہ سا داغ پشانی سے جھینپے لالہ زار فصل گل
قصیدہ در مدح راجہ شیو دان سنگھ بہادر (والی الوری)

جاؤں اب دشت سے دشت میں پہاڑ و نکل سر شوریدہ ہے مخصوص پے تیغ جبل
ناک کر بام تفت کر سے مضامین بلند شوق کہتا ہو طبیعت سے کہ ہاں ورا چھل
اللہ اللہ کے سخاوت در دولت پہ ترے ایک دیکھانہ گدالا کھلے اہل دول
آرزو ہے کہ ہمیشہ در دولت پہ ترے تیرا آزاد و عاگور ہے ہر ساعت پل

قصیدہ در مدح نواب عبدالرحمن خاں (والی جھجر)

داورا اپنے میں احوال کو کیا عرض کر دوں بے طرح پنجہ بیدا و فلک میں ہوں اسیر
عرض احوال کی حاجت نہیں کچھ تجھ سے مجھے خود ہی روشن ہو ترے دل پہ مرا حال ضمیر
در مقصود سے بھرے مراد امان اُمید گنج آماں سے کرے مجھے دنیا میں امیر
آگے خاموش ہو بس اتنی نگستاخی کر دیکھ جاتی نہ کہیں رہو ادب کی توقیر

قصیدہ تہنیت ولادت ولیم طولعمرہ (فرزند اخوی صفا خود)

ہزار شکر بدرگاہ ایزد متعال کہ گنج خانہ دل ہے خوشی سے مالا مال
شنا کروں چین آرائی و ہر کی کیا کہ نو نہال عطا کر کے کر دیا ہے نہال
نہ وہ نہال کہ جو ہوز میں سے روئیدہ یہ وہ نہال ہے جو زیب گلشن آماں
یہ وہ متاع گرامی ہی جس پہ کیجے نثار ہزار جان گرامی بجائے مال و منال
کئے ہیں سجدہ شکر نہ یاں تلک میں نے کہ گھس کے میری جبین ہو گئی ہو مثل ہلال
نصیب ہوئے بڑائی اسی چھوٹائی میں عیاں بھی سے ہوا سکی بلندی اقبال
تمیز اسکو ہے سن تمیز سے پہلے کرے خدا اسے خورشید آسمان کمال
سدا عروج ہو خورشید عمر کو اس کے پھرے نہ گرد کبھی آکے اسکے گرد طلال
سدا مبارک دیموں ہوا اسکو سا لگرہ سدا نشاط میرا سے بیک منوال

قصیدہ در توصیف لالہ مثالال (منس خود)

آسمان جہان فضل و کمال
صاحب ہوش و اسے مثالال
جو تری طرز ہے گزیدہ روش
جو تری خصلتیں ستودہ خصال
سُرخ میں نے رنگا ہی کب رومال
اشک خونیں سے ہو گیا ہی لال
دوستی نے تری زمانے میں
کر دیا دشمنی کا استیصال

قصیدہ در وصف احمد خاں (محسن خود)

دلِ ہ دل ہی کہ سدا غم سے گداز
چشم وہ چشم کہ خونا بہ فشاں
اب تو ٹھرتے پہ گزرتی ہی سدا
بادہ آزاد میسر ہے کہاں
سرور ہے ترے دم سے رونق
چمن دہر میں بے دخل خزاں

انتخاب متفرقات

رسید کلاہ ز ترین

وصف میں اس کلاہ ز ترین کے
کیا لکھے میرا خامس مشکیں
جس سے بہتر کہوں نہیں سیری
گل سنہری ہیں لالہ حمرا
اسمیں کیا کیا ہیں خوشنا بلیں
نقرئی پھول ہیں گل نسریں
برگ عشرت سے اسکا ہر پتا
غیرت تاک باغ خلد بریں
اسمیں ساماں کا ہے بنا آئیں
اسمیں وہ چاند ہے کہ جسکے سبب
لے گئی فوق آسمان پہ زمیں
اسکے ز ترین ترنج کی شہرت
روح پرویز سن جو پائے کہیں
یاد کر کے ترنج زرا پنا
اپنی نازش پہ خود کرے نفیریں
وصف سے اسکی میں کستاری کے
گر کنارہ کروں عبید نہیں

قطعہ تاریخ و تعریف تصویر

حیف کا غذیہ ہو اس چاند سی صورت کی شبیہ
نیمہ تصویر جو کھینچی ہے نہ سو جھی وہ کمر
اسکے نظارہ سے اک پل مژدہ بہم نہ کر
دور کر کر سر بدیں کو رقم کر آزار
اسکو زیبا تھا مصور ورق بدر سنسیر
ہے وہ ناچار مصور کی نہ کہے تقصیر
گر کوئی ہوش بجا رہنے کی سو جھے تدبیر
سال تاریخ کہ کیا ہو شرابا ہے تصویر

رسیدانہ ہائے عمدہ ذائقہ

انہ جو مرحمت ہوئے مجھ کو
ان کی تعریف کیجئے کیا کیا
رنگ ہیجانیں سینوں کو
پوست میرے خیال سے نازک
ازرہ لطف لے کر مگر
ان کو کس کا بتائیے ہر
انکے سیب فن سے ہیں خوشتر
مغز میرے سخن سے شیریں تر

خط بنام ٹامس ہیڈرلی برادر کلان خود

شکستہ دل ہوں میں کر چارہ سازی
ترا خادم ہوں لے مخدوم مجھ کو
ترے در پر ہے ہر داد حاضر
کہ تجھ پر ختم ہے بندہ نوازی
عنایت سے نہ رکھ مخدوم مجھ کو
غلام بے درم آزاد حاضر

قطعہ تاریخ وفات نوابین العابدین خان عارف

لے اہل دیدیکہ لو آنکھوں سے کیا ہی آج
یاں بعد مرگ شکر کار کھتے تھے انتظار
لے بکیسی کٹے گی مری عمر کس طرح
ہم جسکے پاس بیٹھ کے کرتے تھے غم غلط
لے اہل گریہ گریہ جی ہی قیامت بپا ہی آج
جو میرا جاں نواز تھا سو مگر گیا ہی آج
اُسکا ہی یا نصیب جنازہ اُٹھا ہی آج
لے اہل گریہ گریہ جی ہی قیامت بپا ہی آج
قسمت سے صید پنجرہ باز قضا ہو آج

جو شاعران ہند میں جاو و مقال ہوا
جس جسم پر کہ جامہ گلدوز بار ہوا
بکیں ہوں کس سے اپنی حقیقت بیاں کرو
اے جذب اتحاد یہی ہے مدد کا وقت
اے جان زار جانے میں یہ دیر حیف حیف
کل تک تو تیرا وصل میسر رہا وریغ
تو منع رنج کرنے سے کرتا ہے ناصحا
سال وفات لکھ یہ سر یاس دور کر

وہ اثر دہائے موج کا لقمہ بنا ہے آج
وہ جسم کوہ گرد کے نیچے چھپا ہے آج
جز رنج و یاس کون مرا آشنا ہے آج
وہ غم میں مجھ کو چھوڑ کے تنہا چلا ہے آج
کچھ بھی سر و فنا تجھے اسے یوفا ہے آج
عارف ترے فراق کا مجھ کو گلا ہے آج
یاں انتظار خود ملک الموت کا ہے آج
عارف پسند رحمت حق ہو چکا ہے آج

تضمین غزل ناسخ

اٹھا پھر دلولہ غم میں تنور دل سے طوفاں کا
قیامت ہو گیا آنا خیال روکنا باں کا
نظیر بحر قلزم ہی ہر آنسو چشم گریاں کا
مرا سینہ ہی مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

جنوں کس تند خو کو جذبے لے نے آج کھینچا ہے
شراب مشک بو کو جذبے لے نے آج کھینچا ہے
کلیجہ سے لہو کو جذبے لے نے آج کھینچا ہے
کسی خورشید کو جذبے لے نے آج کھینچا ہے
کہ نور صبح صادق ہی غبار اپنے بیا باں کا

تضمین غزل غالب

بلا سے میں نہ سہی خاک بھی عدو کیا ہے
زبان شوخ بیاں کا یہ حسن خو کیا ہے
تھیں اسی کی قسم اس کی آبرو کیا ہے
ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تھیں کہو کہ یہ انداز گفت گو کیا ہے

سہیل میں وہ صبا حشر زہرہ میں وہ صفا
نہ شمع میں نہ نزاکت نہ معہ میں وہ ضیا
نہ مہر میں وہ حرارت نہ ماہ میں وہ جلا
نہ برق میں نہ کرشمہ نہ شعلہ میں وہ ادا



General Joseph Benseley Fana.

کوئی بتاؤ کہ وہ شوق مند ہو گیا ہے

انتخاب کلام فضا (جو زون منبلی صفا)

سے ناز کی پہ ناز مرے جسم زار کا
کیا تا ہے جو رخ کے مقابل وہ ہو سکے
کام آیا کوئی بھی نہ سوا غم کے ہجر میں
ہوں شاد زندگی سے نہ ارباب مرگے
اسا نشیں جہاں کی الہی ہوں مختصر
ہے بار پیرین سے سوا تار تار کا
ہو مہر ایک ذرہ تری رگزار کا
احساں ہو مجھ پہ ایک اسی غلگزار کا
جیتے ہوا ہو شغل غم روزگار کا
بڑھتا ہے ناز زندگی مستعار کا

عمر دراز ملک جہاں میں گذر چکی
اب عزم کیجئے گا فنا اس دیا کا

ق

اے راہِ رو ملک عدم اُف رے تغافل
بیٹھے گا یونہی حشر میں تو شاد کہاں تک
ملے خاک میں ہم بلا سے مگر
مرا عجز بھی خوبی بخت سے
نگہ اس کی پھرتے ہی حیرت میں ہوں
سامان نہیں کچھ بھی ابھی عزم سفر کا
کر فکر کہیں بہر خدا کچھ تو ادھر سفر کا
میسر ترا نقش پا ہو گیا
ستم کے لئے مدعا ہو گیا
یہ کیا تھا فنا اور کیا ہو گیا

چھپا ہم سے مگر چھپنا نہ جانا
بتا ہم نے تجھے کس جانہ پایا

امتحان اب کونسا باقی رہا ہے فلک
یو فانی میں بھی وہ خود کام کامل ہو گیا

ملک فانی میں بھلا حضرت دل
حق سے ملنے کا فنا کر کر د
آہ کیا زلیست کا غم کیجے رگ
ترک اب عشق صنم کیجے رگ

دل میں پنہاں کھا بتوں کا عشق
جیتے جی ہم فنا ہوئے مشہور
ہم نے انشہ کا بھی ڈر نہ کیا
ہم نے عالم سے گو سفر نہ کیا
غافل نہ تھا میں نزع میں بھی ہوشیار تھا
جالتے ہو منہ چھپائے فنا کیوں جہان سے
تیرا ہی نام ورد زباں بار بار تھا
تم کو تو زندگی پہ بڑا اعتبار تھا

جب جاتے خلوت کی کوئی بھی ملی آخر
دل ہی یار کی خاطر بن گیا مکاں اپنا

فکر بجا ہو تجھے نسخہ صحت کی طبیب
میرا جز موت کے کوئی بھی نہ درماں ہوگا

تھی مجھے دوری میں بھی حاصل حضورِ دیو
وہ رہا دل میں بظاہر گو جدا گانہ رہا

ہم نے راہِ الفت میں کیا کہیں کہ کیا پایا
آپ کو مٹا بیٹھے جب تراپتا پایا

تھا وہ ایسا خاموشی ہی جواب خط مرا
اے فنا ملنے کی کچھ اس شوخ سے حاجت نہیں
دل نہ سمجھا تھا معا وصل کی تدبیر کا
جذبہ دل ہی ہمارا ہے عمل تسخیر کا

سب رنگ میں ہم رنگ ہیں وہ رنگ سے اپنا
تھا شوق کبھی ہم کو بھی آرایشِ تن سے
نیرنگی عالم سے جدا ڈھنگ سے اپنا
اب جامہ ہستی بھی ہوا رنگ سے اپنا

ہے دل میں فنا دیکھئے اب ملک عدم بھی دنیا سے سفر کرنے کا آہنگ ہے اپنا

جامہ ہستی بھی تھا روز ازل ہی سے گراں
خلد کا نقشہ بھی آنکھوں میں نہ واعظ جم سکا
گورہا پہلو میں تھا پھر بھی وہی پاس حجاب
ہم کو کیا ارماں ہی اپنی زندگی کالے فنا
اپنی نظروں میں ایک تیرے سوا
جب حقیقت کھلی تری دل پر
آنکھ ملتے ہی مٹ گئے شکوے
کیا بھر سا ہی ایک دم کا فنا
کوئی دم بھی دہریں گزری نہ ہرگز چین سے
میں نے چاہا تھا کہوں گا حال لُن سے مگر
چشم نے رو رو کے رسوا کر دیا
ہجر میں گھلتے کہاں تک شکر ہے
ان بتوں کے عشق نے مجھ کو خدا
ہم سمجھتے تھے جسے قطرہ اُسے

اسلئے مرقد میں بھی تن اپنا عریاں ہی رہا
اپنے دل میں تو خیال کوئے جاناں ہی رہا
خانہ دل میں بھی وہ دلدار پنہاں ہی رہا
جو رہا اس ملک ہستی میں وہ مہماں ہی رہا
کوئی منظور دوسرا نہ رہا
دیر و کعبہ سے مدعا نہ رہا
دل میں باقی کوئی گلا نہ رہا
کوئی دم یہ رہا رہا نہ رہا
عمر بھر کا ٹٹا سایوں ل میں مرے کھٹکا کیا
سامنے جاتے ہی بس حیرت سے منہ دیکھا کیا
راز دل پنہاں تھا افشا کر دیا
موت نے قصہ ہی پورا کر دیا
سربراہ اک عنسم کا پتلا کر دیا
چشم نے رو رو کے دریا کر دیا

وہ نگاہ خلق میں اونچا ہوا
آمد و شد سے اُسی کی لے فنا
عجز سے سر جس نے نیچا کر دیا
دل میں شاید عتسم نے رستا کر دیا

آبلہ پا ہوں کچھ ایسا میں کہ ہر دم دشت میں
خارجو آتا ہے بن جاتا ہے سوزن یر پا

باغ عالم میں غموں سے دل کا اب یہ رنگ ہے
جس طرح کوئی خزاں میں پھول کھلایا ہوا

واہ سے پردہ نشیں خوب نکالا ہی حجاب
خانہ دل ہی ہی میرا ترے رہنے کی جگہ
مجھ سے شراب کے سر دل ہی میں مہماں ہوتا
لے غم یا رکھیں اور نہ مہماں ہوتا

کیا خوب جو دشمن تھے مر آج دلا دیکھ
اس عمر دور روزہ میں فنا ہم کو تماشے
جا کے اُس کو چے سے ہم پھر آئیں کیا
دیکھتے ہو تم تو اپنی شکل کو
جب اکیدا ہی نہ رہتا ہو وہ شوخ
اب تو غم سے بھی نہیں بھرتا شکم
جب نہ لگتا ہو پست تیرا کہیں
اور دودن کی رہی ہے زندگی
سُکر مرے مرنے کی خبر آئے ہیں کیا کیا
اللہ کی قدرت کے نظر آئے ہیں کیا کیا
شکل پھر اغیار کو دکھلائیں کیا
آئینہ تم کو بھلا دکھلائیں کیا
پھر اُسے تنہائی میں ہم پائیں کیا
فکر میں ہیں یا الٹی کھائیں کیا
ڈھونڈنے ہر جانی تجھ کو جائیں کیا
لے فنا جینے سے اب گھبراؤں کیا

ت

لے فنا دیکھ کے کرتے ہیں تعجب احباب
کیا ضرور سکے، پیوں بادہ گلگوں ساتی
کیا ہوا تجھ کو جو مینوشی سے انکار ہوا
چشم کفنی حسیناں سے میں سرشار ہوا

ٹوٹے گی آج تو بہ ہزاروں کی دیکھنا
پھر کیفیت دکھائی اُسی چشم مست کی
بکھری ہو ایسی خم میں کچھ جا بجا شراب
اک جرہ ہی میں چور کیا مر حبا شراب

چشم گریاں ہی سلامت تو کسی دن دیکھو
نخل مید میں آئے گا شراب سے آپ

جہہ سانی کی ہوئی ہے مجھے عادت ایسی جھک ہی جاتا ہوں دریا رہے سر آپ

ایک میں ہی نا تو اس پیمانہ و گمراہ ہوں اور سب پہنچے اکہی ہیران کوے دوست

شکوہ ہجر تو ہوتے ہی ہیں گے دل پر نہو جائے کہیں یونہی سحر آج کی رات

مفلسی خوب ہوا تیری بدولت ہم نے چھوڑ دی دیکھنی اب دام و درم کی صورت
اب تو یہ وردہ چھلکتے ہیں ہیں ہر سجدہ دیکھ لیتے ہیں جہاں نقش قدم کی صورت

آنکھوں میں مہر جان حزیں لب پہ بقیار ایسے مریض ہجر کا کیا پوچھنا علاج

آج کچھ اور ہی نقشہ ہی ترا بھی مانی میں نہ کہتا تھا کہ اس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

ہے مبتلا ضرور کسی پر مری طرح رکھتا ہے اپنا سینہ و دل داغدار چاند
پھر تا ہی ایک عمر سے یونہی واں واں ہی کس کے شوق دید میں یہ بقیار چاند

جب نہ ملتے تھے تو ملتے تھے تصور میں کبھی ملنا دشوار ہوا اور بھی آساں ہو کر
ایک و دن تو ذرا چین سے رہنے دے فلک ملک ہستی میں فنا رہتے ہیں ہماں ہو کر

چشم وفا و مہر بھی ذرا چاہے صنم بیٹھے ہیں تیری بزم میں ہم دیکھ کر سے دور
خیال فکر درماں چارہ گر چھوڑ علاج درد دل اب یار پر چھوڑ

جب نہ کوئی راز داں افسوس
غم ہی دل میں ہا نہاں افسوس
دل سے اٹھنے لگا دھواں افسوس
ہو گیا خامہ خونچکاں افسوس
بند جب ہو گئی زباں افسوس
دل دھڑکتا ہی ہر زماں افسوس
عمر جاتی ہی راں گاہ افسوس

راز کس سے کریں بیاں افسوس
دیکھا شادی کو ایک دن نہ کبھی
سوز نہاں سے جل گیا شاید
لکھتے لکھتے یہ حال دل اُن کو
حال دل پوچھنے لگے مجھ سے
صدمہ سہ سہ کے ہجر میں اب تو
فکر عقبے بھی کچھ فتنہ کیجے

انے باں پر ہی بار بار افسوس
ہو گئی یہ خزاں بہار افسوس
کیوں لئے جاتی ہو دشت تو بیا باں کیطرت
جائیں گے کیا بعد مردن باغ رضواں کیطرت
کیا کریں گے دیکھ کے ہستی کے ساماں کیطرت

فکر شادی کہاں ہے لے ہدم
داغ مر جھائے مرے دل کے
خانہ ویراں مرا کچھ دل لگی کو کم نہیں
اب یہ حسرت ہے کہ ہوں ہم فن کوچے میں ترے
جم رہی ہو یاں قناعت پر نظر اپنی فتنہ

ہوتے نہ کبھی اُس بتے پیر کے مشاق
آئینہ صفت ہیں تری تصویر کے مشاق

گر جانے آغاز سے ہم عشق کا انجم
اپنے سے جدا دیکھتے تجھ کو نہیں ہرگز

نہیں ہو مرگ سے بہتر کوئی دولے فراق
سنا میں آہ کسے اپنا ماجراے فراق

مرض سے اپنے مشخص ہوا یہی ہم کو
کہیں تو کہہ نہیں سکتے بڑی مصیبت ہے

بن گیا یہ ہی مرا مونس غم خوار قلق

جب نہ امید رہی کوئی خوشی کی مجھ کو

دل سے جاتے نہ رہیں وصل کے ارمان کہیں
وے نہ اتنا شب بھراں مجھے ہر بار سلق

اے دلے ناتوانی کیا ظلم ہے فنا پر
اب ہ کو بھی آنے دیتے نہیں باں تک

دست جنوں نے خوب سبکدوش کر دیا
باقی نہیں ہی تن پہ کوئی تار آج کل
مونس کی احتیاج ہیں کیا ہی ہجر میں
غم خوار ہو رہا ہے غم یا ر آج کل
بگڑی ہوئی ہے گلشن الور کی کچھ ہوا
ہم دیکھتے ہیں گل کی جگہ خار آج کل
کچھ شغل کر جو دن ہوں بسر غم کے اے فنا
غافل نہ بیٹھ دیکھ خبر آج کل

دیکھا ہے عندلیب چمن میں کسے بتا
جاتی نہیں نگاہ تری آج سوئے گل
گل کھا کے فرط رشک سے مرجائے عندلیب
دیکھے جو اک نگاہ تجھے رو بروئے گل
افسردہ جس کا غنچہ دل ہو تو ہم نشیں
کیا دیکھے آہ جا کے چمن میں ہر سوئے گل

مریض عشق پر کچھ آہنی ہے اس قدر مشکل
کہ اب رماں بتاتے ہیں الہی چارہ گر مشکل
خدا جانے ابھی باقی ہیں کیا حشرِ دل میں
نہ کر صنیا شبِ فرقت میں اے دردِ جگر مشکل
پہونچنا اے غبارِ ناتواں آساں نہیں تیرا
کہ ہو اُس گل کے کوچے میں صبا کا بھی گنہ مشکل
ستم ہو ناتوانی کیا قیامت تو نے ڈھائی ہو
کہ اب جانا نگہ کا بھی ہوا ہی سو در مشکل
نہ بیٹھو اس قدر غافل جہاں میں ک فنا ہرگز
کہ ہو تم کو ابھی درپیش یاں عزمِ سفر مشکل

وعدہ حشر پہ دیتا ہے دلا سے کیا کیا
حال جو پوچھتے ہیں قیہ کا صیا د سے ہم
چین پایا نہ کبھی دل کی بدولت ہم نے
عمر بھریوں ہی اُسے مضطرب و ناشاد سے ہم

بیٹھے نہ چین سے کبھی لے چرخ گھر میں ہم
مضمون شوق آپ کے لے اُڑے گا آج

گردش میں جب سے تیری پڑے ہیں سفر میں ہم
کیوں نامہ باندھیں اپنا کبوتر کے پر میں ہم

دیکھئے کیونکہ بنے حشر میں آتا ہے خیال
پر یہ امید قوی ہے کہ بڑا ہے وہ رحیم

اپنے فعلوں کے تو ہیں سخت گنہگار سے ہم
جب نظر آئیں گے نظروں میں اُسے غار سے ہم

بخشد گیارہیاں اک پل میں جھمکا کے آنکھیں
شاد ہی آئیں گے اللہ کے دربار سے ہم

رفتے آستان کی ترے کم ہے آسمان
ہم سر ترے مکاں سے مگر لامکاں نہیں

مل نہیں سکتا کسی صورت ترا ثانی کہیں
آئے کیونکر بھلا زوال تمہیں

پھر چکے لیکر تری تصویر گھر گھر ہاتھ میں
بے کمالی میں ہے کمال ہمیں

بات کرتے ہیں دل سے دو دو پر
تیرا آتا ہے جب خیال ہمیں

موت آئی و لا یہ خوب ہوا
ہو گیا محبر میں وصال ہمیں

اپنی ہستی ہے نیستی کی دلیل
خوب واضح ہوا یہ حال ہمیں

اُن کے یاں تک فنا نہ آنے کا
لے گیا گور میں ملاں ہمیں

آئینہ ہو رہا ہے کثر سے نور کی دل
تجھ ہی کو دیکھتے ہیں ہر سنگ اور شریں

ہم جانتے ہیں پر فن یہ تیری ساری چالیں
دل میں فنا تمھارے یہ کس کی لہفتیں ہیں

پامال کر رہی ہیں فتنے اٹھا رہی ہیں
جو چپکے چپکے تم کو ہر دم رُلا رہی ہیں

آج کیا ہے چشم جو پُر غم نہیں
کیا ولا تجھ کو کسی کا غم نہیں

پوچھتے ہو کیا ہمارا حال زار
کیا کہیں تم سے کہ دم میں دم نہیں

بھولتے ہو اس قدر کیوں گھر خو
زیتے بہتر ہے مرگ ناگہاں
مر مٹے ہیں سیکڑوں اس عشق میں
دیکھ کر حیراں ہوئے کیوں اس قدر آئینہ میں
دلا اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
یہ کیا ہی اگر تیرا جلوہ نہیں ہی

یہ بہار حسن کچھ دایم نہیں
پاس وہ ہوا اب کہ جب ہمدم نہیں
لے فنا تیرا ہی کچھ ما تم نہیں
کیا کوئی ثانی تمہیں آیا نظر آئینہ میں
کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں
کہ ممتور و بد و حرم دیکھتے ہیں

وصل جاناں ہوا ہی خواب میں شب
ایک تیری نگاہ پھرنے سے
ہجر جاناں میں حیف گل گل کر
لے گیا گور کے کنارے آہ
کچھ تعجب نہیں وہ نکلتا نواز
بیعت کر کے پیر مغاں سے رند بنے اک عمر ہوئی
کر رہے ہیں یہ گل بھی دیکھو تو
ایک میں ہی نہیں ترا مایل
نہ کرنا غلہ کی کچھ حرص اسے فنا ہر گز

زندگی نے دیا جواب ہمیں
ہے زمانے میں انقلاب ہمیں
رشک پیری ہوا شباب ہمیں
رفتہ رفتہ ترا عتاب ہمیں
بھیجے جنت میں بے حساب ہمیں
بادہ کشی کا مجھ پر واعظ آج نیا الزام نہیں
جان تم پر نثار گلشن میں
اور بھی ہیں ہزار گلشن میں
نصیب تجھ کو گنہگار دیکھئے کیا ہو

غیاں جب فے فے میں ترا نہ حقیقت ہو
کہ جب آئینہ دل ہی میں تیری شوخ صورت ہو
نہ لے سائے جہاں کی بھی جو طبعی اسکو دولت ہو
اگر وہ لے نیاز خلق مشتاق عبادت ہو

نہ میری چشم کو جلوہ سے کیونکر مشق حیرت ہو
نہ کیونکر عین جلوے ہی میں حاصل مجھ کو خلوت ہو
لے جسکو ترے در کی گدائی کا کوئی ٹکڑا ہو
عبادت بھی کریں اعطاء نہ سوئیں اتن جاں

فنا اللہ ہی حافظ ہو تم تو اپنے مذہب میں نہ قائم ہو شریعت پر نہ پابند طریقت ہو

آتے ہیں آج کیا کیا دسواں اپنے دل میں دینے تو دید یا خط کل ہم نے نامہ بر کو

ہو نچا ہر لامکاں سے بھی دہشوخ ابے ہا ہوتی نہیں سانی جہاں کچھ خیال کو

لے خوشی دل میں کبھی آتی نہیں لے فنا دل سے کہیں جاتا ہے غم کیا تجھے ضد ہے مرے ماتم کے ساتھ جان ہی جائے گی اس ہدم کے ساتھ

جینا شبالم میں زبس ناگوار ہے لے موت آ کہیں کہ ترا انتظار ہے سنتا ہوں کون کس سے کہوں درد دل یہاں ایمان دین و دل تو تمہیں نذر کر چکے کیا پوچھتے ہو نام و نشاں میرا ہائے تم کافی ہو اپنی عمر دور وزہ کے واسطے تعمیر قصر کی ہو تمنا جہاں میں کیا

بتائی مجھ کو اطبانے خاک پا اُس کی ملائے جب کوئی نسخہ مری شفا کے لئے ہو او حرص نہیں حسد کی مجھے لسیکن زمیں ملے ترے کوچے میں اس فنا کے لئے

میں وہ بیہوش ہوں ثانی نہیں عالم میں مرا مجھ کو بیہوش بھی ہشیار نظر آتا ہے

دل یہ کہتا ہی کہ لے چل تو گلی میں اس کی باتیں کرتا ہے ٹھکانے کی یہ ناداں مجھ سے

خاکساری کی اگر دل میں سمائی ہوتی
ظرف ہستی سے نہ کم ظرف اُبلتے استے
ملو غیروں سے تم قدرت خدا کی
تمہاری بیوفائی بھی ونا ہے
مریضِ عشق ہم جب سے ہوئے ہیں
تمہیں تو شوق ہی ناز و ادا سے
لے فنا لے ہی لیا ہوتا بت پر فن نے آج
تو کدور سے دو عالم کی صفائی ہوتی
رنج و راحت کی اگر دل میں سمائی ہوتی
رکھیں کیا آرزو تم سے وفا کی
تمہیں زیبا ہیں سب طرزِ جفا کی
توقع اٹھ گئی ہم کو شفا کی
ہمیں عادت سے تسلیم و رضا کی
نقد دل کی منہ دکھائی ہوتے ہوتے رکھی

پرسش کی کچھ امید ہیں ہے عذاب سے
گذری ہو عمر اپنی تو سب یونہی بشمار
کھلتے ہی آنکھ ہستی موہوم دیکھ لی
اکراجل نے مژدہ سفر کا سنا دیا
پابندِ کفر و دین رہے عشق میں فنا
محشر میں کام کچھ نہ نکلتا صواب سے
کیا کام ہو جہاں کے حساب کتاب سے
ثابت ہوا دلائل طرزِ حساب سے
آنکھیں جہاں میں کھلنے نہ پائی تھیں خوب سے
چھوٹے جہاں کے خوب عذاب و ثواب سے

ہم کو دعویٰ تھا کہ کھینچیں گے ترانقشہ مگر
ہو گئے کچھ دیکھ کر صورت تری تصویر سے

اس حیا کا بھی ٹھکانا ہے کہ اللہ اللہ
بارِ عصیاں سے کبھی سر نہ اٹھایا ہم نے
کچھ کچھ بے سرو سامانی عقبے کا خیال
خانہ دل میں بھی ہر شوخ نہ ہماں سے
عمر بھر دہر میں صد حیث پریشان سے
خوب دنیا میں فنا با سر سامان سے

اگر یہ ہی تمھاری حضرت دل پہنائی ہے
کہ یہ بھی ایک دنیٰ اس کی شان کبریائی ہے
کافر ہوں اگر یہ بھی کہوں کعبہ کدھر ہے

بھٹکتے ہی پھرینگے کوکبواُس بُت کی فرقت میں
اگر بھیجے گنہگاروں کو جنت میں عجب کیا ہو
اک عمر سے ساجد ہوں جدھر یار کا گھر ہے

واللہ بڑا سود ہے گر یہ ہی ضرر ہے
کل عالم فانی سے تمھارا بھی سفر ہے
دل نے اچھی گرہ کشائی کی
خوب دل نے یہ رہنمائی کی
کس کو امید ہو رسائی کی
اُس نے دل ہی میں پہنائی کی
شان ہے اس کی کبریائی کی
جب حقیقت کھلی خدا کی
کس بھر و سہ پہ جبہ سائی کی
اس دل ناداں کو ناصح خوب ساہل ہے

جاں دینے سے ملتا ہے اگر وہ بت کافر
کس فکر میں بیٹھے ہو فنا آج کہو تو
زلف کا فکسے جا رسائی کی
کوئے دشمن میں لے گیا ناداں
جب صبا کا بھی ہو گذر نہ وہاں
جسکے جو پاتھے کوکبو ہم تو
ہم ہوں ساجد توں کے در پیوں
دیر و کعبے کے کچھ غرض نہ رہی
دُر خدا سے توں کے در پہ فستا
کوئے جاناں میں نہیں منتی ہو بے جا ہیں

آخر کو اُس گلی میں مرقد بنا کے بیٹھے
نہ آیا کوئی بھی پھر کمر وہاں سے
تمھیں لے آئے جا کر آسمان سے
انھیں گر شوق ہی تیر و کماں سے
پڑے رہتے ہو تم کیوں نیجاں سے
انھیں بیجا نہیں سجدہ الہی تیری قدر ہے

جب ہو سکی نہ اپنی قسمت سے کچھ رسائی
عدم کا حال کچھ تو پوچھتے ہم
ہماری آہ وہ آہ رسا ہے
کبھی ہو جائے گا دل بھی نشا نہ
فنا کیا حال ہے سچ تو بتاؤ
توں میں بھی تو ہی جلوہ خدا کا خوب صفت ہے

تھیں کیا نذر دلوں میں اب بجز اک جان مضطر کے
ہمیں چوکے خطا اپنی تھی دل جو دیدیا تم کو
اٹھا سکتے نہیں سر بھی ترے جور و نکاشکوہ کیا
بلندی فلک بھی پست آتی ہی نظر ہم کو
گزرنے دے جو گزے یاد ہی میں اس مسحا کے
کہاں ہر دل کے پہلو میں اک حسرت ہی حسرت ہے
تمہاری ہوفانی کی بھلا اب کیا شکایت ہے
فلک اپنے ہی فعلوں سے ہیں ایسی ندامت ہے
ہماری خاکساری میں کچھ ایسا اوج رنعت ہے
فنا ضایع نہ جانے دے کہ اک اک دم غنیمت ہے

اک سہارا تھا اجل کا تیری فرقت میں سواب
تیرے بیمار کی بالیں پہ عیادت کے لئے
وہ بھی یاں آتے ہوئے ناز و ادا کرتی ہی
موت بھی آتے ہوئے پانوں ملا کرتی ہی

ہو چکی عمر ہی تمام کس کو ہی آہ یاں قیام
چلنے کی فکر دہر سے کیجئے اب فنا کوئی

مری آنکھوں میں اب تک حسرت دیدار باقی ہے
دکھا صورت کہیں آکر کوئی دم یار باقی ہی

رہیں کیا کیا تلاش یار میں بیتا بیاں ہم کو
مسیحا منحصر ہو زندگی و مرگ جب تجھ پر
نہ کی اُن بھی کبھی جور و ستم نہ کر حسینوں کے
کبھی ہم سوئے تجنا نہ کبھی سوئے حرم نکلے
تو پھر بیمار ہجراں کا ترے کس طرح دم نکلے
فنا تم تو بڑے ہی عشق میں ثابت قدم نکلے

نہ کیجے حرص کچھ دنیا کی کچھ حاجت نہیں تم کو
فنا بدتر ضعیفی سے تمہاری نوجوانی ہے

کمال کو جب نواں سمجھا تو دیکھا آحسہ کو یہ تماشا
کہ اس زمانہ میں ہی ہماری نہ بات بگڑی نہ کچھ بنی ہے

ہے بار عصیاں جو سر پہ بھاری جتا ہے ہو یہ خاکساری
فنا تمھاری بھی بے تکلف عجب طرح کی فروتنی ہے

متفرقات

جب سے آنکھوں میں تو سمایا ہے تیرا ثانی نظر نہیں آتا
جز غم کے کوئی ہم نے نہ پایا رنیت دل ہے کچھ وفا کی بو تو اسی غمگسار میں

اچھا ہوا کہ چشم سے خوں ہو کے بہ گیا مدت سے بیقرار دل نا صبور تھا

تو وہ یکتا ہی گنہگار و نہیں گر ہو نچا و ہاں لے فنا دو زخ بھی نالوں کے ترے ہل جائیگا
لے گیا دل ہی کھینچ کر ہم کو ورنہ اس کو میں کون رہبر تھا

صبح گر زندہ رہا تو شام کس صبح گر زندہ رہا تو شام کس
ہو چکا فانی تو تجھ کو لے فنا پھر غم فردا سے ناداں کام کیا
ہے فقیری میں بھی مجھ کو دخل لیکن خیر ہے فکر دنیا بھی کچھ اتنا ہی کہ جتنا چاہئے

چشم قاتل کا دلا تو نے اشارہ دیکھا طرفہ العین میں بیدار دے مارا دیکھا
آخرش عزم سفر ملک عدم کا ٹھہرا جب نہ عالم میں فنا ہم نے گزارا دیکھا

نمونہ کلام ہندی (بھاکا)

بھجن

گیان دھیان میں رہو ہمیشہ ہر سے دھیان لگاؤ جی
 آپ گموا آرام تھو ٹھک من کو تم سمجھاؤ جی
 کھانے کو تو غم ہے کافی پینے کو ہے خون جگر
 یہ ہی مزہ ہے عشق میں پیار سے جیو دیا مر جاؤ جی
 جو ٹھانی من میں تم نے پوری کر دکھلاؤ اُسے
 دیں بدیں اکیلے پھر و پردیسی ہی بن جاؤ جی
 آپ مرے جگ پر موسا دھو من کو تم سمجھا لو اب
 کوئی کسی کا سنگ نہ ساتھی آپ اکیلے جاؤ جی
 وہاں سے جو کچھ لائے تھے سب تم نے یہاں برباد کیا
 اب جاتے ہو تو سنگ بھلا کچھ یہاں سے بھی لیجاؤ جی
 مرنے کا جو کھٹکا ہے کچھ اسکو دل سے دور کر دو
 مرنے سے پہلے ہی یہاں تم فنا شاہ مر جاؤ جی

دوہرے

سکھ ہی سے دکھ ہوتے، کیوں سکھ چاہے کوئے
 ایسے سکھ کو تیا گئے جا سکھ سے دکھ ہوئے
 من گیا فی من مور کھا من بکے بکائے من بھٹکائے باٹ میں ورن ہی باٹ بتائے

من موہن من میں رہے من مور کھ کہیں اور بنو بادرد اندھرد ڈھونڈھت ٹھوڑ کھٹوڑ

آوتے ہو جاتے ہی جگت کی ریت فنا شاہ یادیں میں کرو نہ کا سے پیت

من بچھڑے تو نا ملے تن بچھڑے مل جائے من کو مت بچھڑاؤ پھر ملیں گے آئے

اکڑاٹینھ سب دھری ہلکی سی ہو کر جاؤ گے اپنی کرنی پار اترنی جیسا کرو گے پاؤ گے

ہولی

دھیان لگا بنی سے گوری بہت ہی ترے من میں چوری
دھیان کئے سے گیان بڑھے گوری بہت پڑے گی تو ر می
ایسے سے پھرنا ہیں ملیں گے بھید کہے ہے سن لے موری

دادرا

بچھڑ گئے سیاں بچھڑ گئے ر می موئے برا گن کر گئے ر می
سگری رین ہو ہے تڑپت بتی لے نیناں لگا کر گھر گئے ر می
بھید کہو کن کاری تم سے رات سنو ریا لڑ گئے ر می

پیلی

ایک نارات سرورپ اتاری رکھے سیس پر تاج
بھیس بہن کر رہے اگھاری نیک نہ آوے لاج

انتخاب کلام فنا (سلیمان شکوہ گارڈن)

(از بیاض مصنف)

مراد یواں ہی مشرق آفتاب حمد یزداں کا
 شگفت غنچہ کی اپنی بہار رو خندان ہوں
 کچھ میسر معا محبسانہ ہوا
 غیر سے فیصلہ طلب ہے وہ
 دل کو میں خاک میں ملا دیتا
 حسرتیں کیسی کیسی ہیں لے دل
 نہ کھلا بھید عشق بازی کا
 آفریں باد شکرت فنا
 شکوہ جو رہے کس ناز سے کہتا ہی وہ یہ
 آن کی آن میں کر لیتا ہے اپنا مائل
 آخرش جان گئی ہم نہ یہ کہتے تھے فنا
 جبکہ ظاہر آنکھ سے پنہاں ہوا
 اپنی فہم خاص صلح کل ہوئی
 جبکہ مشکل تھا تو مشکل تھا فنا
 صبر اور شکر میں اک مرحلہ عشق میں ساتھ

طلوع صبح معنی ہی ہر اک مصراع دیواں کا
 نوید آمد گل چہچہا ہوں مرغ بستان کا
 جب تلمک درد بے دوا نہ ہوا
 ہم سے کوئی معا ملا نہ ہوا
 ہائے افسوس دوسرا نہ ہوا
 حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا
 خود سے جب تک میں آشنا نہ ہوا
 جو ہوا شعر عاشقانہ ہوا

مذہب عشق میں جائز ہے ستانا دل کا
 ہائے کس طرز سے سیکھا ہی رہا نادل کا
 راس آئے گانہ تجھ کو یہ لگانا دل کا
 جو نہاں تھا وہ علی الاعلان ہوا
 خلق میں جب قضیہ ایماں ہوا
 اب جو آساں ہو گیا آساں ہوا
 ہم نے اس ہر میں لاکھوں کو فنا دیکھ لیا

دیکھو مرا چہر چاہیں اچھا نہیں اچھا
 اس عشق کا دعویٰ نہیں اچھا نہیں اچھا

خانموش رہو لوگو کہ تا اور نہ بہکیں
 سب کو یہ نصیحت ہے فنا کی دم بسمل

جگر بھی دل بھی بہا ہو کے خوں جو آنکھوں سے
ہوا میں یار کے باطل خیال کا بندہ

براہ چشم لٹا سب یہ قافلہ دل کا
فنا یہ میں نے نکالا ہی مشغلہ دل کا

کیا تجھے ہی فخر حال یہ امیری تھی فنا

شان شوکت سے تو اب کر کے گدائی دیکھنا

حسن جمال یار کو آئینہ دیکھ کر
آخر فنا ہوا مرض الموت خود فنا

حیرت میں آگے نقش بدیوار ہو گیا
جب سے کہ بے کس عشق کا آزار ہو گیا

وہ رشک گل جو بلغ گیا کل نسیم نے
زندانی پوچھتا تھا کبھی قیدیوں کو ہا
دائم بلا میں بھٹس گئے نظارہ باز جب
دل ہفت تیرستاں ہو گیا
یار نظر سے جو نہاں ہو گیا
جسکا نشان کچھ نہیں اکے نشان
اپنی خودی جبکہ مٹی حق ہوا
کعبہ کا واعظ اکھوں کیا انقلاب
شعلہ آہ جو سینے سے تڑپ کر نکلا
گلر خوں کی جو گلی میں کوئی آکر نکلا
پند و سینے جو دہاں واعظ ہشیار گیا
شق و نور پیش عشق سے سینہ جو ہوا
مست دکھاؤ انکو صندل دوسر ہو جائیگا

اُس پر نثار کر کے زر گل اُڑا دیا
اب ہ بھی عارفانہ تجاہل اُڑا دیا
باد صبا نے حلفت کا گل اُڑا دیا
بیٹھے بھٹسے کا زیاں ہو گیا
آنکھوں میں تاریک جہاں ہو گیا
جلوہ بُت اس کا نشان ہو گیا
حق جو ہوا رب جہاں ہو گیا
عبد خدا عبدستاں ہو گیا
یادہن میں تھا وہ یا عرش سے اوپر نکلا
فیض خوشبو سے محبت سے معطر نکلا
ہو کے بدست سربزم سے باہر نکلا
جائے دل دیکھا تو اک پارہ اُختر نکلا
نام ہی سے دو فقط اسکا اثر ہو جائیگا

تیرا تو نہ بس چلا کسی پر
سو بار کہوں گا بت کہ تو نے
تجھ سے ہم کو گلہ نہیں ہے
ایسے ظالم کے بس پڑے ہاے
افسوس ہی رہا فتنہ کو
گرنہ وہ اچھا کہے مجھ کو یہی دل سے لیتیں
اب گناہوں سے نہیں مطلق مجھے خوفِ خطر
شعلہ تابنی سے نفس کی اڑ چلا
جب ہمیں معراج لاہوتی ہوئی
عالم میں کس کے شور ہے حسن و جمال کا
منظور جو نظارہ ہے اپنے جمال کا
مستے الست ہوں لے زمین مست

اے بخت سیاہ ہم کو مارا
واللہ باللہ مصمم کو مارا
زندہ کیا خواہ ہم کو مارا
راہ و بے راہ ہم کو مارا
ناکردہ گستاہ ہم کو مارا
کلہ بد بھی مرے حق میں دعا ہو جائیگا
جو کہ ہونا ہو گا وہ روز جزا ہو جائیگا
دل کسی خورشید پر مایل ہوا
جبریل منکر اس کا ظل ہوا
نظارہ دیدہ واسے ہر اک کے خیال کا
پتلا بنا میں اپنے ہی وہم و خیال کا
احسان تمہیں اٹھاؤ عطاے کلال کا

دل زلیخا ہو گیا گلیوں کی خاک اُڑوائے گا
اپنی آہ آتشیں کا شعلہ بھڑکا اور چلا

عشق یوسف دیکھئے کتنے کنویں جھکوائے گا
اونچا ہوتے ہوتے خورشید فلک ہو جائیگا

بزم میں فسوں بیانی ہر پر پرو کی ہی بند
کیوں نہ چشمِ آبیاری لے فنا ابرو سے ہو

سامری کا سحر ہے جادو تری تقریر کا
حلقِ بسلِ تشنہ ہی آبِ دیم شمشیر کا

زاہد و حلوہ فنا فی اللہ
اثر و ردِ دل کا خمیازہ

مستی بے حساب میں دیکھا
صبر عالی جناب میں دیکھا

تو شیدا جو زائد حرم کا ہوا
سوال ہیری ندھوں سے گونگوں سے تکلم کا
پرستش ہم کریں انکی بناویں ہم تراشیں ہم
ہو سے سب جلوہ دیر و حرم مفقود آنکھوں سے
نئی باتیں نظر آتی ہیں دنیا میں ہمیں اب تو
مٹائی بت پرستی حق پرستی نے مری لیکن
فنا دل کا نپتا ہے کر بلا کا واقعہ سنکر

تو بندہ میں اپنے صنم کا ہوا
نہیں یہ بات ممکن بت کرے تقریر پتھر کا
شرارت کے ہماری بت ہے تفسیر پتھر کا
سمایا جب سے دل میں وہ بت ہے پیر پتھر کا
کیا ہی شیخ نے اک بتکہہ تعمیر پتھر کا
تصور آ ہی جاتا ہے دم تک سیر پتھر کا
نہیں شک اس میں دل تھا دشمن شبیر پتھر کا

دل جب سے عشق شعلہ رغاں کا ہے آشنا
پر دا اٹھاکے رخ سے جو نکلا وہ سیر کو
جب سے فنا کو خاک کیا سوز عشق نے

سر پر لگائے ہو مرے چتر زر آفتاب
شرمندہ آسماں پہ ہوا جل کر آفتاب
اسدن سے اسکی قبر کی ہے چادر آفتاب

خمیر جو ہر ذاتی سے ہو قوام شراب

بلند عرش سے پایہ مقام شراب

کی خیر نازش نے صفائی مری اکثر
معجون نوید اپنے جو وصل کی بھیجی
کچھ ہونے میں ہیں ہم نہ ہونے میں ہیں بالفعل

فرماؤ مکدر تھے صفا ہو گئے صاحب
اچھے تپ غم سے مرضا ہو گئے صاحب
ہم اپنی حیات آپ فنا ہو گئے صاحب

آشوب دہر قہر خدا انتخاب آپ
بوسے کے دینے میں ہیں اسیر کمند شرم

دونوں جہاں کے فتنوں کے لب لباب آپ
پر سراٹھانے میں ہیں بہتے حجاب آپ

کیوں فکر میں بیوہ لے دل ہوا بے وحدت (ق) وہ تجھ میں ہی تو آئیں جسکی ہی تجھے چاہت
گر ہوئے نہ یہ باد ہر شے میں کر اندازہ وحدت پہ ہر اک کثرت کثرت پہ ہر اک وحدت

نہ دل لگاتے توں نہ ہوتے کافر عشق قیام خاص ہر اعداد سے وجود کا تو
نہود کثرت وحدت کی کثرت وحدت حیات غافلہ کو موت سے بہت نفرت
نہ تو جدا ہی نہ میں غور جو کیا تو فنا خود آپ ہو گئی الفت تصور کا باعث
ہی اپنی اصل ہی اپنے فتور کا باعث شہود شدت وحدت و نور کا باعث
ہے فکر موت ہی سائے نفور کا باعث تغافل اپنا ہی نزدیک دور کا باعث

آخر اس آگ میں چمک چمک کے ہو خاک کا ڈھیر دل ہوا تو وہ تیر نگہ عالم گیر
ہوئے کیفیہ بادہ سے نہ جیتک محمور کیوں خفا ہو گھو تو کیا باعث
کیا خطا کیا گناہ کیا تقصیر یا اتھی میں سخت حیراں ہوں
سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے ہی فکر حیر میں اپنی منکر سے آپ
کل بہت میں نے اُسکو چھڑا کھٹا نے نہ چھڑیں گے ہم خدا کے لئے
آہ تفتید نے اب کی بھی تو تدبیر عبث لیس ہی گوشہ ابرو میں ترا تیر عبث
زاہد خشک تری ہم سے ہی تقریر عبث کچھ تو معلوم ہو بھلا باعث
کون سی بات کا ہوا باعث کون سا ایسا ہو گیا باعث پوچھتے پوچھتے تھکا باعث
دھیان آنا نہیں ذرا باعث ہاں جو ہو گا تو یہ فنا باعث دل سے بخش کا اب مٹا باعث

آنکھیں جب لگی ہیں دیکھو آتی نہیں اب تو خواب میں نیند

دل دیدہ دماغ سب پریشاں
 دیکھی نہ فنا سے عشق ہو کر
 ہے قند صبر میں وہ فنا کو مزہ حصول
 جو چشم حق میں سے خود کو دیکھا تو خاک مجھ کو نظر نہ آیا
 تو لازم آیا یہ تجھ کو اسے دل کہ تو خودی سے بھی بھیا کر
 دیدہ و دل تو تمام ہوئے پر پھول ہی جو ہمیش چڑھیں
 دل تو بہا سب آنسو ہو کر آنکھیں کھوئیں رو رو کر
 جیتے جی ہم سے نہ ملا پر زندگی اس امید پر ہے

سنئے ہیں ہم وصل میر یار کا ہو گا جی کھو کر
 جب تھے آنسو تو آنکھیں آگئیں
 آئیں بھی تو آئی ہیں پھر ٹوٹ کر
 وہ قتل کو آندھی تو میں مرنے کو بگو لا
 وہ دست بہ قبضہ تو یہاں سر تر خنجر
 ظالم دم تکبیر کا رگڑا ترا وا لہ
 تھا کشتہ گم گشتہ کا رہیر تر خنجر
 تھی سخت مہم معرکہ عشق کی ہم پر
 صد شکر ہوئے آج مظفر تر خنجر

برکتے، یاں فقیر تو بڑھ کر سوال کر
 مانگا خدا کی راہ جو بوسہ تو بول اٹھا
 پیاسا ہوں ایک عمر کا سیراب کلال کر
 منہ سے لگائے آج سُبُو کے سُبُو مرے
 تب ہر طرف ملاحظہ اپنا جمال کر
 جب پختہ مغز فکر ہو رویت کا اپنی آپ

سانس کا تار ٹوٹا بگڑا سار
 دپوئے اب کیا سرود تن آواز
 آیا گلشن میں کیا وہ تیرا نواز
 طاہر جاں کو ہے رخ پر داز
 وہ بے مختار اور میں مجبور
 بندہ میں اور وہ ہی بندہ نواز

ہمیری میری اسکی امر محال
اسکی رفتار ایک محشر زرا
خوگر ایسا ہے دل لگی کا یہ
میں غریب ذلیل وہ مختار
اور قیامت ادا کا ہے انداز
دل نہیں پیری میں بھی عشق سے باز

عشق کا ماجرا برون قیاس
کیا کہیں جا کے سامنے اُسکے
سر جھکائے میں تو لے وہ خنجر
سکبت عقلہ لمن قد قاس
نہیں رہتے بجا ہمارے حواس
اب فنا زندگی کی ٹوٹی آس

وعدتے جو ہو تو حش اے دل
ہر غنچہ چٹک کے کھل کھلا یا
ہے بے وطنی میں موت اسکی
چپ رہ کہ فنا ہر بات چپ میں
کر خلوت انجمن کی خواہش
جب گل کو ہوئی دہن کی خواہش
از بس ہر جسے وطن کی خواہش
ہمدم نہیں اب سخن کی خواہش

کچھ تو ظاہر میں ہو ربط دوستی
ہے قدم لیتا فنا تم ہو خفنا
ہے محبت کا نمونہ اختلاط
کیا بلا ہے پاؤں چھوٹا اختلاط

تیرا عاشق بنا میں کس لا لوت
عشق تیرا مجھے نصیب کہاں
تو شہنشاہ بزم ماہ و شاں
بندگی بھی تو ہو نہیں سکتی
بندہ گندہ ترا میں کس لا لوت
مرتبہ یہ بڑا میں کس لا لوت
اور حقیر گدا میں کس لا لوت
بندہ بھی گر بنا میں کس لا لوت
حوصلہ کیا مرا میں کس لا لوت
کیا مجال سخن جو دم ماروں

عشق میں تیرے ادبیت کافر
 جس طرح سے کاسہ زر گس کی ہوشیہم رفت
 شوخی و انداز پر اپنے وہ نازاں کیوں نہیں
 قول ہوا اپنا ہی حسرت سوا سالتی نہیں
 تمھیں تخت شاہی کا ساماں مبارک
 اتنی تری و زافروں حکومت
 مبارک ہمیں کفر میں سجدہ بُت
 بھلی ہکو بیا کئی بے ریائی
 فنا عشق میں ہم ہیں تم نہ ہمیں ہو
 پیوے شرابِ مذہبے اور گنہ گھرے

تو بقا اور فنا میں کس لائق
 تادم مردن مرے آنسو ہے ہمدم رفت
 ایک مجھ پر منحصر کیا اُسکا ہے عالم رفت
 بعد مرنے کے فنا ہوتا ہی کیا ہی دم رفت
 ہمیں بستر خاک لے جاں مبارک
 ہمیں طاعت حکم جاناں مبارک
 تمھیں شارعِ عواپنا ایماں مبارک
 ریا کا تمھیں نہ ہوا ایماں مبارک
 ہمیں ہ تمھیں یہ ہو ہر آں مبارک
 سب کچھ کرے دے نہ کسی کا ستارے دل

ہر تختہ حسن ویت گل آئینہ ہوا
 حسن بہار اپنی خزاں آپ ہے فنا
 صورت کے آئینہ پہ جلا ہے جلال گل
 بے حالتی میں اپنی ہی پہونچا یہ حال گل

تا حشر ہونٹھا چاٹا لیا ہے رات دن
 نفرت تھی زندگی میں فنا جبکہ ہم ہوے
 اے فنا کیا کہوں کہ کیا ہو دل
 جز ہے اور کل و جز جسامع
 منزل دل ظہور نام خدا
 دل کی بے صورتی جو صورت ہے
 کیا ہی صورت ہے ہی نمود و جو د
 سن پایا جس شہید نے شیریں کلام گل
 اے ہمنشین ملاپے آیا پیام گل
 خاص اک صورت خدا ہے دل
 منظر کل کسبِ ریا ہے دل
 ظرف انوار لا اک ہے دل
 معنی محض تو بجا ہے دل
 وہاں جو دکھا رہا ہے دل

معنی محض کیا وہ خاص وجود
 نطق اُس کا وہ جبرئیل امیں
 دل کی صورت میں تھا خدا جو فنا
 پستی سے اپنی اوج کی جانب جو آئے دل
 اپنے میں آپ محو ہے گرچہ راے دل
 اس قافیہ ردیف میں لکھ اور غزل فنا

صورت معنی ایسا ہے دل
 آپ پیغمبر خدا ہے دل
 تو خدا میں فنا ہوا ہے دل
 حق ہو کے عبدیت کو سر سر مٹائے دل
 اس فکر میں مٹے تو خدا خود کو پائے دل
 جو دت کچھ اپنی طبع کی بہو دکھائے دل

بیٹھے بٹھائے رنج کرے کیوں غذا دل
 ابھاکسی کی لاف میں بیٹھے بٹھائے دل
 محرم حریم عشق بتاں کا ہوا ہے شیخ

اپنے سے گزے وہ جو کسی سے لگائے دل
 اچھا بھلا بلا میں پھنسا آپ ہائے دل
 آفت بشر کو چاہے فنا جو دکھائے دل

تم ہو عدسے خوش مری مٹی خرا ہے
 دل لے فنا جو اُس بُت کا فرسے پھنس گیا
 آجائے ہاتھ منزل تکین کا مفتام

خالق کرے کسی پہ کسی کا نہ آئے دل
 دبستگی دل ہوئی مشکل کشائے دل
 گر ہو فنا فنا میں بقا ہو فنا ہے دل

ق

انداز ہے سامری کا جادو
 رخ کا ترے آفتاب خورشید
 میں تجھ میں تو مجھ میں جب فنا ہو

اور ناز ترا فسوں کی صمصام
 روشن آغاز روشن انجام
 تب ہے مرا نیزا عشق انجام

عرصہ دو جہاں کے مرحلہ کا
 جھنجھلا نا درازی سخن سے

جانیں ہیں ایک رہ گزیر ہم
 کرتے ہیں حدیث مختصر ہم

ترے چاہنے والوں کو اے صنم
فنا اور دنیا کی اپنی سمجھ
ترا کوے الفت سے بلوغ اور م
نہ آنے کی شادی نہ جانے کا غم

بظاہر شبیہ بتاں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویر جاں کھینچتے ہیں

اپنی بھی نظر کہیں نہ ڈوبے
برپائے دیدہ کرنے طوفاں

میں تو فرقت میں اُسکی ہوں بخود
میں اُسی چشم مست کا ہوں فدا
لوگ وحشی مجھے بتاتے ہیں
آنکھیں ناحق مجھے دکھاتے ہیں

اس بہانے تو جا پڑیں گے گلے
تیری ہر اک ادا پہ اوستا تل
یہ مثل سچ ہے وہ ہی جھکتے ہیں
جو گیا جا کے پھر نہ پلٹا وہ
کوئی اب کہتا نہیں اُٹھ کو چہ دلدار سے
ہم بھی پھولوں کا ہار ہوتے ہیں
صدقے ہم بار بار ہوتے ہیں
جو شجر بار بار ہوتے ہیں
ہم فنا بار بار ہوتے ہیں
کیا نقاہت کر رہی ہو دوستاری ندوں

سب سے چھاجو اُن سے ترک الفت کا تو وہ بولے
تجھے بندہ پرایا جانکر آزاد کرتے ہیں

تو چاہے مجھ کو دور سمجھ ہے مرا یہ قول
بندہ سمجھتا خود کو خدا تجھ کو جاننتا
معشوق کی جمائے ذرا رمز و کھینا
میں تو کسی بھی آن میں تجھ سے جدا نہیں
پر کیا کروں کہ حسن کو تیرے بقا نہیں
کہتا ہے ہنس کے دیکھو فنا کو فنا نہیں

ایک دوسے کے دونوں چکر ہیں
آپ گمراہ آپ رہا رہیں
اپنے پیر آپ ہم سراسر ہیں

واعظا قطع و غظ مغر نہ کھا
کون رحمان کون شیطان ہم
اپنے ارشاد کے ہیں خود مرشد

تب سے اک لمحہ دل کو تاب نہیں
اُسکا لیکن کہیں جواب نہیں
بخود ہی تو پھر حجاب نہیں
کون سے شعر انتخاب نہیں

جب سے منہ پر ترے نقاب نہیں
سائے عالم میں تو دیکھ پھرا
مجھ سے اس سے خودی کا ہے پردا
پوچھتا کیا ہے اے فنا تیرے

نہ تیری قدرت کی انتہا ہے جو کچھ کرے تو وہی بجا ہے

عجب نہیں تو کرے جو پیدا ملک زمیں پر فلک پانساں

فنا کسی کا جو دل ہو دانا اور اُس پہ رکھتا ہو چشم بینا

تو دیکھنا اُسکو اسکا ہے کیا ملک زمیں پر فلک پانساں

ناحق ہی تم نے شکل چھپائی نقاب میں
لو آج شیخ بیٹھے ہیں قصد خضاب میں
ہم سے خطا ہوئی یہ تمہاری جناب میں
ہو و یگا حشر ختم مرے ہی حساب میں
نے خاک میں نہ باد نہ آتش نہ آب میں

پچاں لیں گے ہم تو تمہیں چال ڈھال سے
رے سپید کو وہ کریں گے سیاہ پھر
جاں کھو کے ہم نے خلق میں سو کیا تمہیں
پارہ کریں سب اپنے گنہ کے تمسکات
شامل ہو سب میں اور وہ سب سے جدا فنا

آپ اپنے کو مگر سب سے بُرا جانتے ہیں
زہر نواشان الم لطف بقا جانتے ہیں
خاک پا کو تری سب خاک شفا جانتے ہیں

خاکساران جہاں سب کو بھلا جانتے ہیں
ساغر و صل کو وصل جو بقا جانتے ہیں
کیون دھو دھو کے پیوں تلو ترے ساتی میں

ہم بس چلے تو کوچے میں اُنکے رہا کریں
 پہلو سے پر نہ یار کو اک دم جدا کریں
 ہم دل تو دیکھ کے جو نہ دیں تلو کیا کریں
 اپنا نقصاں کہاں اپنا ہوں
 موت اپنی وصال اپنا ہوں
 مست جامِ جمال اپنا ہوں
 آپ ظرفِ مثال اپنا ہوں
 نہیں جزا سکے کوئی دونوں کی صفت بیا
 نہونے کا جو نہونا ہی سو وجود تو مان
 درون قوتِ عالم تھے جملہ فرزندان

چاہے وہ ہم کو قید کریں یا رہا کریں
 جی چاہتا ہے جان کو اُنپر فتد کریں
 اب چاہے آپ مہر کریں یا جفتا کریں
 اوج اپنا زوال اپنا ہوں
 اپنا ہجر اپنی زندگی بسلا
 اپنا میخانہ آپ ہوں ساتی
 خود بقائے وجود اپنی فتنا
 عدم نہونے کا ہونا وجود کا ہے نام
 جو ہونے کا ہی نہونا سو وہ عدم ہی دلا
 کہ جیسے ذات میں آدم کی عالم قوت
 کچھ کہہ تو چارہ گر کہ میں تدبیر کیا کروں
 اپنے جنوں کے سلسلے کا خود ہوا اسیر
 خواہش ہماری آپ ہی اپنے گلے پڑی
 آرام لینے ہی نہیں دیتی کسی گھر طری
 کرتی ہی بند خودت نطق اسکی بات بات
 لیوں آنکھ رہ نہ جائے کھلی آن آن ہے
 نہ فنا میں ہے کچھ فنا مجھ کو
 تہمت محض ہے فنا مجھ کو
 ہو فنا مجھ کو جب خدا ہو فنا
 ساری انجیل بھولا سب قرآن
 مٹا خدا جب نہ جانتا تھا کچھ

ہوتی ہے جان جو ہر شمشیر کیا کروں
 اُبھاؤ اپنا آپ ہی زنجیر کیا کروں
 اپنے کئے کی آپ سے تقریر کیا کروں
 چکر میں اپنی گردش تقدیر کیا کروں
 جادو بیاں سے کہئے تو تقریر کیا کروں
 پیش نظر فنا وہی تصور کیا کروں
 نہ بقا میں ہے کچھ بقا مجھ کو
 جب تک اللہ ہے بقا مجھ کو
 در نہ امکان کیا فنا مجھ کو
 الف اک یا و رہ گیا مجھ کو
 بندہ دانست نے کیا مجھ کو

فکر میں لا کر میں اُس کی یاد کو
کیوں نہ ہوں صورت پرستِ ادل کو
بُتِ خدا کیونکر نہ ہوں حق نے کیا
کھینچے کیا تصویرِ رشکِ آفتاب
ہاں محتسب اگر حشم و مینا شکست ہو
جلوہ جو حسن و خضرِ رز کا تو دیکھ لے
مستوں کی محفلوں میں کسی دن جو آ پھنسے
صورت نما ہو عشق ترا پھر کہاں اگر
کیا غم جو ٹوٹ جائیں جگر، جاں، کلیجہ، دل
بیشک خدا بنے جو فنا توڑے عبدیت

شاد کرنا ہوں دلِ ناشاد کو
پیار کرتا ہے خود آدم زاد کو
اپنی صورتِ خلقِ آدم زاد کو
تابِ نظارہ نہیں بسزا د کو
ساتھ ہی تمھارے سر کا بھی کاسا شکست ہو
قاضی و ضوے عصمتِ تقویٰ شکست ہو
زاہد کے عہدِ صوم کا پایا شکست ہو
آئینہٴ جمالِ سراپا شکست ہو
پر تیری چاہ کی نہ تمنا شکست ہو
خود بینیوں کا اپنی جو پایا شکست ہو

سر کاٹتے ہی عشق کی بواہر بڑھ گئی
روزِ ازل سے دور و تسلسل میں پھنس گئے
زندگی سے جی ہوا بزار آہ
کوئی بچنے کی صورت چارہ گر
آج بزمِ مہوشاں میں بھٹن گئی
رنگِ ہستی کا تلون ہے فنا
زندگی میں یار سے ملنے کا دعویٰ ہو فنا
یہاں تک میں رویا کہ یہ چشم تر
میں چھوٹا بکھیرے سے سم کو اگر
ہماری وعدہ دیدار پر شفا ٹھہری

اس شمعِ بزم کو نہیں گلگیر سے گلہ
کچھ طوق سے گلہ ہے نہ زنجیر سے گلہ
پھر گئی ہم سے نگاہ یا ر آہ
روزِ افزوں ہے مرا آزار آہ
عقل میں اور عشق میں پیکار آہ
ابتک اور غفلت نہیں ہشیار آہ
فکر کی جس جا رسائی ہوتے ہوتے رہ گئی
گمراہ رہتی اب گمراہ ہو گئی
مری جان تم منظر ہو گئی
بھلا ہوا نہ مرے درد کی دوا ٹھہری

میکشو تم کو ہو شراب نصیب
ہم کو یوں ہی خمار رہتا ہے
بعد مرنے کے ایک افسانہ
بس سنتا یادگار رہتا ہے
کسنا کسی کا یاس سے وقت فنا فتا
دنیا سے لے گئی مجھے آخر لگنی ہوئی

ہے غضب چپ جو رہوں کستا ہی کچھ بات کہو
مدعا دل کا سناؤں تو وہ سنتا کم ہے

دامن کے گریباں کے ہوئے تار خبر لے
ہے حال مرا زار دل آزار خبر لے
کدے کوئی اُن سے کہ تغافل سے تمھارے
بیمار کے اچھے نہیں آثار خبر لے

ہوش و حواس صبر تو پہلے ہی جا چکے
باقی رہا ہے ایک دل تار لیجئے
غم سے دل ایسا مشک ہو گیا
اصل کیا ہے خانہ زنبور کی
خوں نہ کیوں روئے ہماری چشم تر
زخم کو خواہش ہوئی ناسو کی

ہر آن پہ اُس کی جی مندا ہے
بیدار ہے اُس میں جوادا ہے
زاہد یہ طرہ نہ صاحب ہے
جو بُت ہے مرا ترا خدا ہے
بُت میں دیکھی خدا کی صورت
دل عشق پرست ہو گیا ہے
کیا بیسے بساط بازی عشق
پانسہ ہی ہماری ہار کا ہے
عشق بت بے وفا میں آحسہ
اللہ اللہ فنا فتا ہے
کیا پوچھتے ہو ہم سے یہ پوشیدہ راز ہے
ہے جس پہ سب کو ناز وہی بے نیاز ہے
میں تو یہی کہوں گا کہ دانست میں مری
روز حساب سے شبِ فرقت دراز ہے

نہ ہوتی شکل دین گر شامل تصویر پہلے سے
 لاکھ کچھ پر کرے جفا وہ کب
 چشم حق ہیں سے گر کوئی دیکھے
 کون عیسیٰ فنا ہوئے ہم اب
 شوق و فورتیش عشق سے سینہ تو ہوا
 مر گئے قیس و دامق و شرہاد
 بیتک آیا نہ وہ بوقت نزاع
 سمجھ ہے دور نہیں دور گھر دلا اس کا
 ہر ایک مرحلہ منزل مقام عشق
 بساط گلشن ایجاد ہر گل رعنا
 نہ تھک کے بیٹھو مہمت کو ہار کے اے دل
 کیا زبور اور کیا فراقاں کیسے تو رات اور رات بخیل

ہر دم ذکر جو اُس کا کرتا یونہی رہے تو بہتر ہے
 دوست ہے تیرے دل میں پنہاں ڈھونڈھتا ہی تو کس کو ناداں
 ہر گز راز یہ ہوئے نہ افشا یونہی رہے تو بہتر ہے

ناصح میں کیا کروں مرا کیا اختیار ہے
 جبے رُخ وجود عدم کی طرف پھرا
 شہد آگیاں زہر زہد اگفتار ہے
 فنا خستے شامت ایک گویا نیک دنیا کی
 جو چھپکے کر کے پردا بیٹھتا ہو دل کے پرد میں
 کچھ آپ ہی آپ اُس پر مراجی نثار ہے
 اپنی فنا کی آپ بقا سو گوار ہے
 کیا لبشیریں کی میٹھی مار ہے
 مبارک ہے وہ شے جو ہر کسی کے کار میں آئے
 بھلا تصویر کیونکر اُس کی چشم زار میں آئے

تو ہوتا کفر ہی کفر اے بت بے پیر پہلے سے
 میرے مُنہ سے بُرا نکلتا ہے
 تو خودی سے خدا نکلتا ہے
 کام اب بے دوا نکلتا ہے
 آہ مت کھینچ بس اے دل نالان ٹھنڈی
 پر مہم عاشقی کی سر نہ ہوئی
 روح بھی مائل سفر نہ ہوئی
 بہت قریب ہے رستا چلے چلو تو سہی
 قدم قدم ہے وہ جلو اچلے چلو تو سہی
 پتہ بتاتا ہے اس کا چلے چلو تو سہی
 کبھی تو پہونچیں گے اُس جا چلے چلو تو سہی

تصویر وار چپے میں ششدر ہیں دیکھتے
 اُس کو ہم اپنے قلب کے اندر ہیں دیکھتے
 اپنی طرف سے اُنکو مُکد رہیں دیکھتے
 عاشق کی ذاتِ صالح کل ہے
 پروائے جاہ و منصبِ اعلیٰ نہیں مجھے
 کچھ خواہشِ مشجر و دیبا نہیں مجھے
 بندہ ہوں کچھ خدائی کا دعوا نہیں مجھے
 عالم اگر عدو ہو تو پروا نہیں مجھے

دیکھا ہے جبے جلوہ جاناں سکوت سے
 دیتی نہیں دکھائی جو تصویر آنکھ سے
 جی چاہتا ہے خاک میں خود کو ملائیں ہم
 جز اپنے نہیں کسی سے پر خاش
 ہوں خاکسار خواہشِ دنیا نہیں مجھے
 آزادست اپنی ہوں عرباں تنی میں خود
 مجھ کو انا نیت کے تجتر سے کام کیا
 قاتل کی آنکھ سیدھی ہے جس کا ہوں قاتل

پروا دمِ عینے کی ترے کشتوں کو کیوں ہو
 ٹھوکر تری کیا مڑے جلا یا نہیں کرتی

قاتل ہوں میں جو بات کہیں آپ راہ کی
 عالم غریقِ موجِ دریائے حسن ہے
 رشک سے چھٹ گئیں نصیب فنا کی آہ
 بے اختیار بزمِ غزلِ خوانی میں فنا
 تفصیر کچھ نکالے اس بے گناہ کی
 طلعت ہوئی محیط جو اس رشکناہ کی
 اس درجہ دردِ محبت نے حالتِ تباہ کی
 جس نے غزل سنی یہ تری آہ واہ کی

فنا بقا کے لئے ہے بقا فنا کے لئے
 ہما ہمی یہ ہماری بہاے باطل ہے
 جو دین چھوڑا تو کافر ہوا فنا بیشک
 آندھیاں چلتی ہیں اندھا دھندہ
 لے فنا ہے بند و کان خیال
 بیولا پیکرِ خاک کی کا ہے فنا کے لئے
 بقا فنا کی دکھاوٹ کی ہے ادا کے لئے
 بجائے دوزخ ہفت مری منرا کے لئے
 دل پریشاں طبع نازک کند ہے
 فکر کی بستی میں اس کا دُند ہے

ہے مشتر مقدر خواہش میں جو یہ بات
چمکائی اپنے جوہ کی شوکت جہان میں
صورت پرست ہم جو فنا میں بقا کے ہیں
ذات نمود ذات کی جلوت صفت ہوئی
دورِ جمال یار کی رحمت صفت ہوئی
دل عاشقی کی ذات تو چاہت صفت ہوئی

طبع قاضی جو کہیں خستہ ز سے اٹکی
جان کی خیر نسا اب نہیں اللہ حافظ
زندگانی کا سارا میلا ہے
گرم بازارِ فنا اپنی
علم کی اپنے آپ استعداد
ڈوبی جاتی ہے ناؤ ہستی کی
سے جنوں اور ہجوم لڑکوں کا
دوستی دشمنی و راحت و رنج
ناز گل کا شہید ہے جو فنا
خواب سے وہ بت بے پیر جو منہ کھول اٹھا
رات خوش پھرتی تھی میخانہ میں بھٹکی بھٹکی
ڈسنے دل عاشقوں کا زلف کی ناگن اٹکی
مر گئے پر فقط اکیلا ہے
گانٹھ میں پسیہ ہے نہ دھیلا ہے
کہیں مرشد کہیں پہ چیلہ ہے
موج گریہ کا زور ریلہ ہے
میرا سر ہے تو اُن کا ڈھیلا ہے
جیتے جی کا یہ سب جھمیلہ ہے
قبر پر گلر خوں کا سیلا ہے
شمع خاموش ہوئی مرغ سحر بول اٹھا

مرے کون سامنے آگیا مجھے چہرہ کس نے دکھا دیا
مرے دل کو کس نے لُبھا لیا مرا ہوش کس نے اُڑا دیا
کبھی ہجر کا ہمیں غم دیا کبھی وصل سے کیا خوش ہمیں
کبھی چٹکی لے کے رُلا دیا کبھی گدگد کے ہنسا دیا
جو تو ہم سے پوچھے کہ کیا دیا تو کہیں کہ دیدیا دل سے تجھے
کبھی ہم جو پوچھیں کہ کیا دیا تو بتا تو کہدے گا کیا دیا

مجھے نیتی ہی پسند تھی نہ تھی فکر کچھ بھی جہان کی

تو نے زندگی دے کے اسے خدا مجھے آفتوں میں پھنسا دیا

جگر میں درد ہوا دل میں اضطراب ہوا
یہ کون رشک دہش بے نقاب ہوا
مجھ کے کیا مجھے بھیجا خدا نے دنیا میں
وہ میرے دل ہی میں آخر کو مل گیا مجھ کو
کسی کا عشق ہوا کیا کہ اک عذاب ہوا
کہ جس کے صدقے میں ہر ذرہ آفتاب ہوا
میں اس خراب جگہ میں بہت خراب ہوا
میں اک جہان میں جس کے لئے خراب ہوا

روز لیتا ہوں بلائیں اُس سُرُخ روشن کی میں
ماہر سے اپنے اُس کو تم نے شرمندہ کیا
روز ہوتا ہوں میں اس ڈھبے نثار آفتاب
اب نہ نکلے گا فتنہ تم سے غبارِ آفتاب

محیط بارہ عرفاں کے چکر میں جب پہنچے
غبارِ آئینہ دل کا جو دھوا دیدہ تر نے
درِ مقصود ہاتھ آیا اہا ہا ہا اور ہو ہو ہو
پری چہرہ نظر آیا اہا ہا ہا اور ہو ہو ہو
خود ہی خود مدعا پایا اہا ہا ہا اور ہو ہو ہو
کبھی خود سے ہوئے بخود کبھی ہوش آگیا خود کو

لہو میں ہمارے جو تر ہو گئی
نصیحت کا کیا فائدہ نا صحا
تری تیغِ سخت جگر ہو گئی
وہاں نام بھولے سے میرا لیا
ہماری تو یونہی بسر ہو گئی
ہیاں ہچکی آئی خبر ہو گئی

بقیہ انتخاب کلام فنا

ہمنشین تکلیف عیسے کو عبث
آہ نکھیں پر اشک ہیں لب خشک پر گندھواں
اب علاج درد بے درماں ہوا
عشق بازی کا مزا خوب دلا دیکھ لیا

دل گیا ہاتھ سے تو بچ ہے بقول جارح، پانوں پڑنے کے سوا کچھ نہ بنا دیکھ لیا

نہ چین وصل میں جی کو نہ طاقت ہجراں بتاؤ کیونکہ نکالوں میں حوصلہ دل کا

مان لے میرا کہا ہرگز حسینوں سے نہ مل پھر تو پھپھٹائے گا کر کے آشنائی دیکھنا

قسمت ہماری چونکے پھر سو گئی در بے
اللہ سے اثر مجھے ہمارا دیکھ کر
یا وجب آئے لب میگوں گل
بل بے تری تیزی مے سا قیا
چونکتے ہی خواب کے وہ شوخ چشم
دار فنا سے جو فنا ہو گیا
بوسہ کو میں جھٹکا کہ وہ ہشیار ہو گیا
عسے کو عشق یار کا آزار ہو گیا
خون دل آنکھوں سے رواں ہو گیا
پیر دو صد سالہ جواں ہو گیا
فتنہ و آشوب جہاں ہو گیا
دار بستا اس کا مکان ہو گیا

لو، طواف کعبہ دل کر فنا
کیوں سر چڑھے فنا پے بوسہ جو گر پڑے
سالکان عشق میں کامل ہوا
جرات تمھاری خود ہوئی باعث بال کا

قیس کے مانند لاکھوں ہو گئے مجنون عشق
جب کے مقام جلوہ جانان ہو گیا
چھلکائے اب تو موج نسیم صال یار
شور سن سن کر ہمارے نالہ زنجیر کا
کعبہ ہمارے دل کا صنم خانہ ہو گیا
لبریز اپنی عسمر کا پیانہ ہو گیا

اٹھاتے اٹھاتے جدائی کا صنم
سراپا میں پستلا الم کا ہوا

بنانا تھا ہمارا بھی دل دلیگیر پتھر کا
نہیں کرتا ضرر کچھ نالا شبگیر پتھر کا

کیا پیدا تھا گر ہم کو بتوں کے ظلم سننے کو
مری آہ و فغاں دل میں کرے کیونکر اثر تیر

بلند عرش سے ہے پایہ مقام شراب
عکس انگنی رنگ لالہ فام شراب

خمیر جو ہر ذاتی سے ہے قوام شراب
شفق کھلی رخ خورشید و پشراق حسن

چاہت کے حقوق آج ادا ہو گئے صاحب
سو وہ علت تیغ جہنا ہو گئے صاحب
آلودہ خون شہدا ہو گئے صاحب

غیروں کے لئے آپ خفا ہو گئے صاحب
جو آگئے تھے مسلخ الفت میں تمہارے
وامان قبا آپ کے اڑ کر دم تذبذب ڈ

پھر چو نچلے کی لینے لگے ہیں جناب آپ
ہرگز نہ ہو جائے گا یہاں کامیاب آپ
دیتے رہے ملاپ کا صافی جواب آپ
ایک صورت سے دوسری صورت
شکل مرنے کی موت کی صورت
قتل عشاق کو ہے خنجر و شمشیر عبث
سینے سے چارہ گر و کھینچتے ہو تیر عبث
اے مسیحا نفسو کرتے ہو تیر عبث
آئے گی نہ اضطراب میں نمیند
یہ ترش رویاں تری لے دلتاں لذیند

تیور بدل کے بولے جو میں نے بلائیں لیں
گزرے جو وہم وصل کرو عاشقی کو نہ
ہم ہو گئے فنا اسی مسید و بیم میں
ہے فنا کیا تغیر است و جو د
حال سے حال میں تفسیر شاں
برترش جنبش ابرو کے ہیں قاتل یہ شمشیر
ساتھ ہی یہ دل مجروح کھنچا آتا ہے
اب فنا میں رقتے دم ہے خدا پر چھوڑو
وعدہ ملنے کا کل ہے بس آج
عشاق جانتے ہیں بہ اند لذت حیات

ادھر تو دیکھو۔ ہمیں نہ چھٹرو۔ ذرا تو ٹھہرو۔ یہ سب سنا کر
 ہمارے پہلو سے اٹھ گیا وہ یہ تازہ فقرے سنا کر
 جو مجھ کو دیکھا لگا یہ کہنے کہ شاہ جی تم کہہ رہے آئے
 سوال بوسہ کیا جو میں نے تو ہنس کے بولا خدا خدا کر

دوستو دیکھو کھنکھاتے پر ایسا جانتا تھا ہمارا غل
 چھٹ نہ سکا ہاتھوں سے اُسکے زور دیا وہ دھو دھو کر
 آبلوں سے دل کے گل لالہ کھلا
 آج جو فرقت میں رو دیا پھوٹ کر
 پھر کے ناسورِ جبگر سے لگے
 چارہ گر بھاہا گرا پھر تھوٹ کر
 کیا کہوں میں لے فنا اس ترک کے
 آنکھ میں شوخی بھری ہو کوٹ کر

آئینہ دم ذبح تھا جو ہر تہِ مخمبہ
 اُس دم بھی ہو گی تم کو نہ بادِ ہماری چاہ
 میری جانب سے اُس کو بکایا
 پھر تاسے گلے پر سے خنجر تہِ خنجر
 رکھ دیں جو آگے اپنا کلیجا نکال کر
 ہے رفیقِ سیاہ رو نسناں

عاشق کو ہے گلبدن کی خواہش
 نے سیرِ گل و چمن کی خواہش

مانا غیروں سے ہے دونا اختلاط
 انہما میں ہم بھی دیکھو مثلِ مجنوں ہو گئے
 ہم سے رکھیں آپ کو نا اختلاط
 ابدلے عشق میں تھا پاس اپنے غم رفیق
 حسرتِ اندوہ و یاس کا ہش غم ذوق و شوق
 ساتھ دینے کو نہیں ہیں یہ ہمارے کم رفیق

کرتے ہیں ہر روش چمن اہتمام گل
مرغان بوستاں کو مبارک ہوتا زہ بند
ہر حلقہ کا گل اندام
رخ کا ترے آفتاب خورشید
گلشن میں لائی باد بہاری پیام گل
پھر باغیاں چمن میں بچھائے ہیں ایم گل
مرغان چمن کی جان کا دام
روشن آغاز روشن انجام

پھر جینے سے جی ہوا ہے برہم
لیتا جو بلائیں ہوں میں اس کی
وہ قتل پہ تو لیتا ہے خنجر
مرتے ہیں ایک طفل پرہم
ہوتا تیوری بدل ہے برہم
ہیں زیر قدم جھکائے سرہم

جی میں آتا ہے کہ اتنا تو کہوں
آہ و نالہ مست سنا بلبل مجھے
میرے قاتل کی ادا کو دیکھ کر
بجائے اشک میری آنکھ سے خون جگر ٹپکا
یاد مرگاہ میں تیری ادا قاتل
یہ مثل سچ ہو وہ ہی جھکتے ہیں
نہ ہوئے کچھ مگر دل کو ہمارے تو تلی ہو
اس سوچ میں تو ہوش ہمارے بجا نہیں
اگلی باتیں کچھ بھی تم کو یاد ہیں
زیر لب بیاں سیکڑوں فریاد ہیں
سرنگوں بیاں مانی و ہزاد ہیں
تعجب یہ ہوا یا قوت ہے ہیرے کے معدن میں
تیر سینے کے پار ہوتے ہیں
جو شجر بار دار ہوتے ہیں
کوئی یہ جھوٹ ہی کہہ دے کہ تم کو یاد کرتے ہیں
خانہ خراب عشق کی کچھ انتہا نہیں

ہم مسلمان ہیں نہ کافر ہیں
گسوچ وصل کی گئے ہجراں کی فکر ہے
علم میں اپنے فوق ہے تا تحت
بندہ بندگانِ دلبر ہیں
کیا کیا خیال ہیں دل خانہ خراب میں
وہم اپنا خیال اپنا ہوں

فنا جو کچھ کہ ہے قوت میں فعل میں بھی ہو
بس اتنا فہم کو کافی عقل کی ہے نشان

ہے حلق تشنہ خنجر بُراں کی آب کا
گھونٹا گلا جو شورش سر یا دے مرا
بُڑش ہے پیاسی خون کی تدبیر کیا کروں
نالہ ہوا ہے طوق گلو گسیر کیا کروں
مرگ شیریں کی خبر فرما دو

کیا کہوں میں بات میری ہم نفس
پوچھتا ہی اب نہیں دلدار آہ

دیدہ ناسور ہو ٹپک نکلا
کل سے دل بھل ہوا بکل دیکھئے ہوتا ہوا کیا
مرا حال دیکھا تو ہنس کر کہا
تھکے عشق میں خون جگر پیاسہ ہم نے
یہ کیا سبب ہے کہ اب تک پھر انہیں قاصد
غور تجھ کو نہیں چاہے فنا جب کہ
پاس غیروں کے پار رہتا ہے
ارے جلا دقتل میں کیا سوچ
پھر کچھ بھی نہ پچھتائے سے ہاتھ آئیکا تیرے
قول سے قاتل دوبارہ پھر گیا
پاس گر اس کو نہیں اپنا فنا

پھوٹے جس دن سے آبلے دل کے
آج تو اس سے صفائی ہوتے ہوتے رہ گئی
تھیں کیا کسی کی منظر ہو گئی
غم اور غصہ ہماری ہی غذا ٹھہری
کوئی بتائے تو مجھ کو کہ اُس سے کیا ٹھہری
سرشت میں تری تسلیم اور رضا ٹھہری
دل بہت بیقرار رہتا ہے
کس کی گردن پہ بار رہتا ہے
لینا ہے تو بیمار کی اب یار خبرے
جان دینی ہم نے جب منظور کی
ہم نے بھی دل سے محبت دور کی

جس گلی میں وہ جا نکلتا ہے
دل سے وا حشر تا نکلتا ہے

چاندنی فرقت جاناں میں جلاتی ہو مجھے
موسم گل میں پڑی اوس خزاں کی جوفت
گرچہ تاثیر ہے تیری مہتاباں ٹھنڈی
تو پھر تک کر ہوئی بس بلبلاں ٹھنڈی

ہوں خاک جل کے ساتوں جہنم جو تیز ہو
وہ آہ سوختہ کا ہماری شرار ہے

منتقولات

خمسہ بر غزل غالب

رنج و افکار جو قابل تھے سننے کے سے
خوں کے دریا ہے آنکھوں کے جو دیکھے نہ منے
چاہے اس بات پہ ہو جائیں خفا وہ ہم سے
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھے کیا کہتے ہیں

بیان کر بلا

بوقت رخصت اُتارا جوڑا شہانہ سے بڑھا یا سہرا
سلاح سجکر دلہن کے بولا کہ مہر بخشو خدا کو سونپا
لڑا جو دن میں ہوا جو زخمی گرا زمین پر حرم دیکھا
کفن میں لپٹا ہوا ہی قاسم لال جو طراندہ زرد کنگنا
سفید تخت لکھنک بندھی ہو سیاہ شملہ لٹکے بلای

خمسہ بر غزل عنایت

ہم تو قیدی ہی رہے اُس لف کی زنجیر کے
اور نہیں قائل ہیں اپنی آہ کی تاثیر کے
کیا کریں تقدیر یہ قابل ہو دل تعذیر کے
ہو گئے ہر طرح سے مغلوب جب تدبیر کے
آخر میں ہم نے دیا دل پھینک پہلو حیر کے

خمسہ بر غزل شان

پیاں بیکار ابرباراں ہے
چاک داماں تلک گریباں ہے
کچھ نہیں ہم کو خوف طوفاں ہے
ایک پرے میں چشم گریباں ہے

دُودِ دل ہی سحاب ہے دل کا

خمسہ بر غزل خود

اب تو ناراض بے سبب ہے وہ رہتا ہم پر تو بس غضب ہے وہ

مانتا بات میری کب ہے وہ غیر سے فیصلہ طلب ہے وہ

ہم سے کوئی معاملہ نہ ہوا

فصل گل آئی کر مجھے آزاد سُن لے ہر خدا مری سزا د

اب زیادہ نہ مجھ پہ کمر بیداد مری جاؤں گا سُن لے او صیاد

اب کے گر فصل میں رہا نہ ہوا

بخودی وصل یار میں گور ہی بات کرتا رہا ٹھکانے کی

یہ تھی اک بات ہوشیاری کی غنیت یار میں شراب نہ پنی

اس نہ پینے سے پارسا نہ ہوا

خمسہ بر غزل ظفر

آکے بالیں پہ مرا حال جو اُس نے دیکھا تو لگا کہنے کہ کیوں اسکو نہیں ہوتی شفا

سُن سوال سکا ہی میں نے جواب اسکو دیا کس طرح ہو ترا بیمار محبت اچھا

نہ طبیب اچھا ہی کوئی نہ دوا اچھی ہے

خمسہ بر غزل میر تقی

مت کرو اب ستم سوا ہم پر ظلم ہرگز نہیں روا ہم پر

ترس لازم ہے اک ذرا ہم پر لے بتوا مقدر جفا ہم پر

عاقبت بندہ خدا ہیں ہم

یک بیک اپنی وہ اٹھا کر چشم مجھ سے کہنے لگا دکھا کر چشم

کیوں یہ کہتا ہے تو ملا کر چشم سر آلودہ مت رکھا کر چشم

دیکھ امی وضع سے خفا ہیں ہم
پہلے ایسا تھا کب تن مجر دوح ہو گیا جیسا اب تن مجر دوح
اب ہر مرہم طلب تن مجر دوح ہے نہک سود سب تن مجر دوح

تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم
خمسہ بر چند اشعار کر یا

سرا پا خطا وار ہوں کس بر یا گناہوں کی میرے نہیں انتہا
ولیکن دعا ہے یہ صبح و سہا کر یا بہ بخشاے بر حال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا

بھری ہو مرے دل میں حرص ہو اس اسی امر میں ہو مجھے پیش و پس
نہیں ہو کوئی جز ترے داد رس نذریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش دیں

سوا تیرے کس سے کروں التجا تری ذات سے ہے مجھے آسرا
دعا سن مری اسے مرے رہنا نگہ دار مارا ذرا خطا
خطا در گزار و صواب ہم منا

خمسہ بر غزل غالب

حیرتی نہ کیونکر ہو اس میں ہے دل آزاری سوچ دل ہی ظاہر کی بیخودی خبر داری
دیکھ مثل آئینہ صاف ہے یہ عیاری ساوگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

تضمین شعر نسیم دہلوی

یہی نصیحت کرے گا تجھ کو فنا کے جب تک کہ دم میں دم ہو
اے یہ غفلت نہیں ہے اچھی یہ بات حق میں تو تیرے سم ہو

یہی ہے اندوہ اور حسرت یہی ہے غم اور ہی الم ہے
 بہت ہی سوئے کہ دن بھی گزرا نہ سوچ آیا یہ کیا ستم ہے
 نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

رباعیات و قطعات

رکھ حفظِ مراتبِ شریعت ہر حال میں ظاہری حکم خود کے لئے نیک نال
 ہی خود ہی میں جو ظاہر و باطن خود کا ظاہر باطن کا فرض ہی رکھنا خیال

موجود ہے جو وجود عالم میں فنا کامل کئے سب تن مجسم میں فنا
 خود کو دیکھے ہے جامع خلق خدا اللہ ہے آپ ابن آدم میں فنا
 روح میں مجلِ مسلم میں جو کہ مجل ہے تمام جو مفصل روح میں قلب میں تفصیل تمام
 عرش میں جو جمع ہو وہ جسم میں سب جمع ہو فرق جو کرسی میں ہو وہ نفس میں ہو لا کلام

پیلیاں

ظاہری رنگ اُس کا کالا ہے بطن میں اُس کے خوں نرالا ہے
 کھائے جو اس کو کر سکے نہ وہ چوں ایک سیلا کے ہیں بہت مجنوں

(افیون)

وہ کھول بیٹھو یہ پسار بیٹھی

(چوڑی اور ہاتھ)

آگ لگے پانی سے آئیں یا کی بوجھ بتاؤ

(چونا)

پیر سنی من ہا رہ بیٹھی

گورا گورا دیکھو لوگو چوں نہ کروا اور کھساؤ

خواہش اسکی سب کو محفل میں دہاتا ہے
پیٹ پھلائے جاتا ہو اور سب کا اگلا کھانا
(اگالداں)

ایک رنہ کالے راکھے بن بوسے کہتی ہے
پانوٹ نہیں ہیں پر ہاتھوں میں سب کے چلتی رہتی ہو
(مستم)

لے ری سکھی جب برکھا آئے رین دنا وہ جان گنواوے
پیو کی دھن میں پیو پیو گائے روئے آنسو پی پی جاوے
(پپیا)

مختصر انتخاب کلام فارسی

خطر باطنی بہ حیرت دل
نفس امارہ را ہوا خواہی
لے بخود گم تغافل از خویش
حقت اندر خطربود نبود
طلبت یافت ار بود نبود
ہوشت از خود اگر بود نبود

شوق جمال یا شکستیم از سرم
برداشتیم کام رہفت خوان عشق
بلبل فنا فنائے گل و مانک خویش
دل بستگی بہ بستکہ کیاں زدیم ما
ہمپا لگی بہ رستم دشاں زدیم ما
اندر فنا فنائے خویش بہستاں زدیم ما

انس با خود میکشد نفرت بخود
لے فنا اندر دو عالم جز تو نیست
زین کشاکش عالمے اندر فناں
نیک بنگر تا نماں گردد عیاں

اوست اینجا فنا فنا و اینجا
گوش موسے صد آہن آمد

زالال مستی یک جرعه شراب شکست
محیط گشت همانا اگر حباب شکست

تمام عصمت قاضی به بزم گل امشب
فنا موج فنا غرق شد محیط آید

و همه خلق آتشی رخ خلقت مفتول
به نیازم همه تن ناز ادا می مضمول
تو و صد ناز و دریں دایره کانت و نون
عشق جوئی ز جان و تن گذری

ای مبارک تو صد موج سلیمانی و هر
ناز ناز و بهماں خود با دایه نازت
من و صد بندگی و عجز و نیاز و تسلیم
یار جوئی ز ما و من گذری

بند بدم بندش مندر یا و شد
خویشتن از خویشتن آزاد شد

در قفس شورش گلوگیر او فتنه داد
شد فنا اندر فنا و خود فنا

بهر از صد حکومت مقصود
جرعه نوش لبان جاں پرور
زندم زان ترا دیش دیگر
کشتی شکسته گم زده ناخدا و خویش
دریا فتم بقای خود اندر فنا و خویش
مرگم نصیب نقشه صورت نما و خویش
بت بر شکسته باز پذیرفته جا و خویش
نظم کشد بخویش و خموشی بجای خویش

فرش آزادی خاکستر
بخشدم ارحم ساقی کوثر
نخل خشک حیات شبم لطف
دل شد غریق موج محیط هوا و خویش
مرگم ز و ندچوں به نمود بقای خویش
روحم تمام جوهر افتای دایمی
خود را شکسته بسته بخود صورت بتاں
جانم فتنه کاشکش بست و شکست آں

فکر مرا بقاست نمود بقای خویش

واعظ هلاکت رخ فتم فنا و خویش

در جلد وجودی و فکرا اعتبار و به بقای خویش دلیل فنا و خویش

ز چشم پوشی خود یا فتم نشانِ ہی کہ در صفای رخس عکس لامکاں افتاد

در حیرتم کہ صورتِ جاں پر در تو است یا خود پری بصورتِ انساں برآمده
در آرزویِ ناکِ دلدوزِ نازِ تو از آشیانِ قالبِ ماحباں برآمده
بیشک ز جوشِ شرِ چشمانِ ساقی است ہر نعرہ کہ از دلِ مستاں برآمده
فانی بیا و وصلِ پری چہرگانِ ہست ترک وطن مودہ ز تو راں برآمده

تا سرانگشتِ وصالِ نہ کشاید در دل حل این عقدہ محالِ ست ز تہِ بیر کے
کوئے من چوں نشود قبلہٴ عشاق کہ دل رشک بت خانہ شد از جلوہٴ تصویر کے
تا بپایتِ سر تسلیم نہادہ فانی نکند ترکِ رضاے تو بہ تقریر کے

دل نا شاد من از بزمِ دنیا کلفتے دارد بجز کنجِ عدم ہر جا کہ دیدم آفتے دارد

سو داگرانِ جنسِ حقیقتِ بکوئے عشق از نقدِ جاں مضایعتِ اصلا نمی کنند
چوں عاشقانِ بے سرو پا در دیارِ عشق اہل نظرِ نظر بہ سراپا نمی کنند
اہل شہود در حرمِ کسبِ یابی جمع فرقے ز کعبہ تا بہ کلیسا نمی کنند

ہر نعرہ کہ عشق بہ قانونِ حسن داشت در بزمِ ہوشِ جلوہ ز گوشِ اثر گرفت
وقتِ صبح بانگِ صبحی بلند شد آتش ز آبِ بہم خشک و تر گرفت

فقیر تکیہ با جلال کبریا زودہ است
کہ آبرو حیا بر رخ سخا زودہ است
کہ طعنہ بر قدر اندازی جفا زودہ است
ز لطمہ ہا کہ بہ تدویر آسیا زودہ است

مکن نظر ز تکبر بہ بے نوا منعم
میر بجفل او نام بذل وجود و کرم
کن ز تیشہ اندیشہ ریشہ خود را
بکشت حاصل گندم جوے بہ پیش قضا

کلامِ قیصرِ بیگم

(مس ایلن کر سچانہ گارڈنر)

جو بخودی ہو تو پھر کس کا غم خدا کی قسم
جو دور ہو نہ کہیں خود کو ہم خدا کی قسم
شہود ہی ہے عدم کا عدم خدا کی قسم
نہ ہونے کا ہی نہ ہونا عدم خدا کی قسم
نہ دیجئے مجھے دم دم خدا کی قسم
نئے وہ کرتے ہیں ہر دم ستم خدا کی قسم
ہزار داغ ہیں یاں کم سے کم خدا کی قسم
نہیں ہی دل یہ مگر جامِ بسم خدا کی قسم
کمال مجھ کو ہے مشقِ ستم خدا کی قسم

خودی نے مجھ پہ کیا ہے ستم خدا کی قسم
ہمارے باطلہ ہے یہ ہما ہی میری
یہ غیب غیب ہے کہتے ہیں لوگ جس کو شہود
جو ہونے کا ہی نہ ہونا وہی تو ہے عقبے
میں دل سے مانوں گا حکم قضا شیم تیرا
ہمارے حال پہ ہوتا ہے رنج کو بھی ملال
جگر پہ لالہ کے ہیں چار داغ دل پہ مرے
مزے جو دل نے دکھائے وہ دل ہی جانتا ہی
تجھے قسم ہے خدا کی جو ظلم سے باز آئے

پیلیاں

ناوہ پہنے ناوہ کھاوے
جوانوں کو وہ ہاتھ نہ آوے
(لاٹھی)

ایک نار میرے من بھاوے
بڑھوں کو وہ راہ بتاوے

ایک نار بھونرا جس کا لی
بنا ناک وہ سونگھے پھول

بنا کان وہ پہنے بالی
جتنا عرض ہے اتنا ہی طول
(دھال)

میں نے ڈالا ہی پسلی کا نیا طرز اور ڈھنگ
کھیل لڑکوں کا نہیں بوجھ بتانا اس کا
کل جمع تین ہیں جن کے سب سے ہی فساد
چال میں ڈھال میں کچھ فرق نہیں ہی ان کی
رنگ ان چاروں عناصر کا جدا گانہ ہے
ہے یہ کلجگ کا اثر دوست ہیں وہ یک ذاتی
وہ نئی طرز سے لڑتے ہیں چھوڑا اور مٹوا

بوجھ سے اسکی نہ کرنا کوئی اپنا دل تنگ
کام تدبیر سے ہوتا ہے جو تقدیر ہو سنگ
جزو واحد ہیں وہ اور صورت سیرت ہر رنگ
یعنی تثلیث کے تابع نہیں یہ اہل فرنگ
ہی یہ تفریق۔ سید۔ سبز۔ سفید اور سرنگ
دشمنی ایسی ہی ایک ایک کو کرتا چورنگ
پاس اُنکے نہ ہی شمشیر نہ خنجر نہ خدنگ
(چوسر)

آپ اندھی اور دکھائے سب کو

ایسی پسلی بوجھے کب کو
(مینک)

چھوٹا ہے نہ بڑا ہی۔ ایک ہی جا اڑا ہی

بیٹھا تو کھڑا ہے اور کھڑا ہی تو کھڑا ہے
(سینگ)

چیت آں چیز می خورد کچہ

بچہ در بچہ بچہ در بچہ
(پیاز)

کب ہم میں بساط اتنی جواک بات کریں ہم

رُخ پھیرے ہم سے تو کرامات کریں ہم
(چوسر)

زردشی کو دوش لگا دے

پاپی یا کی بوجھ بتا دے
(پہپیا)

کنوار میں سب جاتے ہیں ساون لگتے آتے ہیں

(کیچڑا)

ایک نار وہ پھولی پھالی بڑا سامنہ اور رنگ کی کالی
خالی پیٹ وہ پڑی ہی رہے پیٹ بھرے تو مرد پہ چڑھے
(منگ)

نمونہ کلام فلک

(مٹرنیکس گارڈنز)

نیارے خاک تلک چھانتے ہیں گلیوں کی اس قدر ہے طمع زر کہ جسے کہتے ہیں

انتخاب کلام شکر

بے حال ہوں بیمار ہوں گزشتہ دو پامال خود آپ نصیحت ہوں نصیحت کسے دوں میں

وہ لطف وصل میں ہوا ورنہ ہجر یار میں ہے مزہ جو دل کو ملا ایک انتظار میں ہے
تھکے کوچے میں آوارگی ہمیں لائی وقار عاشق صادق تو ننگ عار میں ہے

ہمدرد مو حال پریشاں خاطری کس سے کہوں حسرتیں دل میں بھری ہیں درہیں غم سامنے
رنج و کاوش درد و کامش حسرتاں دہ دہ یاس مدعی ہیں یہ مرے دل کے فراہم سامنے

وہ محو عشق بتاں ہوں کہ زہا ہارگ جاں گلے کا ہار یہ زنتار ہوتی آتی ہے

تیراُس کا جو کرب دل کے نشانے سے خطا
خود اٹھاتا ہوں مرنے کی منت دیکھو
آرزو دل کی تہِ خنجر قاتل نکلی
خوب ہی طالب دیدار نے دیکھا دیکھو

آہِ فصل بہارِ حُسن یا رِ آہِ حسرت ہوئی
خواہش وصلِ دل اُمید وارِ آخر ہوئی
وے ناکامی اٹھایا شوخ نے اُدمِ نقاب
جب ہماری روشنی چشمِ تارِ آخر ہوئی

طوفِ تجانہ تو کرتے ہیں خوشی سے لیکن
سفرِ کعبہ سے دیندارِ قسم کھاتے ہیں
مان لو میرا کہا سر کو تسلیم جلد کرو
دوش پر ہی یہ گراں بارِ قسم کھاتے ہیں
گو اڑے سر پہ نہ بدلیں گے زباناں دمِ مرگ
مثلِ منصورِ سرِ دارِ قسم کھاتے ہیں

حشر کے روز جو خورشیدِ نمایاں ہوگا
ہے یقینِ دل کو وہ عکسِ رخِ جاناں ہوگا
جسمِ اکے وز مرا خاک میں پنہاں ہوگا
کاسۂ سر مرا سنگِ رہِ طفلان ہوگا

اب گلہ کرتے ہو کہتے ہو مجھے رسوا کیا
دیدہ و دانستہ کیوں مجھ کو رُلا یا آپ نے

دکھائی اس میں دیتا عکس ہی اُس شوخ کا ہر دم
یہ دل کا آئینہ جو انتخابِ نکمہوں کے آگے ہی
سہل مرنا ہوا جیتنا مجھے دشوار ہوا
یارِ اغیار ہوا
کر کے افسارِ محبت کا گنگا رہا ہوا
کیسا ناچار ہوا
بیچین ہوں بیتاب گذرا اب کہیں جلدی
ہے دردِ بہت اے شبِ بے یجورِ جگر میں
وہ درد کبھی سینہ میں ہی اور کبھی دل میں
جس درد کا مشہور تھا دستورِ جگر میں

قصدِ تلاشِ یار نے جو در بدر کیا
ہم نے بجائے خضر کے دل اہیر کیا
دل کو خیالِ الفتِ اصنام پھر ہوا
لو خانہ خدایں بتوں نے بھی گھر کیا
قاصد سے کچھ غرض نہ پیامِ سلام سے
ہم نے تو مرغِ روح کو ہی نامہ بر کیا

ہوا ہی یہ دل جب سے شیدا کسی کا
نہیں ذکر اب مجھ کو بھاتا کسی کا
نہ تکنا تو لے دل سہارا کسی کا
نہ کرنا جہاں میں بھروسہ کسی کا
اٹھائینگے ہم ظلم و جور و ستم سب
سہینگے نہ اک لفظِ حیا کسی کا
ترے دم میں ہم آگئے ہیں و گرنہ
نہ کھایا کبھی ہم نے دھوکا کسی کا
تغافل سے میرے ہوا دل کو ثابت
نہ ہی تو کسی کا نہ ہو گا کسی کا
نصیحت مری یاد رکھ سب گنہ کر
وے دل نہ ہرگز ستانا کسی کا
تعصب یہ ناحق میں کرتے ہیں مجھ سے
نہیں میں نے کچھ مال مارا کسی کا

جلوہ حسن دکھاتے ہیں مجھے
اپنا دیوانہ بناتے ہیں مجھے
گر چہ ظاہر میں جدا مجھ سے بیٹے پیر ہے
دل کے آئینہ میں پر موجود وہ تصویر ہے
خشکی لب، چشم گریاں، رنگ نہ رواہِ سرد
عشق کی سرکار میں یہ منصب جاگیر ہے

وہ اپنی لن ترانیاں وہ گالیاں نہ چھوڑ
رسمِ قدیم مجھ سے تو لے ہر بان نہ چھوڑ
مجھ سے جدا رہ گیا تو وہ ہو گا بدگساں
اک لحظہ میرا ساتھ تو لے پاساں نہ چھوڑ
لے عشق تیرے ظلم و ستم سب سہونگیا میں
پر میرے سر پر رشک کا بار گراں نہ چھوڑ
لے شکر تجھ کو کوئی بھلا یا بُرا کہے
پی جس قدر ملے یہ مے ارغواں نہ چھوڑ

طبع کی تیغ جوانی میں رواں تیز رہی
تو سن عمر کو کب حاجت ہمیز رہی
معلق مرغ دل کا آشیاں ہے
مکان دل کا ہمارے لامکان ہے
مگر سر دوش پر بار گراں ہے
بڑا نام خدا یہ خوش بیاں ہے
کر خیر خدا سامنا ہے سخت بلا کا
ہے حال بہت غیر تمہارے مرنا کا

زنگ آلودہ ہے اور کند بعد پسری
اڑتے ہیں ابلق ایام ہوا کی مانند
زمین و آسماں کے درمیاں ہے
ہمارے رنج و غم کا دل مکان ہے
اٹھالوں کو وہ غم مثل پر کا ہ
غزل اچھی لکھی ہے شکر نے یہ
پھر عشق مرے دل کو ہوا زلفت دوتا کا
کیا پوچھتے ہو اب نہیں کچھ کام دوا کا

خط ہے یا ہی جنوں یا تجھے سو دا کیا ہے
جب میں بچپن ہی سے محرم ہوں تو پر دا کیا ہے
ہوا مدتوں میں اثر رفتہ رفتہ
نکلتے ہیں سخت جگر رفتہ رفتہ
نکل آئیں گے بال پر رفتہ رفتہ

آج یہ وحشت تازہ دل شیدا کیا ہے
مجھ سے زیبا نہیں گھونگھٹ میں چھپا نامنہ کا
دعا میں ہو میں کارگر رفتہ رفتہ
نہیں سُرخ آنسو یہ رک کے آتے
نہ مایوس ہو مرغ بے پر نفس میں

رتبہ بلند خلق میں ہے خاکسار کا
بدلنا رنگ کا سکھے زمانہ اُنکے تیور سے
مری تدبیر جا کر لڑ گئی میرے مقدر سے
کہ نیند آتی ہی مجھ کو جنبش بال کہوتر سے
ہٹ گئی گر مرے ناسور جگر کی بتی
مشغل ہی رگ جاں جیسے اگر کی بتی

پہونچا ہے بعد مرگ فلک پر مرا غبار
سبق لے آسماں پھرنے کا کچھ روزوں مر سے
چلے آئے خبر مرنے کی سنکر غیر کے گھر میں
جواب نامہ ہی یا موت کا پیغام لا یا ہے
ہمدرد ہو کے لہو دل مرا بہ جائے گا
آتش عشق سے تن پھینکے ہو خاک کا ڈھیر

شعلے ہر دم میں بھڑکتے مرے داغ دل سے
جلوہ عارض اگر زیر نقاب آیا تو کیا
آگ عالم میں لگائے گی یہ گھر کی بتی
منہ پہ لیکر چاند و امانِ سحاب آیا تو کیا

بقیہ انتخاب کلام شکر

خوبی نعمت عاشق ہو کہ دیکھے دم ذبح
جوش و حشت کو نیا رنگ دکھاؤنگا میں
اس لئے دھار نہ خنجر کی ترے تیز رہی
اے کے گر فضل بہاری بھی جنوں خیز رہی
مرے مرے سے بھی وہ بدگماں ہے
گماں ہو اسکو اب تک اس میں جاں ہے

سفارش مرئی دستوں نے بہت کی
یہ کیسا غضب ہے یہ کیسا ستم ہے
مگر اُس نے کہنا نہ مانا کسی کا
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا
سحر سے ہمارا دھڑکتا ہے پھر دل
رہا رات بھر ہم کو کھٹکا کسی کا

بے فائدہ ہو فکر کہ بچنا محال ہے
تحصیل عشق سے ہمیں حاصل نہ کچھ ہوا
تیر بنگاہ پاس نے دل میں اثر کیا
ناحق میں اپنی جان کا ہم نے ضرر کیا
دھوڑا لانا تھا جلد مراخوں بوقت فرج
انجام عشق دیکھ کے پھپھار ہا ہی کیوں
کیا جانے نامہ بر نے کیا آکے کیا بیاں
پوچھا جب دل سے کہ کب وصل کا سماں ہوگا
قبر میں ساتھ مرے گر دل نالاں ہوگا
بولا جس روز کفن میں تن عسریاں ہوگا
چاک دامن کفن تا بہ گریباں ہوگا
ہوں وفادار مرا کام و ستاداری ہو
ہے زخم جگر ناوک مژگانِ مہم سے
کے وہ مجھ پہ جفا آپ پشیاں ہوگا
بھرتا نہ کوئی مرہم کا فور جبکریں

حال دل صد پارہ بیاں کس سے کرو نہیں
ہاتھ آئے جو دیواں ترا دیوانہ بنو نہیں

ہمدرد ملا مجھ کو نہ ہمدرد کوئی ناصح
اے شکر ہیں اشعار تر سے قابل تحسین

اب نہ ترساؤ مجھے اے بت ترساؤ دیکھو
بعد مرنے کے بھی اک دم کو نہ چھوڑا دیکھو
چین ہرگز نہ تجھے قسبر میں ہو گا دیکھو
بعد مرنے بھی رہے گا یہی کھٹکا دیکھو
دور پھر کیوں وہ بٹھاتے ہیں مجھے
میرے پہلو میں دباتے ہیں مجھے
چشم آہوا اور ہے یہ چشم آہو گیر ہے
کون کہتا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے

آہ سے میری ڈر درحم ہے لازم بخدا
خواہش و کاہش و اندوہ نے پیچھا میرا
زندگی میں نہ مجھے رشک نے آرام دیا
ہم ہونگے تو کریں گے وہ رفیقوں پہ جفا
گر وہ محفل میں بلاتے ہیں مجھے
قبر میں ہو گا مجھے خاک فشار
چشم فناں آپ کی خود صید خود صیاد ہے
شکر رعبت گراؤں سے مجھ سے نہیں نفرت تو ہر

نہیں ہی کچھ یہ اک موج سراب نکھوں کے آگے
خواہش وصل اے دل اُمیدوار آخر ہوئی
مژدہ اے جوش جنوں فصل بہار آخر ہوئی

جسے کہتے ہیں دنیا شکر یہ دھوکے کی ٹٹی ہو
آمدِ فصل بہار حسن یا راحہ ہوئی
موت اڑا دامن کے پرنے اور گریباں کرنے چاک

بھرا ہوا جو مری چشم اشکبار میں ہے
ہمارا فیصلہ اک اور تیرے وار میں ہے
زبان لال مگر وصف چار یا میں ہے

نہ ہفت قلزم ابر بہار میں ہے دلا
نہ چھوڑ بہر خدا اب تو نیم جاں متا تل
مطیع و تابع تثلیث و پنجتن دل شکر

ہمارے نام پہ تلوار ہوتی آتی ہے

رہے رفیقوں سے خوش بات بات پر وہ ہاں

تاریخ گھوڑیہ راجہ دلسکھ رائے پٹواری یعنی مادہ انکی کی

آکے دجال نے اک وزیہ لالہ سے کہا
پر لو پڑنے کو بے خچر مرا مجھ کو دے دو
آزماؤں گا میں ایمان ہر اک کا جا کر
سُن کے تقریر یہ لالہ نے کہا مالک سے
کہا مالک نے کہ سچ ہے نہ بُرا مانو تم
کہا جب تک کہ سواری مرے گھر سے آئے
میری تحصیل سے اعراف کی طلبی آئی
میں سواری تو منگا لوں پہ تردد یہ ہے
واں یہ تقریر تھی یاں کر کمری گھوڑی کوئی

کیوں جی خچر کو مرے گھاس کیوں تم نے دی
اپنی گھوڑیہ وہ منگا لو ا جی بڑھیا جو بھی
تیرھویں ختم ہوئی چودھویں صدی یہ بھی
آج دجال سے اور مجھ سے بڑی بحث بھی
کوئی ٹوٹانی خریدو ا جی خچر نہ سہی
تم سواری مجھے لے دو کوئی سستی سی نہی
لاؤ کر کس پہ میں لے جاؤں یہ خسرہ وہی
کھیت بتلاؤ کوئی جس میں ہوا ڈالوں جی
دُلی تھی تلی تھی اس صدمہ سے وہ اینٹ لگئی

روح جب نکلی تو ہاتھ نے کہی یہ تاریخ

بارد پٹواری کی گھڑیا بھی وہ دوزخ میں گئی (شکستہ)

تاریخ راجہ دلسکھ رائے بہادر پٹواری

راجہ دلسکھ رائے کے مرنے کے بعد
تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوئے
اُنکے مرنے کی لکھیں تاریخ کیا
ہر زبان پر لفظ یہ جاری ہوئے
حاکم اعراف یا ناری ہوئے
اس تردد میں بہت عاری ہوئے

ملہم غیبی نے شب کو ناگہاں

دی صدا دوزخ کے پٹواری ہوئے (شکستہ)

مرثیہ بھینس

بڑھے دل کی کیونکر نہ اب بھیراری
وہ عمر اپنی اتنی تھی لائی بچاری
جو مر جائے یوں بھینس لالہ بھاری
ستم کر گئی جو عدم کو سدھاری

کہوں کیا جو مجھ کو ہوا رنج و غم ہے
یہ سچ ہے کہ تم سے زیادہ اہم ہے

عجب ہی کس واسطے مر گئی وہ یہی سوچتا ہوں کہ کیا کر گئی وہ
خفا ہو گئی دل میں یا ڈر گئی وہ جو اس طرح سر پھوٹ کر مر گئی وہ

مرے تن پہ دہشتے آیا پسینہ
سنا جبکہ ٹکڑے توڑا ہی ریت

انتخاب کلام صبر

شائش گر ہوں اے زاہد میں اس خورشیدِ خواب کا
رہا انداز گر یہ ہی جنونِ فتنہ سا ماں کا
گل خورشید بھی اک پھول ہی جسکے گلستاں کا
تو صورتِ دل کی وہ ہوگی جو نقشہ ہی گریباں کا
ہجومِ جوش و خروش نے نہ چھوڑا تار تک باقی
دگر نہ قافیہ مشکل نہ تھا کچھ بھی گریباں کا
حیرت میں کیوں حصور ہیں آئینہ دکھ کر
سچ سچ بتائیے کہ نمودار کیا ہوا

کبھی شباب کبھی بچپنا کبھی پیری
مزا ہے سوئیں گے آرام سے قیامت تک
مسافرت ہی میں اپنا بسر نہ مانہ ہوا
نہی نصیب پس مرگ تو ٹھکانا ہوا
رہ شوق سے جہاں میں مگر یہ خیال رکھ
اس گھر میں کوئی تجھ سے بھی پہلے ضرور تھا

تصور میں مرے ہر وقت اے صبر رہتے ہیں
کریں گے لاکھ پردا مجھ سے پردا ہو نہیں ہو سکتا

عدم سے ملک مستی تک فقط ہوا اک دم کی
بگولے گر وٹھل کے نہیں ہیں نجد میں ہر گھنہ
نشاں سیمیں بھلا پھر کیا بنے فرنگ و منزل کا
غبارِ قیس نے پردہ کیا ہے آکے محل کا

خدا شاہد ہی میں روزِ ازل سے اسکا مایہ ہوں اڑایا ہے زمانے بھرنے اندازِ رستم میرا

نہ آنکھ کھول کے اے صبر اُس نے کچھ دیکھا محیط بحر جہاں میں عبثِ حباب آیا

شب بھر شبِصال با چاندنی کا لطف میں اُن کے انتظار میں تارے گنا کیا
سو یا لپٹ کے وہ سہ تاراں تمام رات چھتے رہے وہ ماتھے پہ افشاں تمام رات
کرتا ہے بتکدہ میں برہمن بھی رام رام کرتا ہے ذکرِ حق جو مسلمان تمام رات

زباں ہی لکھنوی اسلوبِ لکش طرزِ رنگیں ہے مگر موقوفِ سخنِ دا دِ سخنِ طبعِ سخنداں پر

سخت حیراں ہوں سمجھ میں نہیں آتا کچھ بھی چشمِ زر گس ہی دہن غنچے سے قد ہے بوٹا
لوگ کیوں دل میں حسد رکھتے ہیں انساں ہو کر وہ مرے سامنے پھرتے ہیں گلستاں ہو کر
ایک یہ اور قیامت میں قیامت دیکھو وہ چھپے ہیں مرے دامن میں پشیاں ہو کر

بتوں کے عشق میں گھر کھو کے خوب بھل آیا حصولِ خاک ہوئی سرگھسا جو پتھر پر
ہلالِ عید مجھے ابر میں منظرِ آسرا پڑا جو ابر دے جاناں کا عکسِ خنجر پر

حیف جو دل میں تھا اُسکو ہی نہ دیکھا ہم نے بچپنا کھو کے جوانی کو لٹا کر مر کر
دور دریا سے ہے ساحل دریا ہو کر دیکھا اس عالمِ ایجا دکو کیا کیا ہو کر
سب کو آنا ہی بیاں یکہ و تنہا ہو کر رات دن ہی یہ لبِ گورِ غریباں کی صدا
ہم تو کرینگے حشر میں بھی نذرِ یار دل منظور وہ کریں نہ کریں اختیار ہے

کچھ اسمیں شک نہیں ہے کہ مرنا ضرور ہو
پھر کیوں جہاں میں جان چڑائیں قضا سے ہم
ہیں شرمسار اپنے گناہوں سے حشر میں
کس طرح عذر جرم کریں کس برباد سے ہم

مہر سے بڑھ کے ہوں وہ ذرہ صحرا میں ہوں
بجودی نے مجھے گم ایسا کیا فرقت میں
اسطرف ناز واد اغمزہ کرشمہ قاتل
آپ معلوم نہیں مجھ کو سمجھتے کیا ہیں
آپ کو پوچھتا پھرتا ہوں ہر اک کے اے قہر
زور دریا کا جو رکھتا ہے وہ قطرہ میں ہوں
کہ نہیں جانتا یہ کون ہوں در کیا میں ہوں
سخت حیرت ہے ادمر کیہ و تنہا میں ہوں
آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدا میں ہوں
ایسا غافل ہوں نہیں جانتا اتنا میں ہوں

سیکڑوں دیوان دیکھے وہ مزہ آتا نہیں
جو مزہ اے صبر آتا ہے کلامِ تمیر میں

چل ہی ہو کیا بہارا فزا ہوا برسات میں
پھر رہا ہے اثر و عا کے لئے
لو غم یار نے بھی چھوڑ دیا
خونِ جگر ہے پیئے کو غم کھانے کو بہت
ہاں ہاں مجھے قبول ہی جو کچھ کہو گے غم
کیون ہو داغ جگر اپنا ہر برسات میں
کیوں دعا قبضہ اثر میں نہیں
صبر اب درد بھی جگر میں نہیں
فرقت میں آبِ دانہ میسر نہیں، نہ ہو
پہر یہ بھی ہو کہ وصل کی شب پھر نہیں، نہ ہو

پایا ہے مزہ فقر کا جب سے مرے دل نے
بس خاتمہ ہی حسن کا اور عشق کا حضرت
ہے خاک کا بستر مجھے قائم سے زیادہ
مجھ سے کوئی بڑھکر نہ کوئی تم سے زیادہ

اپنی صورت پر فدا وہ ماہ سپر ہو گیا
ایک دن دیکھا تھا اُس نے مسکرا کر آئینہ

ایکے جب وہ ہوئے پھر لطف یتانی کہاں اسلئے دیکھا نہ کیجے بندہ پرور آئینہ

وہ بال کھوئے تبسم کناں ہیں گلشن میں کہ برق کو نہ رہی ہے کہیں سحاب کے ساتھ

درد فراق، درد جگر، دشمنوں کا زور کس کشمکش میں ہوں مرے پروردگار دیکھ

پیری میں لطف یتا ہی ذکر شباب یوں جس طرح صبح بات کہے کوئی خواب کی
پچھتاہے ہیں کس طرح اب کچھ نہ پوچھئے جب تھا شباب قدر نہ کچھ کی شباب کی
اے صبر توبہ کی ہو تو کیا ڈر ہے پی بھی لو توبہ میں توبہ ہے کوئی توبہ شباب کی

ایک دن چھوڑ کے سب جاہ و چشم جانا ہی صبر دیکھو نہیں دنیا سے محبت اچھی

حیف ہے اک آن میں رخصت جوانی ہو گئی ایک پل کی بات ہے پر اب کہانی ہو گئی
کیا بتائیں کس طرح سے روزِ محشر بچ گئے رحمت حق کام آئی ہر بانی ہو گئی
طاعت حق کا مزہ اگلوں سے پوچھا چاہئے خضر کو حاصل حیات حبا و دانی ہو گئی
ضعف پیری میں خدا کی یاد ہوتی کس طرح صرف ذات حق زہے نعمت جوانی ہو گئی
یا و حق میں وہ مزہ ہے صبر جسکو مل گیا ہر گھڑی ذکر خدا اُسکو کسائی ہو گئی

مشغلہ ہو شعر کا شاید عدم میں بھی دلا اسلئے ساتھ احتیاط اپنے دیواں لے چلے
خدا سے تفریبوں کی پرستش یہ اندھیر دنیا میں کیا ہو رہا ہے
زباں سے زباں وصل میں کب ملی ہو زباںوں میں باہم گلا ہو رہا ہے

ہوا جو کچھ ہوا ہوگا جو کچھ ہوگا مقدر سے
 کسی کے عشق میں اس طرح زور نہ لگانی ہے
 خجالت کے نہ نواب میں پوشیدہ ہو جائے
 برنگ نرد دنیا میں قیام اپنا نہیں اک جا
 نہ ہی کچھ خوف شیطان کا نہ کچھ دنیا کا اندیشہ
 بتوں کو پونج کر ٹکرائیں ہم کیوں سر کو تھیرے
 نہ بستر ہم سے اٹھتا ہی نہ ہم اٹھتے ہیں بستر سے
 نقاب کے مادہ اٹھ جائے جو تیرے رو انور سے
 کبھی اُس گھر سے اس گھر میں کبھی اُس گھر میں اُس گھر سے
 بھروسہ صبر پورا ہے سچ پاک برتر سے

تصدق جان کر کے صبر پروانہ یہ کہتا ہے
 کسی کے پانوں چھونے کو ہماری لاش آئی ہے

چھوڑ کر حق کو جو دنیا میں بھنسے ہیں اب تک
 ہوش میں آئیں سنبھل جائیں قضا آئی ہے

کس کو دیکھا تھا ازل میں سزل لاشاد نے
 جب کرم ہم پر کیا اُس بانی بیداد نے
 میں گز بچین ہوں تو چین سے وہ بھی نہیں
 عمر بھر بے چین رکھا ہے کسی کی یاد نے
 جان کھالی یار لوگوں کی مبارکباد نے
 مضطرب اُنکو بھی کر رکھا ہے میری یاد نے

سنا ہے مرنے پہ قصہ تمام ہوتا ہے
 مثال برق کہیں ایک دم نہیں رکتا
 تو پھر مزار پر کیوں اثر دہا م ہوتا ہے
 سوار عمر بھی کیا تیز گام ہوتا ہے

سکون تھا نہ عدم میں نہ چین ہستی میں
 رہا نہ کوئی جلال و امیر و داغ یہاں
 مرے غفور ترے فضل رحم کے صدقے
 مزہ ہو ساقی مطلق ہوا درمے نیچر
 وہاں کے روتے ہوگیاں سے اشکبار چلے
 جہاں سے سوئے عدم کیسے نامدار چلے
 کہ ہم سے لوگ بھی دنیا سے با وقار چلے
 غریب رند ہوں اور ساغر بہار چلے

صبر کو زندہ خوش رکھا تو نے
مال و عزت بھی دی خدا تو نے
بچے ایمان تندرستی دی
سات کیں نعمتیں عطا تو نے

انتخاب کلام شوق

دنیا میں لے خدا کوئی تجھ سا غسنی نہیں
دیتا ہے ساری خلق کو ہر روز تو خوش
گر ہو کے مقتدر کوئی آئے ترے حضور
وہ چشم کو رہے کہ نہیں جس میں تیرا نور
دولت سے اپنے فضل کی اتنا نہال کر
داتا ہے سب کا دھن کی تجھے کچھ کمی نہیں
لیکن ترے خزانے میں کوئی کمی نہیں
مخدوم ہو کے جائے یہ ممکن کبھی نہیں
تاریک دل ہی جس میں تری روشنی نہیں
کہ اُسٹے شوق اب مجھے کچھ بھی کمی نہیں

بہت ہوں نا تواں کہتا ہی لیکن حوصلہ دل کا
گرے ہیں سیکڑوں پر دلے مر کر شمع گریاں پر
بہت پھولا ہوا تھا لے چمن تو اپنے پھولوں پر
جھکا ئی میں نے گردن اُسے مجھ کو قتل کر ڈالا
یہ حالت تھی تصور میں ترے دست حنائی کے
اسی حالت سے ہو گا سامنا قتل میں قاتل کا
ہی بس مختصر سا تذکرہ ہے اپنی مشکل کا
نہ نکلا ایک بھی اُس گل کے گالوں کے مقابل کا
کس آسانی سے پورا ہو گیا یہ کام مشکل کا
لو اب تھوکتا ہوں ہو گیا مجھ کو مرض سل کا

اختیار بخش عصیاں ہی تیرے ہاتھ میں
عشق عیسے ہو گیا جب سے یہ حالت ہے مری
جس کو چاہے بخش دے تو مالک و مختار ہے
مست ہوں میں بادہ عرفاں کے دل سرشار ہے

کیا ہی نام ہم نے عاشق زلف و تا ہو کر
ہوئے مشہور دنیا میں گرفتار بلا ہو کر

لکھا جاتا ہر دم مرتا ہوں حالت جانکنی کی ہو
 حیا ہٹ جا کماں ابرو سے دلدار بھی ہے
 چھڑا یا تو نے پھیا درد سے غم سے مصیبت سے
 شہید نار کا کب خون چھپتا ہے چھپائے سے
 جوتے پاس اُس کے ہر کا یا پٹ دیتی ہر نسا کی
 مزار شوق پر لازم ہے سنبھل کا لگا دینا

خیال زلف پیاں دل میں آتا ہے قضا ہو کر
 غضب ہو گا گریں گے تیر مڑ گاں گر خطا ہو کر
 قضا ممنون ہوں تیرا کہ تو آئی دوا ہو کر
 ترے ہاتھوں میں وہ ظاہر ہوا رنگ حنا ہو کر
 چلے ہیں اُس سے ہم پر مغاں کے کیا سے کیا ہو کر
 مرا ہے وہ کسی کے گیسوؤں کا بتلا ہو کر

اس درجہ ہم کو کس کر تھی اپنے مال کی
 جس خوبرو کے حسن سے روشن ہو کائنات
 جس دن سے ہم کو دولت یاں ہوئی نصیب

تھی وقت نزع یاد فقط ذوالجلال کی
 مشتاق دید چشم ہے اُس کے جمال کی
 کچھ فکر دل میں زریں رہی ورنہ مال کی

ایکے غیر ترے وصل سے جو شاد رہا
 فصل گل آئی ہی پھرے ہی چمن میں کھدے
 زندگی قید میں گزری ہوئے اب گور میں بند
 ذبح کے وقت لڑتے تھے کہ دل کہتا ہے
 کر کے خوں خشک یا شعار کئے ہیں پیدا

ایک ہم ہیں جو ترے ہجر میں ناشاد رہے
 کچھ تو احسان اسیروں پہ بھی صیا در ہے
 نہ پس مرگ نہ ہم زیست میں آ زاد رہے
 سرا سیر طرح تیرا نونے جلا در ہے
 تاکہ لے شوق مرے بعد یہ اولاد رہے

انتخاب کلام اسبق

کہاں تک ہو بیان شانِ سیحا
 جو چھوٹے تھے ہوئے وہ ہادی دیں
 بہایا اُس نے خوں نیا کی خاطر

نبی تک ہیں غلامانِ سیحا
 بنے آفتا غلامانِ سیحا
 جہاں پر ہی احسانِ سیحا

فلک سے قبضہ قدرت میں اُسکے
خدا کا مرتبہ ہے اُسکا مرتبہ
کمر بستہ ہیں اُسکے در پہ حاضر
تجھے اسبق بھلا کیا حشر کا ڈر
حقیقی عشق کر عشق مجازی کو مٹاتا جا
نہ گھبرائیں ہی اک نسخہ بخش ہر لے عاصی
نہ خود سر خدا جتنا تجھے رکھتا ہے دنیا میں
بٹھاتا جا تو سکے نیک نامی کا زمانے میں
جو اسبق تجھ سے جلتے ہیں جہانناک ہو سکے تجھ سے

زمین ہی زیر فرمانِ سیما
خدا کی شان ہے شانِ سیما
ملائک سب ہیں ربابِ سیما
کہ ہے تو زیرِ دامنِ سیما
اسی دنیا میں کیسے ہو دنی دل سے بھلا تا جا
ہر اک نے خم گنہ پر مرہم تو بہ گاتا جا
گھٹاتا جا خودی کو انکساری کو بڑھاتا جا
جو تکلیفیں بری کے حامیوں کوں ٹھاتا جا
محبت ہی کے پانی سے تو آگ انکی بجھاتا جا

جب لے دونوں تو فرہاد سے مجنوں نے کہا
جب سکے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے
داغ الفت کے سوا دام و درم پاس نہیں
وقت سے روشنی طبع دکھا دو اسبق

تو پہاڑوں کا ہی مالک ہیں بیابانوں کا
ہاتھ بھر کا ہی کلیجہ مرے ارمانوں کا
یہی سامان ہی ہم بے سُر سامانوں کا
آج اس رات میں جمع ہی زبانداؤں کا

پھر بہار آتے ہی زخمِ دل ہر اہو جائیگا
اُس بُتے پیر کی کیا دوستی کا اعتبار
ہم حسینوں پر نہونگے مر کے زائد پار سا
مجھ سے سب ہو جائینگے راضی جو راضی ہو گا تو
کیا کہیں کیسے خدا والے پریشانی میں ہیں
دل گیا اگر عشق میں جانے دے اسبق صبر کر

ہو گی پھر وحشت نئی سودا نیا ہو جائیگا
آج میرا غیر کا کل آشنا ہو جائیگا
اور تو حوروں پہ مرکب پارسا ہو جائیگا
مجھ سے سب ہو گئے خفا ہو تو خفا ہو جائیگا
جب سے یہ افواہ ہو وہ بت خدا ہو جائیگا
ورنہ اب نقصان تیری جان کا ہو جائیگا

تصور کھینچ لایا دل میں تیری چاندی صورت
 تصور ہی تصور ہی یہ سب دھوکا ہی دھوکا ہی
 تعجب ہے زمانہ بھر کا دل اک تجھ پہ آتا ہی
 نہیں ہی عذر دل دینے میں جیٹا ہے اسے لیے
 عزیز اسکو نہ جانے جان سے کیونکر سوا اسبق
 روشنی لے لیا کر اُس رخ سے
 اُن کی صورت کے ملتا جلتا ہے
 چُن رہے ہیں جیسے یہ وہ افشاں
 عجب حسرت کے بلبل کی نگاہیں اُن پہ پڑتی ہیں
 ہمیں لطفِ نظر بازی اُٹھانے ہی نہیں دینیں
 تری چشمِ زباں سے کیسے دوں تشبیہ دونوں کو
 کسی کا رخنہ دیوار میں یوں بند کرتا ہوں

چلی آئی گر مشکل میں تیری چاندی صورت
 وگرنہ یہ دل وراس ل میں تیری چاندی صورت
 تعجب ہے کہ ہر دل میں تیری چاندی صورت
 مگر لے جان ہوا اس دل میں تیری چاندی صورت
 یہ وہ دل ہی کہ اس دل میں تیری چاندی صورت
 چھوڑ سورج کا تو سہارا چاند
 اسلئے ہے ہمیں بھی پیارا چاند
 ہو رہا ہے ہر اک ستارا چاند
 دھڑے ہیں پھول جو ٹوٹے ہو گلچس کے دہن میں
 ہی جو تیلیاں ظالم لگی ہیں تیری چلمن میں
 نہ بنیائی ہی زرخس میں نہ گویائی ہی سوسن میں
 کہ ڈھیلے اپنی آنکھوں کے لگا دیتا ہوں زین میں

تھیں ظاہر ہو مجھ میں دہتھیں باطن میں نہاں ہو
 خدا بھی ہو بشر بھی ہو بڑے بھی تم ہو چھوٹے بھی
 کبھی مختار ہو آزاد ہو غالب ہو تم سب پر
 کبھی قادر ہو تم ایسے کہ مردوں کو جلاتے ہو
 ہی اسبق کا ہی ایمان تم مگر ہوئے زندہ

مسیحا تم مرے دل ہو جگر ہو جسم ہو جاں ہو
 تمہیں سے پوچھتے ہیں ہم کہو تم کیسے انساں ہو
 کبھی تم دشمنوں کے ہاتھ میں سر در گریباں ہو
 کبھی خود مر کے تم زیرِ زین اک جسم بجاں ہو
 برابر ہو خدا کے تخت پر تم شاہِ دنیاں ہو

بچنے ہی سے جو زلف اُنکی سنبھالی جائیگی
 جب کہا میں نے قسم کھاؤ تو بوسے ہنس کے وہ

سر جوانی میں کسی عاشق کے ڈالی جائیگی
 گر قسم ہے چیز کھانے کی تو کھالی جائیگی

او کھلی میں سردیا پھر ہوسلوں کا ڈر ہی کیا
میں نے جانا پڑ گئی جب سر مراُس بُت کی لہٹ
عاشقوں سے تیرے غم نہ کر نہیں سکتی قصا
جو پڑے گی ہجر میں آفت اٹھالی جائیگی
بھینٹ میری جان کی لیکر یہ کالی جائیگی
جب تو قتل میں کھڑا ہو گا بلالی جائیگی

جان

(جان را برٹ لکھنؤ)

گر پتہ سب کو ترا کو چہرے جاناں ملتا
بے نیازی جو طبیعت سے صنم کی جاتی
مہر و مہ کرتے خجل اُسکو مقابل کر کے
ایک ہی راہ میں ہر گبر و مسلمان ملتا
عدل ہوتا عوض خون شہیداں ملتا
تھوڑی ہی دیر کو گروہ مہ کنگاں ملتا

زلفیں رُخ گلگوں پہ تو لانا نہیں اچھا
اسلام میں آنے کی یہی شرط ہی ازل
کیا بیاں میں کروں جدائی کا
خاک پر دانہ ہو گیا جہل کر
کیوں نہیں مار کر جلاتے بُت
قدرت خدا کی جلوہ جانا نہ ہو گیا
اُس زلف کی درازی کے قصہ کو کیا کہوں
محراب برداں میں نہیں ہے نشیلی آنکھ
مالو میں اس سے ہو گئے مرغانِ بو شاں
اچھا بھلا تھا کچھ نہ شکایت تھی جان کو
کفار کا جنت میں بلانا نہیں اچھا
کعبے کو تولے جان نہ جانا نہیں اچھا
ہو بُرا ایسی آشنائی کا
کیا مزہ پایا آشنائی کا
کیسا دعویٰ ہے یہ خدائی کا
روشن زیادہ طور سے کا شانا نہ ہو گیا
اتنا ہوا ہے طول کہ افسانہ ہو گیا
مسجد میں عین دیکھئے میحسانہ ہو گیا
جس جا ہجوم گل تھا وہ ویرانہ ہو گیا
دل پھنس کے اُسکی زلف میں یوانہ ہو گیا

جب تصور میں تیرے مجھ کو عذار آئے نظر
ایک جام اور بھی مے ہاتھ سے اپنے ساتی
جوش دکھلاؤں اگر نالوں کا اپنے صیاد
تپ فرقت سے تو ہے جان بلب آہو نچی
صدقے سے حضرت حسنین کے مچھو لے جان

پھر تو سب پھول جہاں کے مجھے خار آئے نظر
کہ ذرا آنکھوں میں اپنے بھی خار آئے نظر
پھر نہ باغوں میں کبھی بلبل زار آئے نظر
کیا کریں کس سے کہیں جس سے کہ یار آئے نظر
آخری وقت کحد میں نہ فشار آئے نظر

اب مزا باقی جہاں میں کوئی الفت کا نہیں
مثل پروانہ کے جلنا ہو تو جا محفل میں
شکر و شہد کو چکھا تو ہے ہم نے لیکن
میں نے گھبرا کے اُسے خط جو لکھا ہے قاصد
ماہ کنعاں میں صباحت کا تکلف ہے ضرور
حشر کے شور سے تو کا ہے کو ڈرتا ہی جان
لطفِ ضوی جو روئے خنداں میں
مشکلیں ہونگی تیری سب آساں
دن کٹا ہجر کا اور ہونے کو ہے شام تمام
ناوک تیر مژہ نے تو جگر چھیدا تھا
تپ فرقت کے سبب جلنے لگا وہ آجان

حال پر ساں کوئی بیمار محبت کا نہیں
قاعدہ یار کی مجلس میں مروت کا نہیں
ذائقہ اُس لب شیریں کی عداوت کا نہیں
طولِ یاس ہے کہ کچھ ٹھیک طوالت کا نہیں
یار کی طرح مگر رنگ ملاحمت کا نہیں
کیا تو لٹی تجھے اُس شاہ ولایت کا نہیں
وہ کہاں ہوگی ماہ تاباں میں
عرض کر چل کے شاہِ مرداں میں
اب بھی آجاؤ وگرنہ ہے یہاں کام تمام
تیغ ابرو کے اشارہ نے کیا کام تمام
لکھنے پایا تھا نہ کاغذ پہ مرا نام تمام

ایک مدت سے تپ فرقت کے ہیں بیمار ہم
پھر نہ محشر میں جہنم سے ڈریں گے جان ہم

دردِ دل کیا اسیے اپنا کریں اظہار ہم
کمر بلا کے اور بخت کے گربنے ز قدار ہم

اُسے نار جہنم سے قیامت میں بچا لینا
 تزلزل فرش سے تاعرش آرض سما لینا
 سحر کو باغ جنت کی سندش سے لکھا لینا
 علی اکبر سے میرے بعد تم پانی منگا لینا
 نماز ظہر میں تیروں سے ہم کو تم بچا لینا
 ذرا دست بخش قوس اور تیر پڑ جفا لینا
 سکینہ کو مری جانب سے چھاتی تم لگا لینا
 ذرا پھر اکبر سے رو کو میداں سے بلا لینا
 وقار چادر آل عباس سے منہ چھپا لینا

خبر اب جان کی جلدی شہید کر بلا لینا
 لعین راکب ہوا ہے راکب و شہ پمیر کا
 کہا حُر نے یہ بیٹے اور بہادر سے شب عشرہ
 دم رخصت کہا عباس نے رو کر سکینہ سے
 حبیب ابن مظاہر سے امام عصر یوں بولے
 کہا یہ حرمہ سے شمر نے اصغر کو جب دیکھا
 کٹے عباس کے شانے توشہ سے یہ صیت کی
 کہا زینب نے فضہ سے سر سر کی قسم دیکر
 کہا سجاد نے زینب کے بلوے میں پھوپھی اماں

یہی ہی جان کی اب عرض مولا مرتضیٰ تم سے
 ہر اک مشکل میں یا مشکل کشا اسکو بچا لینا

نظر آنے لگی بندے میں خدا کی صورت
 نظر آنے لگی بندے میں خدا کی صورت
 نظر آنے لگی بندوں میں خدا کی صورت
 کہ پھر یہ بھی ہی سب شال عزا کی صورت
 خواب میں آئی نظر کر ب و بلا کی صورت

تھی علی ہی میں جو اعلیٰ کی ملا کی صورت
 قول ہے قوم نصیری کا براے حیدر
 احمد و حیدر صفدر میں جو ہے نور خدا
 غم عباس میں یہ ہے گا علم کا احوال
 روتے روتے شب عاشور کو سویا جو میں جان

نعت

ر شک دید بیا ہے کف پائے محمد
 یوسف سے ہی بڑھ کر رخ زیبائے محمد
 جنت ہو وہی باغ جو ہے جاے محمد

ہے عرش پہ قوس کی جا جائے محمد
 عیے سے ہی بڑھ کر لب گویاے محمد
 کوثر ہو وہ دریا جو لگے پائے محمد

والشمس تھے رخسار تو دلیل تھیں زلفیں
 اندھیر ہوا کفر کا سب درجہاں سے
 کوثر کے صف کے ہی دیا رحمت حق سے
 عصیاں سے بری ہو کے قیامت میں اٹھیکا
 اک نور کا سورہ تھا سراپائے محمد
 روشن ہوا عالم جو یہاں آئے محمد
 شبیر ہی بیشک دریا سے محمد
 بیشک سے بہشتی جو ہے شیدا سے محمد

نمونہ تاریخ ہابیل

تاریخ وفات بی بی میڈلین

(زوجہ میجر ماکیل صاحب در شہر اکبر آباد بروز عشرہ جمادی الثانی رحلت نمود)

سنہ سال فرخندہ حضرت مسیح ہزار و نو و ہفتصد و دوشش

تاریخ وفات ستارہ بیگم (برمنارہ تعمیر)

قضا زجام اجل چوں ستارہ بیگم را
 جلیل مرتبہ لفظت شارپ عالی جاہ
 چشانہ آدستہ کل من علیہا من
 ازاں جمیلہ معشوقہ عشق داشت بجاں
 ستارہ کہ بود یادگار از حبانان
 بے زمردنش افسوس خورد کز دنیا

بگفت با تفت عیسی نفس بے تاریخ

ستارہ فلک حسن نازگشت نہاں ۱۸۰۴ء

تاریخ وفات لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ممالک ہند

ہزار حیف شد از موج عالم فانی
 گورنر جنرل بود ادبکشور ہند
 حروف زندگی لارڈ کارنوالس حک
 اسد نہایت او میگرفت تا بسک
 ندائے "آہ دریغ" آواز زبان ملک
 بہ پنجم اکتوبر دریں ستارہ شک
 بہشت جنت یا خلد گفت حور و ملک
 بطور تعمیر حتم چو سال جائے درود

چوں لارڈ کارنوالس حیف از جہاں بردنت
پرواز داد سوے فلک و ج پاک را
از بہر سال عیسوی دل با سر ملال
گفتا بگو بجاک سپردند خاک را
(شمار ۸۰۵)

تاریخ ولادت مسٹر جان ولیم بیل البر مولف

ہاتف غیب گفت سنین تولدش
فرزند خوشش مراد خجستہ و نیک موی
یعنی دو لفظ اولیں از سال احمدی است
از الفاظ باقی تو سن عیسوی بجوی

تاریخ عیسوی و عرب زیں چہار لفظ
فرزند خوش نکو طلعت گشت آشکار
یعنی کہ از دو لفظ نخستیں سن عرب
وز ہر چہار لفظ سن عیسوی شمار

تاریخ فتح ملتان

بود قلعہ عظیم در ملتان
مسکن مولراج بد کردار
رفت انگریز و کرد محصورش
بر سرش کرد گولہ ہائے نثار
آتشیں توپا چواژہ در با
بر سر او شدند آتشبار
گشتہ حیراں از قلعہ بیریں شد
دست بستہ بخت استغفار
گفت بر آورده سال نصرت گفت
دقتار بنا عذاب النار

تاریخ سرداری نواب خان بہادر خان متخلص بہ مصروف رئیس بریلی
خان بہادر خان جب بھاگے
سنہ عیسوی سنہ ۱۸۵۷
دیکھا تیچھے اور نہ آگے
بھاگے خان بہادر خان شاہ

تاریخ وفات پرنس البرٹ شوہر ملکہ معظہ کوئن وکٹوریہ
آہ صد حیف صد ہزار افسوس
کشتی خلق در تباہی شد

من چہ گویم ز نالہ مردم
تا سما شور مرغ و ماہی شد
شوہر ملکہ رفت از دنیا
تارک تخت و تاج شاہی شد
چوں بگفتم سعدی شیراز
شاہ ماسوے خلد راہی شد
گفت تاریخ عیسوی بے جرم
قرص خورشید دریاہی شد
ایضاً

شوہر ملکہ ز دنیا رفت وائے
در سرای آخرت بگرفت جائے
در غم آن شاہ عالم شد جہاں
غرق در بحرالم سر تا بیائے
جست سال عیسوی پیرو جواں
ریختہ خون جگر از دیدہ ہائے
دل سراقبال بیرون کردہ گفت
حیف شد زیر زمین خورشید ہائے
ایضاً

چوں رفت شوہر ملکہ سوئے باغ خلد
شاہی کہ تخم عدل و کرم در جہاں بکاشت
جستم باہ و گریہ ز سعدی سن مسیح
برداشت کاغذ و قلم و انجین پس نگاشت
سر خصم و طمع و عیش شکن خواں ز بہر سال
نو شیر و اں نمرود کہ نام نکو گذاشت
ایضاً

ز رفتن مشہ البرٹ شد جہاں بے نور
شدہ ز ہجرت او ملکہ جہاں رنجور
نماند ہیچ نشانی ز شاہ آہ دریغ
نماند شاد کسی نے گداو نے دستور
بگفت سعدی شیراز باندا تاریخ
بماند نام بلندش بنیکوئی مشہور
ایضاً

چو شمع مقبلاں آں پرنس البرٹ
ز دنیا رفت تا جنت پذیرد
مسیحی سال شد چوں رفت آقا
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد
کنی آئینہ رفت گر کم از اں سال
سن ہجرت ز باقی جلوہ گیرد

ایضاً

اے فلک! میں آہ و غم بہرہ و بہر کیست
 گفت شہے نامور نیک خواہرٹ نام
 سعدی شیراز گفت دل اے مہرباں
 گفت سر آہ ما طامس گو یا مہکا
 باز چو گفتم بادے سر شیرازیاں
 ہاے بر آوردہ گفت ہاے چراغ دلم
 خور دو کلاں آہ زد ملکہ دوراں گریست
 کرد سفر آنکہ بود نور جہاں تا بزلیست
 رفت شہ ماگو عیسوی تاریخ چیت
 دولت جاوید یافت ہر کہ نگو نام زیت
 سال عرب نیز گواہی ہمہ ابہام چیت
 ہاے چراغ جمال ہر دوسن احمدیت
 ایضاً

پرنس البرٹ آہ وادیا چو شد سو بہشت
 گرز سال عیسوی پر سی زمین لے دل بگو
 تاریخ وفات نواب افضل لدولہ نظام حیدر آباد
 کرد رحلت نظام حیدر آباد
 آخریں حرف دور کردہ بگو
 مرد نواب افضل لدولہ
 تاریخ کشتہ شدن لارڈ میو

افز و در اے جہاں ہاے غضب وادیا
 کشتہ شد و شد بجناں ہاے غضب وادیا
 لارڈ میو آہ فغاں ہاے غضب وادیا
 سال مسیحی تو بجواں ہاے غضب وادیا
 ایضاً

افسردہ زلے جہاں لارڈ میو آہ فغاں
 سال مسیحی چو دلم جست بعد آہ و مہکا
 کشتہ شد افسوس الم کرد سفر سوے جہاں
 باقت این کرد ندایاے غضب وادیا
 ایضاً

حاکم ہندوستان آہ و فغاں لارڈ میو
 آنکہ چو ادر جہاں بود نہ شاہ و خدیو

رفت ز دنیاے دویں ہائے سلیمان عصر
 بود نہ بر حکم او جملہ چہ انسان و دیو
 بہر سن احمدی چوں سر دشمن برید
 ہائے آواز داد کشتہ شد افسوس میو
 ایضاً

سعدی بخش چوں گور ز جزل
 در دست حقیر قیدی جاں بسپرد
 نہ حرف کش از حقیر و گو سال میج
 دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمر
 (منزلہ)

ملاطوں حیدر آباد

کیوں خزاں میں سر پٹک کر مرنے جا عنذ لب
 ہے بقائے گل سے وابستہ بقائے عنذ لب
 جوش گل سے کم نہیں کچھ بلبلوں کا بھی ہجوم
 ٹہنی ٹہنی پر نظر آتی ہے جائے عنذ لب
 کیا کرے گلشن سے اسکا آب دانہ اٹھ گیا
 دامن میں خود پھنس گئی بیٹھے بٹھائے عنذ لب
 شاہ گل صاحب نے ہو چلے گا کچھ نہ زور
 اسکی آنکھوں میں ہو کیا مرگ نوائے عنذ لب
 جان دیکر عشق گل میں سو گئی آرام سے
 دروے درماں ہوا آخر دوائے عنذ لب
 قطعہ فارسی

پر درد دل ز عالم خاکی صفا طلب
 ایں آئینہ ز صورت آئین ما طلب
 پرس از صبا ز حال دل چاک چاک من
 لے گل ز آشنا خبر آشنا طلب

انتخاب کلام مضطر

(دیوان اول)

تمہیں دل دیکے ہم بند خدا کے اور مجرم ہوں
 بتو دعویٰ بدیہی ہوا مانت میں خیانت کا
 ہمیں لے زاہد و یست پرستی حق پرستی ہو
 اگر رخسہ نہ ڈالو بتکہہ میں ہر طاعت کا

شراب میں ڈھو کر کہا رندوں نے واعظ سے بڑی مدت میں یا میکڈ میں پانوں حضرت

دل کی جگر کی جان کی کس کس کی بوں خبر آئے کا آوا بگڑا ہے گویا کہہ سار کا
دل تو تمہارے عشق میں بتے لگا چکے سمجھے نہ کھیل خاک بھی ہم جیت ہمار کا

دشمن جاں نہ کوئی تجھ سا ستمگر نکلا تیغ نکلی نہ چھری نکلی نہ خنجر نکلا

بتوں کے عشق میں دل ہی انجام ہوتا تھا تجھے نا کام ہونا تھا مجھے بدنام ہونا تھا
تمہارے دام کیسے رہا کی طرح ہوتی کہ ہم کو ابتداء ہی سے اسیر دام ہونا تھا

سہنے وہ میری انانی پہ دانائی کا کیا کہنا کہ میں نے گھر عدو کا جان کر اپنا مکان چھوٹا
جلائے آہ سوزاں سے زمین شعر ہی مضطر ترے استاد نے اک داغ سے ہنستاں چھوٹا

بہت ڈھونڈھا نشان یا لیکن بے نشان نکلا یہ کیسا لامکاں اک اور زیر لامکاں نکلا
تری مٹرو فاسے کیوں نہ ہلکو بدگمانی ہو کہ تو نا مہرباں ہو کر ہمارا مہرباں نکلا
ہوئی خضر بیاباں سے بھلا کبے ہیری میری کہ وہ تو آپ ہی گم گشتگی میں بے نشان نکلا

مرانا تو دل مصروف اوصاف بتاں میں ہی کہ مجھ سے نعرہ اشد اکبر ہو نہیں سکتا
نگاہ شوق رہتی ہی صفت مژگاں سے کیوں باہر کہ لشکر سے جدا اک لحظہ افسر ہو نہیں سکتا

سایہ کی طرح عمر بھر لے شوخ خوشخرام ہم ساتھ ساتھ تیرے چلے تو جدھر چلا

جھونکا ہوا کا جوں ادھر آیا ادھر چلا
بھولے بنکر پوچھتے ہو کیا ہوا
بھول جاتا یا دھبی آیا ہوا
وہ ہی ہوتا ہے جو ہے لکھا ہوا
یہ خراب آباد گھر کس کا ہوا
بکر ہستی میں حباب آسا ہوا

مضطر ہماری آمد و شد دم کی یوں ہی
جانتے ہو حال جو مسیحا ہوا
حال و شرف کا اگر وہ پوچھتے
بیش و کم اک حرف ہو سکتا نہیں
دل میں آجائے تو تم سے پوچھتے
ابتدا و انتہا مضطر نہ پوچھ

کس منہ سے کہوں تم یہ گماں ہو نہیں سکتا
کیا شیخ سے یہ پیر مفاں ہو نہیں سکتا
رسوا کرے گالے دل خانہ خراب کیا
دل ناداں کے سوا دوسرا مزدور تھا
ہو گیا بدنام تو عالم میں رسوا ہو گیا
اک نظر بھر کر جسے دیکھا وہ اچھا ہو گیا
تھا ابھی کیا بھلا چنگا ابھی کیا ہو گیا
اُن بتوں سے میرا پتھر کا کلیجا ہو گیا
اللہ کے تری گرمی بازار محبت
آمین نہ حیرت ہیں یہ بیکار محبت
چڑھتا نہ کہیں بھول کے وہ دار محبت
عبثی بحث ہیں سب میں ہی یہ مختصر بحث
جو کچھ رہا تھا کیا اعتبار آج
بیٹھا ہی بنکے دیکھنا یاروں کا یار آج

مانا کہ تمہیں لگے دل میرا چرا کر
بیٹھا ہو کہیں تاک میں ہ شام سے میری
تو اپنے ساتھ ساتھ میں پردہ نشیں کو بھی
بار الفت کا بھلا کون اٹھاتا سر پر
کیا ملا غیروں سے تجھ کو لے کر پردہ نشیں
وہ نگاہ مہربان کیا رشک صد دار الشفا
کیا کہوں کس کی نظر تجھ کو دل شدید الگی
کیا کرے گا اور اب تاثیر صحبت کا اثر
کافر ہو کہ دیندار خرمیدار ہی اُسکا
جز وید رُخ یارا نہیں کچھ نہیں آتا
ہوتی نہ اگر یاد انا الحق کی حقیقت
دل صاف ہے تو صوفیو سب کچھ ہی جان لو
نادم ہوا ہوں ہجر میں نالے نکال کے
واعظ کا ایک جام میں ساقی یہ حال کہ

مضطر تجھے تو ایک طرح پر قرار ہے
سنوں زاہد سے ذکر حور کیونکر
ترے سنگ جفا سے لے ستمگر
کیا ہے وعدہ دیدار اُس نے
بتوں کے عشق کا اللہ اکبر
چہ نسبت خاک را با عالم پاک
یہ کس کے نور کی جلوہ گری ہے
نہ ہوتا اگر اُسے منظور کرنا
عدمے نیش زن ہے گھر تمھارا
فراق یار میں دن رات مضطر
پردہ رُخ انور سے اُٹھایا نہ کسی روز
بیکس کی طرح صفحہ ہستی میں پڑا ہوں
دل میں بھی تو رہ کر وہ رہا شکل تصور

انجام بے طرح ہے نہ آغاز بے طرح
کروں آنکھوں سے آنکھوں کو دور کیونکر
ہوا ہے شیشہ دل چور کیونکر
کروں گا سیر کوہ طور کیونکر
کریں گے شیخ جی مقدور کیونکر
کہوں اُس حور و ش کو حور کیونکر
درو دیوار ہے پر نور کیونکر
انانیت نہ ہوتی دور کیونکر
نہ ہو گا حنائے زنبور کیونکر
گذاں ہے ہر دل رنجور کیونکر
موسے کی طرح ہم کو گرایا نہ کسی روز
جوں حرف غلط اُس نے اُٹھایا نہ کسی روز
آنکھوں میں بھی رہ کر نظر آیا نہ کسی روز

تو تو ہے دل میں ولیکن بدگماں ہیں اس قدر
دھونڈتے پھرتے ہیں تجھ کو غیر کے مسکن کے پاس

زاہد ہمارے بُتے نہ سن کر ہو تو کبھی
لے دل میں خاک عشق بُتِ سیم تن کروں

نکلے کہیں نہ حشر میں بیٹھا خدا کے پاس
کوڑی بھی ہو کفن کو کہیں بنوا کے پاس

رہتے ہی نہیں سامنے اُس ہوشربا کے
لایا تمھارا سے جذبہ دل کھینچ کے مضطر

دل میرا کجا عقل کجا اور کجا ہوش
قسمت تو مری دیکھنا کس وقت چلا ہوش

آگے ملتے تھے کب دے سے شخص
بھول جاتے ہو کس برائی کو
دیکھے دل تجھ سے مانگ لیتے ہیں
چل کے آئینہ خانہ میں دیکھو
حال مضطر کا بوجھ کر بولے
وروں کے ساتھ ہجیر کیا کیا نہ تھا

اب تو ملتے ہیں پیسے پیسے شخص
زاہد و بت ہیں ایسے ویسے شخص
رہ گئے اب تو ایسے ایسے شخص
سیکڑوں ہی ہیں تم سے جیسے شخص
مجھ کو بتلاؤ ہیں وہ کیسے شخص
اب میرے ساتھ دیکھئے کیا رنگ لا عشق

کیونکر بتوں سے جا کے کہیں ماجر لے دل
جب تک ہمارا قابو میں یار نہ لے دل

تجھ کو دل دیکھے ہم ارمان لے بیٹھے ہیں
قیس دیوانہ تھا جاتا تھا جو صحرا کی طرف
خاک لے لیں گے ترے ناز و کرشمے مجھ سے
ان بتوں کا کبھی ایسا نہ ٹھکانے نہ لگا
میری سنتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں اپنی مجھ سے
آج کل حضرت مضطر کو کہاں فرصت ہے

گھر میں مہمان سے مہمان لے بیٹھے ہیں
گھر ہی وحشت ہے بیا بان لے بیٹھے ہیں
وہ تو پہلے ہی مری جان لے بیٹھے ہیں
اک خدائی کا تو ایسا نہ لے بیٹھے ہیں
گویا تصویر کے منہ کا نہ لے بیٹھے ہیں
جب اُنھیں دیکھئے دیوان لے بیٹھے ہیں

نہیں معلوم کس شک میجا کی محبت میں
نہ ٹھہرا اضطراب دل کہیں بھی اپنا لے مضطر
خدا سے بتوں کو جدا جانتے ہیں
وہی عشق کا کچھ مزا جانتے ہیں
تمھاری نظر کو کوئی کچھ ہی جانے

نہ نکلی اور نہ ٹھہری میری جان اسپیں برسوں
بشکل زلزلہ پھر تار ہا زیر زمین برسوں
جو یہ جانتے ہیں تو کیا جانتے ہیں
اجل کو جو اپنی دوا جانتے ہیں
مگر ہم تو تیر قصدا جانتے ہیں

قیامت جسے جانتی ہے خدائی
 کیا اُن سے غیروں کے شکوے کا شکوہ
 کریں رند کیونکر یہ تعظیم واعظ
 غرض کس کو ہی شعر خوانی سے مضطر
 بھی پہ زاہد و کچھ منحصر نہیں لیکن
 بُرا کہیں تمہیں عاشق یہ ہو نہیں سکتا
 خدا ہی جانے کسے دیکھتی ہے خلق خدا
 زوال حضرت مضطر کا سن کے فرمایا
 یا تو ہم تھے محفل دلدار میں
 جو مزہ ہے حسرت دیدار میں
 مر گیا مضطر اُسے جنت نصیب
 بعد فنا بھی دیدہ حسرت کھلے رہے
 کیا بے بسی ہے لے مرے اللہ کیا کروں
 میں رو سیاہ نکلا ہوں ایسا کہ روزِ حشر
 فرمایا دیکھ بھال کے مجھ کو شہسازِ اَن
 مضطر بڑے بڑوں کا بھی ہوتا نہیں شمار

اُسے ہم کسی کی ادا جانتے ہیں
 تو سر بایا ہنکر کے جا جانتے ہیں
 اُسے اپنا سب پیشوا جانتے ہیں
 اُسے ہم تو اپنی دعا جانتے ہیں
 ملے جو مفت تو قاضی کو کیا حلال نہیں
 تھائے چاہنے والوں کی یہ مجال نہیں
 وگرنہ ابروئے جاناں تو کچھ ہلال نہیں
 کمال حیف کہ وہ صاحب کمال نہیں
 یا وہی محفل ہے چشم زار میں
 وہ کہاں لے دل وصال یار میں
 آدمی کیا خوب تھا گفتار میں
 جھپکی نہ آنکھ اپنی کبھی نظر میں
 وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں
 ڈھونڈ رہا ملا نہ ایک بھی مجھ سا ہزار میں
 رکھا ہے خاک زندگی مستعار میں
 روز شمار تو ہے بھلا کس شمار میں

آئینہ لے کے دیکھ لو گریختیں نہو
 گزروہ یہاں نہیں تو سمجھ لو کہیں نہو
 ممکن نہیں مکان ہو لیکن مکیں نہو
 دل میرا لے کے دیکھ لے حب کو یقین نہو

تم سا جہاں میں دوسرا پیدا نہیں نہو
 دل میں تو دیکھ بھال لو شاید یہیں نہو
 کیونکر کہیں کہ دل میں وہ پردہ نشیں نہو
 آئینہ ہو نہ جائے کہیں راز عشق کا

بندگی کرتا ہے انسان دل کے ساتھ
 دل میں رمانوں کی حسرتیں ہی
 گولگا رہتا ہے شیطان دل کے ساتھ
 کاش وہ ہو جائیں مہاں دل کے ساتھ
 منزل مشکل ہو آساں دل کے ساتھ
 دیکھئے کیا کیا ہیں ساماں دل کے ساتھ
 کیوں ہوا جاتا ہر ناداں دل کے ساتھ

کبھی تو ترا وصل ہو ہی رہے گا
 گر لگے پیاس ترے عشق کے متوالوں کو
 کہ تیری عنایت رہے گی ہمیشہ
 آب بن بن کے مئے ناب زمرم میں ہے

گھر میں آتے کہ نہ آتے وہ بلا سے لیکن
 گو ہر اشک پہ بھولے سے نہ کی اُس نے نظر
 بھولے بھٹکے وہ مکر دل میں گذر تو کرتے
 ورنہ جو ہر پہ نظر اہل نظر تو کرتے

جو روح فائے یار کو سہ سہ کے دم بدم
 کیا کہہ کے بخشوائیں بھلا اُس سے روزِ حشر
 ہم آپ اپنے حق میں ستمگار ہو گئے
 ہم جس کے بال بال گنگار ہو گئے
 اپنے پرائے درپے آزار ہو گئے
 مضطر ہم اپنی جان سے بزار کیوں نہوں

قیامت آچکی اب اہد و قیامت ہے
 علاج دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو
 وہ آنے جانے کا وعدہ وفا نہیں کرتے
 وہ اپنے ہاتھوں سے میری دوا نہیں کرتے
 بڑی خطا ہے جو بندے خطا نہیں کرتے
 ہم اہل بزم میں منکرِ رسا نہیں کرتے

دل کو تسکین مگر نہیں آتی
 مرنے جینے کی اے شہیدِ وقت
 دین و ایمان کی صورت عنقا
 زاہد و کیا دھرا ہے کعبہ میں
 ماسوا تیرے اے بُتِ کافر
 بزم میں حالِ دل سنائیں کیا
 قاصد آئے جوابِ خطِ لے کر
 آئینہ میں اُس آئینہ رو کو
 بعدِ بخشش کے صُـلح کی ہم کو
 تیری سی ماہِ لقا حسینوں میں
 وصلِ جاناں کی ہم کو اے مضطر

[illegible]

بستے ہیں اس میں غم و درد و الم
 فرق ہے مضطر امیر و داغ میں
 مختصر کر کے میں ہر چند سناؤں لیکن
 گرنہ چھلا ہو ترا داغ محبت ہی سہی

دل کی بستی بھی عظیم آباد ہے
ایک شاعر ہے تو اک استاد ہے
حال دل میرا انھیں رام کہانی ہو جائے
کچھ نہ کچھ پاس تو یاروں کے نشانی ہو جائے

پڑا ہوں بکسی میں استمگر سخت بکیں ہوں وطن کی یاد آتی ہی تو غربت کھائے جاتی ہے

فراق یار میں گزرتے جو بے آہ و فغاں میری
اڑے لاکھ فصل گل میں ہر طرز فغاں میری

مری عمر رواں ہو کشتی بے بادیاں میری
کہاں سے لائیگی بلبل دہن میرا زباں میری

قیامت ہے غضب ہے ایک فکے آسماں میری
تو کیا کیا یاد دلاتی ہیں تیری ہچکیاں میری
زمین شعر بن جائے زمین آسماں میری

تجھے معلوم ہی کچھ آتش سوز نہاں میری
جو میں بھولے سے بھی تیرا تصور بھول جاتا ہوں
عجب کیا رنج دے مجھ کو یہ انداز سخن مضطر

جو تو چھپ چھپ کے پتیا ہو وہ اک پرہیزگاری ہے
ضبط سے اپنا بول بالا ہے
یا کہ عالم پہ پردہ ڈالا ہے
خاک پر بیٹھا اللہ والا ہے
آج وہ مست دھوا ڈھالا ہے
قطرہ اشک میرا ڈالا ہے
دل میں بیٹھا پر اگ والا ہے
کون اب میری سُننے والا ہے
ہمد مودہ بھی جانے والا ہے
غم بھی مُنہ کا کوئی نوا لا ہے
عشق کا قصہ ہی نرا لا ہے
یہ اندھیرا ہے وہ اُجا لا ہے
وہ سنبھلنا ہے یہ سنبھالا ہے
کون اب کہنے سُننے والا ہے

جو میں پتیا ہوں زاہد آشکارا بادہ خواری ہے
لب پہ پسر یاز ہے نہ نالا ہے
تو نے پردے سے مُنہ نکالا ہے
بوریا ہے نہ مرگ چھالا ہے
داں میں کچھ تو کالا کالا ہے
سرد مہری سے یہ پڑا پا لا
اگل اُلفت کی کیوں نہ جل اُٹھے
کس سے لے چرخ میں کروں فریاد
ایک دم تھا جو میرے سینہ میں
ہجر جاناں میں حضرتِ ناصح
کوئی مشتاق ہے کوئی بیزار
رُخ تاباں کہاں کہاں مہتاب
گر کے اُٹھ جانا اُٹھ کے گر جانا
داغ سے لطف ذوق تھا مضطر

خدا کی کا دعویٰ اُٹھا کر نہ بیٹھے
کہ تو فرض میرا ادا کر نہ بیٹھے

وہ کافر زمانے میں کیا کر نہ بیٹھے
مرے چاہنے کا سبب ہے تو یہ ہی

نصیبوں میں اپنے لکھا لرنے بیٹھے
مری آنکھ میں کیوں سما کر نہ بیٹھے

بتوں کی محبت کو لے حضرت ل
جو دل میں نہ آئے نظر کی طرح سے

ہماتے یار کے نام و نشان تھے
کہ وہ نامہر باں کیوں مہر باں تھے
تھیں ہم نے جہاں دیکھا وہاں تھے
مرے نامے اگر وہ بے زباں تھے

زمین تھی اور نہ قائم آسمان تھے
نہ پایا نہ عادل کا کسی نے
کہیں کیا ہم کہاں تھے تم کہاں تھے
کیا ہو کام ستانوں کا جا کر

چھپا مثل نظر میری نظر سے
لے گا کیا دعا ہے اثر سے

رہا آنکھوں میں در آنکھوں کے پنہاں
تری فرقت میں چپکے ہو رہیں گے

پیادہ آئے تھے جب اب سوار ہو کے چلے
یکس کے وصل کے امیدوار ہو کے چلے
سُرور ہو کے جو آئے خار ہو کے چلے

عدم کو مستی سے ہم باوقار ہو کے چلے
ہماتے حضرت ل سے تو پوچھئے آکر
ٹھکانا خاک لے پیری و جوانی کا

(دیوان دوم)

پھر نہ دیکھے گا ادھر کوئی جدھر دیکھ لیا
کیا بُرا حال ہو یاروں نے اگر دیکھ لیا
جو کچھ کہ خدائی میں خدا داد سے ہوتا
ہوتا بھی جو کچھ وہ مری تقدیر سے ہوتا
وہ کام نہ سودا سے نہ وہ میر سے ہوتا
وگر نہ فیصلہ گھر میں بتوں سے میں نہ کر لیتا

اک نظر تو نے ستکارا اگر دیکھ لیا
دیر سے کہے کو تو جاتے ہو حضرت ل
شاگرد سے ہوتا نہ وہ استاد سے ہوتا
تجویز سے ہوتا نہ وہ تدبیر سے ہوتا
جو کام ہوا حضرت مضطر سے لیکن
کسے معلوم تھا لے دل دھرساری خدائی تھی

بازی عشق میں کس کس کو نہ کھوٹے دیکھا
اُن کے دو جسم بلا سے ہوں گرے مضطر

جان کو مال کو ایمان کو روستے دیکھا
ایک دل عاشق و معشوق کے ہوتے دیکھا

اک تماشائے تماشائے تھا کرشمہ اُسکا
تو بہ کرتے ہی پھری نیت تو بہ میری
ہم نے اُس بُت میں جو دیکھا ہی کہیں کیا زاہد
اپنے عصیاں کے نہ صدمے ہوں نہ قرباں جابجا
بکھر ہستی میں بسر ہو گئی اپنی مضطر
جان شیریں گنوا کے لے مضطر
لاکھ پردوں میں چھپا یا لے دل میں لیکر
میری تسکین و تشفی نہ ابھی ہو جاتی

حور و غلماں نے ستمگر کی ادا کا دیکھا
اور عالم جو ابھی ابرو ہوا کا دیکھا
گویا سرتاب تہ قدم نور خدا کا دیکھا
ہم نے دن و رات کہاں روز جزا کا دیکھا
بلبل ورنہ کہاں آبِ فنا کا دیکھا
کو بہن کو بہن نہ کر حبا تا
راز پنہاں کی طرح اُسکو نکلنے نہ دیا
دل بیتاب کو یاروں نے مچلنے نہ دیا

بندہ خدا کا یوں ہی گنہگار تھا بتو
کس کو طلب کروں میں شہادت کے واسطے
مضطر ہماری گور سے آئے گی یہ صبرا
اُڑ کے پہونچی تلب فرشتہ آسماں
کب بچا کوئی قضا و قدر سے
ایک سو تجھ کو یار ہونا تھا
یوں اُٹھاتا نہ در سے اے مضطر
نقد سخن تو داغ سخنور سے لٹ گیا
ایمان دین جان و جگر لے کے دل لیا

دل کو لگا کے اور گنہگار ہو گیا
جب وہ ہی آ کے میرا طلبگار ہو گیا
آئے یہاں وہی جو خستہ دار ہو گیا
نام خاکستر کا گردوں رکھ دیا
گرچہ مسئلے میں فلاطوں رکھ دیا
یا ادھر ہوتا یا ادھر ہوتا
ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا
باقی تھا ملک و مال سو شکر سے لٹ گیا
کیسا خراب ہو گیا جب گھر سے لٹ گیا

دار اکھاں ہے اور سکندر کہاں ہوا اب
دیکھو نہ انقلاب کیا حال ہو گیا
گم گشتگی میں داغ کا اک نام رہ گیا
سائے جہاں میں آجکل ایسے ہی ہ گئے
کیونکر کہیں کہ وہ نظر آتا نہیں ہمیں
آئیں جو یاد مجھ کو یہ بندہ نوازیں
کھل کر غزل جولاؤں بھی مضطر تو کیا کروں

ان مرثیوں کے نام کا باقی نشان ہوا اب
وہ جو مکان پر تھا سو وہ بے مکان ہوا اب
یہ تو کوئی بتائے وہ اہل بیاں ہوا اب
کیا جانے کیا ہوا وہ فصیح اللساں ہوا اب
پردہ غبار دل کا یہاں رمیاں ہوا اب
میری جبین عجز ترا آستان ہوا اب
ہندوستان میں بیل ہندستان ہوا اب

مضطر میں آپ لچھا ہوں زلفوں میں یار کی
ہے نال کار بد کا نام بد
کعبہ والے دیکھ کر کہنے لگے

سو دا نہیں کہ آن کے دوں میر کا جواب
میرے ہاں آ کے دھر جاتے ہیں آپ
خیر ہے مضطر کہ دھر جاتے ہیں آپ

ہیں از محبت تم کے اسرار محبت سرشار محبت ہوئے غمخوار محبت

جو رکی تیرے انتہا بھی ہے
میں طبیعوں سے ڈرتا رہتا ہوں
جیتے جی کی یہ باتیں ورنہ
کیا کہیں تجھ سے آہ اے مضطر
میر کی طرز سخن یاد جو آئی مضطر

ابتدا ہی ہے ابتدا کے بعد
کیا کریں لے خدا ودا کے بعد
کون کس کا ہوا فنا کے بعد
اب رہا کون میرزا کے بعد
بحر غربت میں ہوا غرق غزل کا کاغذ

(میرزا غالب میرزا داغ دہلوی)

تیر کھانے کی ہوس ہی تو جگر پیدا کر
لپٹے نالوں میں تو اتنا تو اثر پیدا کر

پھول کھلتے ہیں تو ہوتی ہی گلستاں کی بہار
ہم کو بھی تو سر چڑھا لو توڑ کر
لالہ میں ایک داغ ہی دل میں ہزار داغ
اک خدائی کے آشنا ہوں ہم
ہم نہیں جانتے کہ کیا ہوں ہم

داغ سینے پہ مرے کیوں نہ کھلیں اضطراب
غنجے کہتے ہیں یہ منہ کو پھوڑ کر
دھلا رہا ہے سینے میں کیا کیا بہار داغ
بت یہ کہتے ہیں گر خدا ہوں ہم
ابتدا ہوں کہ انتہا ہوں ہم

یہ تو بتلائے کوئی کیا دیکھوں
اور کیا چیز اسے خدا دیکھوں
کیا وفا ہے تری وفا دیکھوں
فرقت تو چند روزہ ہے کچھ دایمی نہیں

دل کو دیکھوں کہ دلربا دیکھوں
ابتدا دیکھوں انتہا دیکھوں
حال میرا قیاسے کھنا
آخر وصال یا رہی ہو جائے گا مگر

بجلی گری ہو جس پہ مرا آشیاں نہ ہو

سیاد سے یہ کہتا ہوں درد کے بار بار

بخدا ساری خدائی میں خدائی ہوتی
میرے یاروں نے اگر دل میں لگائی ہوتی
کل جو آئی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی
کیوں نہ قرباں جاؤں قرضِ دام کے
ہو گئے کیسے نکلتے کام کے
کیوں نہ گرویدہ ہوں ہم اس لام کے
اور بھی تو ہیں ہمارے نام کے
گو نہ تھے طالب کبھی انعام کے

میرے دل میں جو کبھی اس کی سمائی ہوتی
آتش عشق میں جلتا نہ پتنگے کی طرح
دل کا کھٹکا تو بکل جاتا مرے لئے مضطر
مانگتے ہیں دل مرا مجھ سے اُدھار
کام کوئی عشق میں بنتے نہیں
خط نستعلیق لام زلف ہے
جو بلا آئے ہمارے سر ہی ہو
داغ دل کے ماسوا کیا کیا بلا

یہ سخن کی نال کب مضطر اُسٹھے
 روکے نابینا کے آگے اپنے دیدے کھوئے
 جان شیریں کو گنوا یا عشق میں تو کیا ہوا
 دیکھے کیا برگ و بار اس نخل لفت میں لگیں
 جو کچھ ہوتی تھی وہ سب ازار سانی ہو چکی
 دھر سے ابراٹھ کر جو گیا ہے
 خدا جانے وہ آئے یا نہ آئے
 ہمارے داغ عصیاں کو تو کا نسر

کیوں نہ چپکے چھوٹیں زلِ سام کے
 وہ مثل ہو شام کے مُردے کو کبتک روئے
 کو کہنی کو چھوڑ کر کسرا د پتھر ڈھوئے
 تخم الفت کا زمین شور میں تو بوسے
 قبر میں آرام سے اب پڑ کے مضطر سوئے
 ہماری خاک پر وہ رو گیا ہے
 نہیں معلوم پر کہہ تو گیا ہے
 ابھی سے ابرِ رحمت ڈھو گیا ہے

انتخابِ مثنوی ختم الطعالم موسوم بہ "رازِ حقیقت"

گھڑی جب چھٹی آن پہونچی وہاں
 یہ تاریکی روئے زمیں پر ہوئی
 کہ یہ نور تھی وہ شب تار تھی
 نشان نور کا واں نہ تھا زینہار
 گھڑی جب نویں آن پہونچی مگر
 الہی الہی بھلا کس لئے
 میں راضی تھا جس میں تھی تیری رضا
 مگر پھر سجانے اک نعرہ کر
 بلند اُس نے ایسا یہ نعرہ کیا
 حقیقت کا پردہ میاں سے وہیں
 زمیں مضطرب ہو کے بیتاب تھی
 اُسے تابِ اصلا نہ تھی زینہار

تو تاریک ہونے لگا سب جہاں
 کہ یلدا نہ اُس کے برابر ہوئی
 وہ جوں خالی زنگی نمودار تھی
 کہ ہولیل سے اقتیا زینہار
 سیجائے کہنے اک نعرہ کر
 کیا تو نے مجھ کو جدا کس لئے
 جو تیری رضا تھی وہ میری رضا
 جدا جسم سے جان کی لے خبر
 زمیں ہل گئی آسماں ہل گیا
 ہوا شقِ بکلم جہاں آفریں
 زمیں تھی الہی کہ سیما ب تھی
 کہ گا و زمیں تھی زبیں بہت رار

جگر سے پھٹے کو ہمارے بلند پے جاکنی شہ ارجمند

ہوئے چشمہ کوہ بھی اشکبار کہ نالوں نے فرصت دی زینار

انتخاب از غیاث المضطر نوحہ داغ

صبر و شکیب و طاقت ضبط فغاں نہیں کہنا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

غمخوار و یار و مونس و ہمد مہاں نہیں کس کو سنا میں حال کوئی مہرباں نہیں

اک داغ تھا سو وہ بھی تہ آسمان نہیں

ملک سخن میں داغ تو ہر دلعزیز تھا مانے حریف اُسکو نہ مانے تو اس کے کیا

جو کچھ کہیں گے اُسکے لئے ہو وہ سب بجا مضطر زبان خلق ہے نثارہ خدا

باقی اگر چہ ہند میں اسکا نشان نہیں

آغاز ہائے نالہ شور و فغاں سنو بیٹھو جگر کو تھام کے درد نہاں سنو

یہ شور الغیاث تہ آسمان سنو دو تین نالے ہم سے بھی پیرو جاں سنو

تلمیذ داغ دہلوی ہیں نوحہ خواں نہیں

دنیا سے ہائے روح فصیح البیاں گئی وہ کیا گئی فصاحت ہندوستان گئی

بزم جہاں سے رونق اہل زباں گئی گویا کہ جسم خلق سے روح رواں گئی

جسم سخن میں ہائے وہ اب لطفت جاں نہیں

دلی میں مر مٹوں کا یہی غمگار تھا اچھا تھا یا بُرا تھا مگر یادگار تھا

لے چرخ نابکار تجھے جس سے خار تھا وہ تو غریب آپ ہی یاروں کا یار تھا

پامال تجھ کو کرنا تھا لے بدگماں نہیں

طفلی جوانی اُسکی تھی پیری شباب تھی جو بات داغ کی تھی وہی لا جواب تھی

ہم کیا کہیں طبیعت عالی جناب تھی صد انتخاب میں سے کہیں انتخاب تھی

کلاک زباں میں طاقست شرح و بیاں نہیں

ہے ہے سر جنازہ "وفا" نوحہ خواں ہوئی با صد نگاہ یاس سوئے آسماں ہوئی
 سر گرم آہ و نالہ و شور و فغاں ہوئی کہہ کہہ کے ہائے داغ وہ نالہ کناں ہوئی
 ہنگامہ نقش پر تھا "وفا" نوحہ خواں نہیں

بے داغ بزم اہل سخن میں یتیم ہوں میں کس کے پاس بیٹھ کے جانوں یتیم ہوں
 غیروں کے پاس ہ کے میں کیونکر مقیم ہوں میں آتشائے داغ سخنور یتیم ہوں
 کس طرح بیٹھ جاؤں ہاں وہ جاں نہیں

میری دعا کے خیر پہ اب اختتام ہو جب تک کہ دور چرخ بدیں صبح و شام ہو
 جب تک کہ آسمان زمین کو قیام ہو جب تک کہ آفتاب چرخ بام ہو
 ہو بندگان عالی سے خالی جہاں نہیں

تاریخ مرگ داغ سخنور بہ نالہاں پوچھا جو شاعری سے وہیں ہم نے بر ملا
 چشم پر آب ہو کے بصد یاس یوں کہا مضطر ہمیں تو غیب سے آتی ہے یہ صدا
 لو باغ میں وہ بلبل ہندوستان نہیں

نمونہ کلام جمیس کا رکرن

ماخوذ از تاریخ ممالک چین مطبوعہ ۱۹۶۲ء

ہنر پر نہ بھول اپنے اے پر ہنر کہ تو ہی ہنر سے نہیں بہرہ ور
 گلستاں میں ہیں پھول قسام کے مگر ایک سے ایک ہیں کام کے
 ہے مہتاب ہر چند عالم سحر زد دے بے حقیقت ہے ہنگام روز
 چہ خوش گفت گویندہ نیک مرد خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

دلا ملک دنیا یہ ست جی لگا کہ پل بھر میں سب کچھ یہ ہو گا فنا

اگر آسماں کینہ جوئی پر آئے تو دم بھر میں کچھ اور ہی کر دکھائے

ہے منارہ کہ اک عمارت نور
اُسکے نقشوں کو گر کر سینگے یاد
گر کریں منکر سے وہ دامن چاک
کہیں سکو تو عقل سے ہے قریں
جسکی ہر سمت نور کا ہے ظہور
چین مانیں گے مانی وہ بے زاد
کھچے اُن سے نہ اُسکا خاک خاک
فی الحقیقت نگار خانہ چسپیں

جنگلوں میں بہار گلشن ہے
گل و سنبل کے ڈھیر ہیں ہر جا
عیش بازار ہر طرف ہیں لگے
عشرت آرام ہر جگہ موجود
ریشک گلشن وہاں کا گلخن ہے
بلبلوں کی بہیر ہیں ہر جا
ہیں حسد و ایش و شوق سے پھرتے
شہر کیا بلکہ حسانہ بہو د

مال و محنت سے کوسوں دور ہیں
سنگ غم سے روز و شب صبح و مسا
عالم فانی کی بار و چال دیکھی ہے عجب
بازئی دنیا کے ہر ہر دانہ میں لے ہنشین
محنتی اس مرض میں رہتے ہیں
مثل شیشہ پتھروں سے چور ہیں
اس جہاں سے جو گیا ویسا نہ آیا پھر کوئی
کھو ریا ہاتھوں سے جو ویسا نہ پایا پھر کوئی

باغ میں بلبل ہی کہتی تھی کل صبا و سہ
رہیں سب لوگ عیش و راحت سے
کب نفس کو چھوڑ کر ظالم نفس میں جاوین ہم
رنج پہونچے نہ دست آفت سے

رتبہ بلند کیوں نہواں سر زمین کا
مسکن یہاں تھا مدتوں مغفور چین کا

جس سے انسانیت عبارت ہے
پاک نیت خجستہ خصلت ہیں
وہاں ہر ایک کی وہ عادت ہے
ہر طرح سے وہ سب غنیمت ہیں
کلام فارسی

چو سہر طاں بروں آید از قعر آب
کہ چوں سنگ غار شود گوشت آید
ہوا چوں خورد سنگ گرد و شتاب
ہماں استخوان ہماں پوست آید
کہ آگاہ بد زان بہند و ستان
مورخ بے زیر گل خفتہ اند
کنوں کا کرن گفت حالش تمام
بلک عدم ہے خبر رفتہ اند
خدا یا در اکن بے نیک نام

منقش کیے مر مر آمد پدید
در و نقشہ باغ و فصل بہار
بر نقشے کہ بر نقش چیں خط کشید
شگفتہ گلاں ہر طرف صد قطار
درختان خوش قامت و سر بلند
در و نقشہ کوہ و بحر دراز
بدین ہمانا بے ارجمند
منقش شد از قدرت بے نیاز

اگر کیمیا گویم این خاک را
ہمی یاد دارم من این داستان
زنا پاک تشبیہ دہم پاک را
ہمانا کہ از گفتہ داستان
کیے کور در رہ نشستہ مدام
چو بگذشت یک روز روح آتہ
کہ در دور عیسی علیہ السلام
بنزد ہماں کور حالت تباہ
بدو گفت عیسی علیہ السلام
بگفتا کہ من چشم خواہم ہمہ
چو بشنید عیسی فرح سیر
چہ خواہی بیان کن بشرح تمام
مراد خود از تو بجویم ہمہ
بے مہرباں شد ہماں بے بصر

زلب کرد خاک کے ہماں وقت تر
ہماں وقت آن کو رہیندہ شد
ببائے کہ شاید در انجا وزید
زمین ہماں خاک پر مکرمت
بمالید در چشم آں بے بصر
تایش کن آفریندہ شد
ازاں خاک ہرے در بخار سید
شد این خاک چیں کیا فاصیت

کلام اردو

دکانیں قطع وار ہر سو بنیں
کسی سمت میووں کا بازار ہے
مٹھائی کی دوکان پہ یکسر ہجوم
مٹھائی جو سرباد لب پر دھرے
کوئی سحر سُر پان ہے بیچتا
جہاں عطر والوں کی دوکان ہے
کھلونے عجائب دھرے یک طرف
جواہر کی دوکان پہ ایسی چمک
کہیں اطلس چیں کی پوشاک ہے
ہوئی شب تو پھر ہے عجائب سماں
غرض خوبیاں ایسی لے دور ہیں
قرینے سے انواع چیزیں چنیں
کسی جا پہ پھولوں کا انبار ہے
لگس شہد پر جیسے گرتی ہی جھوم
تو شیریں سے دل پنا کھٹا کرے
رگ تان سے جان ہے اینچتا
تو پھر واں معطر دل جان ہے
غم دل جسے دیکھ ہو بر طرف
کہ خود جوہروں میں نہیں وہ دمک
کہ شائق کا دل اس پہ صد چاک ہے
کہ یکسر منور زمیں آسماں
نہوں کیونکہ آخر ہے بازار چیں

نمودہ مندرجہ مقتضی

خلق کا جگمگا لب آب پر۔ سب کی نگاہیں روئے آب پر۔ اہل شوق ہزار در ہزار۔
کوئی کسی سے بغلیں کوئی کسی سے ہکنار۔ کہیں خوشی کا جلسہ ہو رہا ہے کہیں سخن کا
چرچا ہو رہا ہے۔ کہیں نوشا نوش ہے۔ کوئی سرخوش ہے کوئی مدہوش ہے۔ کوئی
کسی کی تاک جھانک میں مشغول ہے۔ کسی کا داغ جگر پھول ہے۔ کوئی اپنی پوشاک کی

پھین پر مغرور ہے۔ کوئی اپنی بے توشگی پر مسرور ہے۔ کہیں واہ واہ کا شور مچ رہا ہے
کہیں صل علی کا غل پڑا ہے۔ کہیں ناز ہے کہیں نیاز ہے۔ غرض اُن مجموعوں کا عجب
انذار ہے۔

کلام مظالم دہلوی

اگر ہے یہی ناتوانی ہماری تو بس ہو چکی زندگانی ہماری
کہاں ہے تو لے نوجوانی ہماری کہ بے لطف ہے زندگانی ہماری
عدو کے برابر سمجھتے ہو ہم کو بہت خوب کی مستدانی ہماری
نشانی کو چھلا جو مانگا تو بولے ترا داغ دل ہے نشانی ہماری
وہ پیری میں مظلوم اب کے دیکھے جسے یاد ہو نوجوانی ہماری

کیا کہا تم نے کہ تیرا دل گیا گو گیا مجھ سے تمہیں تو مل گیا
دیکھنا یہ کھیلی کس کے سر پہ موت کس طرف خنجر کھنٹ قاتل گیا
شکوہ کیا بوسہ نہیں گالی سہی جو مری نفستدیر میں تھا مل گیا
مجھ سے جب بگڑی ملا وہ غیر سے غیر سے بگڑی تو مجھ سے مل گیا
اس طرح مظلوم نے نالے کئے وہ تو وہ اغیار کا دل ہل گیا
ٹھہری جو آج وصل کی لے رہیں نہیں تو جان لے کہ جسم میں جان حزیں نہیں
مرنے کے بعد بھی ہمیں راحت کہیں نہیں پھیلاؤں پانوں اتنی میسر نہیں
دنیا سے کچھ غرض ہی نہ عجب سے کام ہو میں تیرے در سے جاؤنگا اٹھ کر کہیں نہیں
تو بہ کروں گناہوں سے ہوں شرمسار میں اتنی بھی مہلت اب تو دہم واپس نہیں

ہیں بادہ کش فریفتہ بزم خیال کے
 دیدے کوئی گڑی ہوئی بوتل نکال کے
 اب ہم کو دیکھتے ہیں وہ آنکھیں نکال کے
 روز ازل سے ہم تو ہیں خوگر طلال کے
 رندان مست پیرمغاں کے ہیں بالکے
 دعا تجھ کو منہ سے نکلتی رہی
 یونہی آہ گمراہی چلتی رہی
 طبیعت جو اُن کی چلتی رہی
 چھری تیری ک رک کے چلتی رہی
 ہمیشہ ہی مظہر کوم چلتی رہی

عالم کی سیر کرتے ہیں گردن کو ڈال کے
 ساقی شراب کہنہ کے پیاسے ہیں ندست
 جو دیکھتے تھے پہلے نگاہوں سے پیار کی
 تم رنج دو تو موجبِ رام ہے ہمیں
 واعظ کبھی نہ تیری اطاعت کرینگے یہ
 چھری گو کہ گردن پہ چلتی رہی
 اُڑا دے گی اک دن فلک کے دھوئیں
 دمِ ذبح تر پیا بڑی دیر میں
 رکاوٹ نہ تھی تیرے دل میں تو کیوں
 طبیعت مری آتش ہجر سے

کلامِ نظم لکھنوی

مجبور ہیں ہم ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
 جو حال ہی دل کا وہ بیاں ہو نہیں سکتا
 اک اشک بھی بے تجھ سے وان ہو نہیں سکتا
 الفت کا مرضِ نظم نہاں ہو نہیں سکتا

جو درد ہے دل میں وہ نہاں ہو نہیں سکتا
 کیا جانے کیا اس پر ترے ہجر میں گزری
 اے دیدہ تر دیکھنے آئے ہیں وہ رونا
 صورت کے دیتی ہی جو کچھ حال ہی دل کا

اور جو حال ہی وہ صاف بتاتے بھی نہیں
 سر پہ دستارِ تم اپنے کبھی پاتے بھی نہیں
 انھوں نے نہ اک بات مانی ہماری
 لڑکپن ہے اُنکا جو انی ہماری

چاہتے ہیں سببِ رنج کوئی جان بھی لے
 ہاتھ رندوں کے جو پڑ جاتے کہیں واعظ
 خوشامد ہی کرتے شبِ وصل گزری
 ادھر سے رکھائی ادھر سے لگاؤٹ

دل مرا بعیت راکرتے ہو
یہ بڑا ظلم یا رکرتے ہو
تم غلط یہ شمار کرتے ہو
کس کا اب انتظار کرتے ہو
خوب دل کا شکا رکرتے ہو
دل سے تم کس کو پیار کرتے ہو
جس پر تم جاں نثار کرتے ہو

جب کبھی تم سنگار کرتے ہو
تم جو دشمن کو پیار کرتے ہو
ایک بوسہ لیا بتاتے ہو دس
ابراٹھا میکدے چلو رندو
تاک کر پھینکتے ہو تیر نظر
ہم بھی ہیں غیر بھی ہیں سچ کہو
اُسکو پروا نہیں تمھاری نظم

ہم ہوئے رسوا تجھے کیا مل گیا
سننے والوں کا کلیجہ ہل گیا
مر گئے پر بھی نہ درد دل گیا
چین آیا، اضطراب دل گیا
خود میں سوئے کوچہ قاتل گیا

اُسکی جانب ہائے کیوں آ دل گیا
ہم نے وہ نالے شربِ رقت کئے
قبر میں بھی چین سے سوئے نہ ہم
وہ جو بیٹھے آکے پہلو میں مرے
نظم اس میں ہے قضا کا کیا قصور

انتخاب کلام کلاڈیس بیکسٹر نظم (کھنوی)

نہ وہ تلوار سے ہوتا نہ پیکان نہ خنجر سے
تجھے اے شیشہ دل سامنا کرنا ہے پتھر سے
بڑھے گی زندگی ساقی شرابِ مہ پرور سے
اکھی شرم رکھنا سامنا کرنا ہے پتھر سے
اکھی تو بچا نا مجھ کو اُس چشمِ فسونگر سے
کوئی تدبیر انساں کی نہیں چلتی مقد سے

ہوا جو کام اک جنبش میں ابروئے سگر سے
ذرا مضبوط رہنا سنگِ رقت کے اٹھانے کو
بوقتِ بادہ نوشی خون کی تولید ہوتی ہی
ہماری آہ یہ کہتی ہوئی جاتی ہی اُس بُت تک
سنا ہی اک نگاہِ ناز کر دیتی ہے دیوانہ
بہشتِ آخر ہوئی شہاد کی نظروں کے پوشیدہ

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں
 خدارا اے قضا تو ہی کہیں امداد کر مسیری
 دکھائے جلوہ رخسار کچھ تسکین ہو جائے
 لب زخم انتہا کے خشک ہیں تشنہ دہانی سے
 خبر انکو ملی جب عاشق شیدا کے مرنے کی
 ہمارے قاتل میر قاتل کی کہیں ہیں تیز خنجر سے
 نکلتی ہی نہیں یہ شامِ فرقت اب کمر گھر سے
 لگی ہیں طالبِ دیدار کی آنکھیں تر در سے
 اے قاتل بچھا دے پیاس کی آنکھیں آبِ خنجر سے
 لگے کہنے بلا سے خیر آفت تو ملی سر سے
 ہماری آرزو کوئی نہ ملے ہی نہیں دیتا

بہت عاجز ہیں ہم اے نظم اس چرخِ ستگر سے

تاثر ہونے دو تو ذرا مسیری آہ میں
 اب تو یقین ہی اٹھ کے نہ بیگانوں پر پڑے
 تعریف انکی خوب کرینگے شب وصال
 نظارہ ہی نہ کرنے دے جب اپنی بچودی
 کب دیکھیں ہم کو قیدِ محبت سے ہونجبات
 جب جاؤ آستان پہ دربان کہتے ہیں
 کہئے کدھر وہ سنگدلی آپ کی گئی
 مرزاں ہوں کیوں نہ سایہ فگن چشم مست پر
 دیکھوں اٹک اٹک کے پھر آتے ہو راہ میں
 دل چھد کے رہ گیا ہے خدنگ نگاہ میں
 مطلب یوں ہی نکالیں گے ہم واہ واہ میں
 پھر کیا کریں ہم آ کے تری جلوہ گاہ میں
 اس دل نے ہائے لیکے ڈھکیلا ہی چاہ میں
 سرکار سوئے ہے ابھی خواہ گاہ میں
 دل کو پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
 ہے لطف میکشی کا بھی ابرسیاہ میں

پتیا نہیں ہو شیخ تو اے نظم چھوڑ دو

بیٹھے بٹھائے پھنستے ہونا حق گناہ میں

واکر

رخِ شعلہ ہے تن نور ہے بلور کی ہڈی
 او طالبِ دنیا تجھے عبرت نہیں آتی
 سب کیوں رشک سے تیرے نہ جلے حور کی ہڈی
 کھائی دہن خاک نے نفیور کی ہڈی

گر راست ہو قسمت ہو کجی باعث دولت
تا شرم سرد کی ظاہر ہوئی جب سے
مشہور ہے کج پاتوں میں تیمور کی ہڈی
تن ہو گیا یخ بستگی کا فور کی ہڈی

صاحب

(مسٹر اے ڈبلیو سنگیٹر)

یوں تو دنیا میں کئے کام ہزاروں لیکن اک بجز عشق کے ہر کام کو آساں دیکھا

گریں بجلیاں میر دل پر ہزاروں مزہ دے گیا مسکرا کر اناسی کا

رونق لکھنوی

(لیسٹر این ڈبلیو سنی)

تم کو نہیں فرصت کہ جو تم آؤ مرے گھر کیا مجھ کو بلانا بھی وہاں ہو نہیں سکتا

کامل

(مسٹر ای۔ اے جوزف)

دل جلا یا نہیں اگر تم نے شعلے اٹھتے ہیں کیوں مر دل سے

بیچکر دستار کو لے شیخ جی آج کل مینا پلانا چاہئے
دل مرا تلواروں سے ملکروں کہا خاک میں اسکو ملانا چاہئے

کلام بتورسوس کلیمنٹ آگرہ

مرثیہ

مارا عیسے کو دشمن نے ہا سے
 دشمنوں نے کسا شہ سے جانو عیسے اس ہی کو کہتے ہیں مانو
 خون اس کے بہاؤ بدن سے
 منہ پہ تھوکا طمانچے بھی مارے پڑ گئے نیل کوڑوں کے سارے
 اُس کی پوشاک اُتاری بدن سے
 تلج کانٹوں کا اُس کو پہنایا ہاے دشمن کا دشمن بنایا
 خار رُو رُو کے کہتے ہیں بن سے
 ہاتھ پیروں میں کیلوں کو ٹھوکا اور اٹھائی صلیب کے جھوکا
 خون جاری ہوا پاک تن سے
 جب صلیب پر ہوا عیسے پیارا سرکہ اُس کو چٹا یا کہ سانا
 دم نکل جائے اُس کے بدن سے
 پیارے عیسے کو برھچا جو مارا دل میرا ہو گیا پارا پارا
 خون دیکھا جو بہتا بدن سے
 اب کہاں چھوڑ ہم کو ہو جاتے کا ہے ہم کو بروگی بناتے
 تم نے تو ہے لگائی وطن سے
 ہاے کیا میں نے حق کی خطا کی جو جدائی کی مجھ کو سزا دی
 کیا ہٹایا مجھے اپنے من سے

پرتگالی نسل کے اردو شعرا

(۱) ایلیس ڈی سلوا۔ فطرت

(۲) آگسٹین ڈی سلوا۔ مفتوں

(۳) حکیم جوزف ڈی سلوا۔ ڈی سلوا

(۴) حکیم جواکین ڈی سلوا۔ عرف گسٹین ڈی سلوا۔ فطرت

(۵) حکیم الیاس پیڈرو ڈی سلوا۔ عبرت

(۶) حکیم والسنس ڈی سلوا۔ فطرت

(۷) حکیم ایلیس ڈی سلوا۔ عاصی

(۸) والسنس فرانسس۔ لاغر

(۹) نفیس

(۱۰) جوزف مینول۔ جوزف (پٹنہ)

(۱۱) ڈی کاسٹا (کلکتہ)

(۱۲) جان ڈی کاسٹا۔ سیف (کاسگنج)



انتخاب کلام ایلیس ڈی سلوا فطرت

درد فرقت کے ترے شیدا جو گرم نالہ تھا ہر ستارہ پھر لبِ فلاک پر تجا لہ تھا

جوشب کو خواب میں آیا وہ چشمہ حیواں بہائے چشم نے درد کے خواب میں دیا

قاتل نے مجھ کو غوث کا کیا مرتبہ دیا سر پہ کہیں بدن ہی کہیں دست و پا کہیں

دل کو بھید اسینہ چیر کاٹ سر باندھیں ہاتھ تیرے خنجر نے تیغ و طرہ طرہ کرنے

حکیم مستوں

لٹکی جو آنکی زلف گر گھیر ہاتھ بھر قاتل کے دل کو آپے گر کر بڑھا دیا
 کس جا پہونچ کے آہ تھکی دیکھئے نصیب قاتل کو رحم دیکھئے آیا ہے کس گھڑی
 جلاد کے جو پانوں میں کی گد گدی تو پھر تیرنگاہ کس کا لگا دست زور سے
 یکدست و صفت دست نگاریں رقم کروا ذکر اس مژہ کا ہو جو مرقع کی سیر میں
 پانوں کی بڑھ گئی مرے تہنجیر ہاتھ بھر اوچھی پڑی تھی ورنہ وہ شمشیر ہاتھ بھر
 جس وقت رہ گیا فلک سپر ہاتھ بھر پہلو میں جبکہ غرق ہوا تیر ہاتھ بھر
 تیغہ اگل پڑا دم تکبیر ہاتھ بھر آلودہ خوں جو اچھلے ہی خنجر ہاتھ بھر
 کاغذ کا بند ہو پے تختہ یہ ہاتھ بھر کر جائے جست آہوے تصویر ہاتھ بھر

رنگ حنا میں پوے وفا کا نہیں ہی نام
 مٹوں کے خوں میں لے بیٹے پیر ہاتھ بھر

کو چہ ترا پسند ہے تیرا مکان پسند
آگے تری زمیں کے نہیں آسمان پسند
تل بھر سفید صفحہ نہیں وصف خال سے
کیونکر کریں نہ شعر مرا نکتہ داں پسند
پھیر دہ بد معاملگی سے حسد کر
دل آگیا ہے گر یہ پھٹائے میاں پسند
بل بے ترا طلسم جنوں میں تو کیا مری
تصویر کو بھی جامہ کی ہیں دھجیاں پسند

مفتوں تم اُنکے پیچھے بھلا کیوں جلاؤ دل
آتش اُنھیں پسند نہ اُنکو دھواں پسند

مطلقاً بوسے معطر نہیں تصویر کے پھول
شوخ اس نگ میں ہیں بانی تقدیر کے پھول
اے مصور نہ بنا ہنستی ہوئی میری شبیہ
کھلتے دیکھے ہیں کہیں غنچہ تصویر کے پھول
سیکڑوں بند زباں ہیں لب خداں لاکھوں
یہ کھلائے ہوئے ہیں آپ کی شمشیر کے پھول
قید ہونے کی خبر موسم گل میں جو سُنی
دست و پا صاف گئے نام سے زنجیر کے پھول
عشق انگیر یہ صحرا وہ زمیں حُسن انگیز
ہند کے خار کہاں گلشن شمشیر کے پھول
زخم دل کی مری صورت جو اُنھوں نے پوچھی
میں نے دکھلا دیے گلشن میں کئی چیر کے پھول
کانٹا کر دیں گے سکھاف نہ کرو تجھ کو
بعد مردن مجھے رویا نہ کوئی غیر از شمع
مٹ لالنے سے تو منصب جاگیر کے پھول
چڑھے تربت پہ بھی تو ہاتھ سے گلگیر کے پھول

اشک خونیں ہیں کہاں نوک مژہ پر مفتوں
پھل یہ برہمی کے نظر آتے ہیں درتیر کے پھول

نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اُسکے پکیاں کا
کہ مدت میں گذر دل میں ہوا ہوا آج مہماں کا
عجب تیرے کشتے کا دیوانہ پن ہے
نہ ثابت کدہ ہی نہ تار کفن ہے
دیکھ کر موبان نہ ریں اُسکے مفتوں جعد میں
خلق کہتی ہو پڑی بجلی شبِ دیجور پر

تجھ کو میری قسم اتنا دل مضطر نہ ترطپ
برق کہتی ہے یہ بیباکی سے ہر بار کہ بس

میکشود عقد ثریا سے اگر مل سکے کیا عجیب شیشہ گردوں سے بھی قلقل نکلے

خراب مٹی ہی تر پے ہی ہجر یار میں روح
تم آؤ بالیں پہ تو اس عذاب کے چھوٹے
موے کے بعد بھی ہم کو ملا نہ حسین کبھی
گہے دماغ میں ہی گاہ دل میں کہ لب پر
نہ دل ہی قابو میں پناہ اختیار میں روح
لبوں تک آ نہیں سکتی ہو انتظار میں روح
رہی حال کے مصروف کار و بار میں روح
بھٹکتی پھرتی ہی گھبرائی جسم نہار میں روح
بغیر حکم خدا کے کس طرح باہر
پری ہے شیشے میں مفتوں نہیں حصار میں روح

حکیم جوزف ڈمی سلوا

کیا شے ہے وہ جس میں کہ تری شان نہیں ہے
اے جانِ جہاں جان سکے کیا کوئی تجھ کو
سر رکھے ہتیلی پہ تو مطلب کرے حاصل
جس کو نشہ عشق حقیقی کا ہے سودا
عامل جو بشر بندگی حق سے ہے غافل
برحق تو یہ ہے بندہ کو پہچان نہیں ہے
انسان تو کیا جن کی بھی یہ جان نہیں ہے
یوں یار کا ملنا تو کچھ آسان نہیں ہے
دنیا کے مزے کا اُسے ارمان نہیں ہے
حیوان سے بدتر ہے وہ انسان نہیں ہے

خوش اب ہوا گنگار و مسیح دنیا میں آیا ہے
شکیم سے کنواری مریم کے جنم آج اُسے پایا ہے
نبوت کی نظر سے وہ عمانوال کہا یا ہے
وہ ہے نور جہاں ظلمت کے پرد کو اٹھایا ہے
پھنسلوں کو دام عصیاں کے نئے سر چھڑایا ہے
مبارک دوستو وہ صلح کا پیغام لایا ہے
وہ فرزند خدا ہے یہ فرشتے نے بتایا ہے
اُلوہیت ہے اُس میں حق مجسم ہو کے آیا ہے
محبت اُس نے ایسی کی صلیبی دکھ اٹھایا ہے
فلک سے روح کا دریا ہمیں پر لا بہایا ہے

جنم کا جو کہ اندھا تھا اُسے بنا بنایا ہے
 مہی بنکے ہم سب کا ہمیں حق سے ملایا ہے
 ہوا دن تیسرے زندہ ہمیں جلوہ دکھایا ہے
 پرر کے دہنے جا بیٹھا ہمیں بھی اں بُلایا ہے
 دل عصیان زدہ میں تے یوسف کے سما یا ہے
 مرا مُردہ تھا لا آذر چوتھے دن اُسکو جلایا ہے
 ہوا کفارہ دنیا کا لہوا پناہ سا یا ہے
 گیا جب آسمان پر ہم نے روح القدس پایا ہے
 بھلا نبیوں میں کس نے ایسا اعلیٰ رتبہ پایا ہے
 کہ کیجئے بندگی اُسکی ہمیں جس نے بنایا ہے

انتخابِ کلامِ حکیم جو الکنِ دُئی سلوا عرفِ کُٹنِ دُئی سلوا فطرت

(چار بیت)

مجھ سے ہر وقت صنم چال تمھاری ہے نئی
 پھر یہ کیا بات ہے بیفائدہ کیوں ہے روٹھا
 کس کے گھر جاؤ گے وہاں ہو گے کس کے
 آج پوشاک مری جان اُتاری ہے نئی
 کچھ لڑائی بھی نہیں اور نہ بُرا میں نے کیا
 یہ بتا کس سے ہوئی اب تری یاری ہو نئی
 ہاتھ سے بادہ گل رنگ پیو گے کس کے
 مجھ سے ہر وقت صنم چال تمھاری ہے نئی

عبرتِ حکیم الیاس پیدروڈی سلوا عبرت

بعزمِ قتل سر پیا ہی پوچھا ناگہاں قاتل
 شش پہنچ ہو رہا ہی کیسے منزل آج طے ہوگی
 بروزِ حشر مجھ کو کون سہل تیرا سمجھے گا
 زکوٰۃ حسن مجھ کو اب خدارا کچھ عطا کر دے
 نظر آتی نہیں ہی خیر جاں کی کردِ دیارِ ب
 اماں کیونکر ملے عاشق کو اس دارِ فنا میں اب
 کسی کے صندوقِ ننگ پر ہماری جان جاتی ہی
 عجیبے یوں ہوا کہنے سے کس کے بدگماں قاتل
 الہی کس بلا کا لے رہا ہے امتحاں قاتل
 سند کے طور پر مجھ کو تو دے اپنا نشان قاتل
 نہیں پھر ہاتھ آدے گا کہ ہر آبِ و اں قاتل
 کمر بستہ ہوا پھر آج بہرا متحاں قاتل
 عددِ جب ہو گیا ہی خود ہی سکا آسمان قاتل
 ہوا ہی بے وجہ عبرت کا رنگِ عفران قاتل

انتخاب کلام حکیم ایلیس ڈی سلوا عاصی

گل گوہر تو کیا ہر شے میں ہی جلو اعیان تیرا
مسیحا کے کرم سے پرورش مخلوق پاتی ہے
پکارا دیر میں ناٹوس سے تجھ کو برہمن نے
تری موجودگی ہر شے کے جزو کل سے ثابت ہے
خدا تو بے نشان تھا پر ملاہم کو نشان تیرا
مرے پیارے ہی ہر جا فیض کا دریا رواں تیرا
حرم میں نام زاہد نے لیا وقت ازاں تیرا
مگر حسرت یہ ہی دل میں نہیں ملتا نشان تیرا

میرا داغ ہجر بھی تو ہو گا آخر جلوہ گر
آفتاب نور عیسیٰ ہر طرف سے جلوہ گر
فیض ہی عاصی پہ بیشک فضل عیسیٰ کا ضرور
دیکھتا ہوں حشر میں نکلے گا کیونکر آفتاب
ڈال لیوے پردہ یہ اپنے پُرخ پر آفتاب
ہو گیا ہے جس سے ہر ذرہ بھی بڑھکر آفتاب

میں مانگتا ہوں سجدہ میں ہر روز یہ دُعا
عشق مسیح میں ہوں میں گم اس قدر کہ بس
تذلیل میری دل سے ہی شیطان کو پسند
کس روز دیکھئے ہو یہ پائمال دوست
دیکھا جسے اسی میں ہوا احتمال دوست
ہر دم جو مجھ سے جھک کے ملے ہی مثال دوست

آنکھیں کھل جاتی ہیں عیسیٰ کا نظارہ کرتے
دیکھ کر نبض مری کہنے لگے سائے طبیب
کعبہ جاتا ہے کوئی کوئی کلیسا کی طرف
فخر کیوں کرتے ہیں یوسف کے خریدار عبث
ہے دوا عشق کے آزار کی بیکار عبث
پڑے پھرتے ہیں یونہی کا فرد دیندار عبث

عیسے کی زمانے سے ہر کل بات انوکھی تعلیم انوکھی ہے ہدایا ست انوکھی

اللہ غنی ابن خدا ایک جواں تھا اللہ بھی جسکے رُخ روشن سے عیاں تھا
حیران فرشتے تھے پریشان تھے انسان جو برق تجلی کہ عیاں تھا کہ وہاں تھا
بھیجا تھا اُسے حق نے ہدایت کو جہاں کی تھا فرش پہ گو عرش معلّے پہ مکاں تھا

جو غیر یہودی ہی نجات اُسکی نہیں ہے جو بات ہماری ہو وہ بات اُسکی نہیں ہے

عاسی گوریاکار سنبھلنے نہیں دیتے بندوں کو ترے پھولنے پھلنے نہیں دیتے
مذہب پہ کسی غیر کو چلنے نہیں دیتے کوچے سے بھی اپنے تو نکلنے نہیں دیتے

اب موقع امداد ہے یا قادر مطلق شیطاں ستم ایجاد ہے یا قادر مطلق
مظلوموں پہ بیداد ہے یا قادر مطلق فریاد ہے فریاد ہے یا قادر مطلق

دنیا میں غریبوں کا ٹھکانا نہیں کوئی یاں تیرے سوا اپنا یگانا نہیں کوئی

میں گلشن ہستی میں گرفتار ہوں ہم صورت مرغان قفس رشتہ بپاہوں

گردیدہ مجھے اپنی محبت کا بنادے جلوہ مجھے اپنے رُخ اقدس کا دکھائے

کل جہاں مروز خوش ہی ذوق سے منور ہے گویا ہر چہرہ پہ باراں آج آب نور ہے

جاتی ہیں گھر گھر دکانیں میو پھل پکوان کی
دل پھٹا جاتا ہے عاصی بھبت مو نور سے
مفت ملتا اس طرف انجیر اُدھر انگور ہے
کیا محبت کا کروں اظہار یہ مقدور ہے

کل جہاں کو ہو مبارک برتھ ڈے عیسے کا ہے
بس دا سے آج بلبیل ہی چمن میں نعرہ زن
چہرے ہیں بشاش سب کے رنگ برنگ بے شک ہے
دل ٹھیل پڑتا ہے عاصی جوش الفت سے مرا
جموم کر نعرہ لگاؤ برتھ ڈے عیسے کا ہے
کہتی ہی یہ ہی زبان کے برتھ ڈے عیسے کا ہے
دعوتیں ہوتی ہیں گھر گھر برتھ ڈے عیسے کا ہے
نکلا خورشید صداقت برتھ ڈے عیسے کا ہے

ہیں اد پر نظر میں جو آتے ستارے
سمندر میں صورت دکھاتے ستارے
بہت خوب شوکت سے کثرت سے ان کی
یہ خوشرو ہیں کیسے پیارے ستارے

خیال ہر دم ہے میرے دل کا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
یہ نقش ہرگز نہ مٹ سکے گا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
نہ ڈھونڈھ دیر و حرم میں اُسکو ملے گا ہرگز وہاں نہ تجھ کو
جھکائی گردن تو میں نے دیکھا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
کہا جو منصور نے انا الحق یہ اسکی غلطی بحب و برحق
تھا اُسکو لازم فقط یہ کہنا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ہے ہیچ دنیا کا کارخانہ پھنسا ہے اس میں عیبت زمانہ
الگ حیب اس سے ہوا تو جاننا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
مٹا جب تک نکھوں سے خواب غفلت تو آگے آیا وہ نقش وحدت
جو دیکھی کثرت تو دل پکارا کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

نہیں ہے عاصی کا کچھ ٹھکانا تو اپنے در کا گدا بنانا

یہ بکتا ہر دم پھرے روانہ کہ یار مجھ میں یار میں ہوں

لے عزیز و محفل مولد میں آنا چاہئے
آئیں گے اس بزم میں سار ملایک عرش سے
نور کی قندیلیں روشن ہونگی سار عرش پر
بادۂ الفت کا ساغر ہیں پلاتے کل ملک
بھائیو الفت میں اسکی خرچ کر کے مال دزر
جمع کیا تم نے کیا توشہ عدم کی راہ کا
دفتر عیسے میں نام اپنا لکھنا چاہئے
عطر ملنا چاہئے خوشبو لگانا چاہئے
تم کو بھی یاں شمع کا فوری جلانا چاہئے
وہ نہیں تو تم کو بھی شربت پلانا چاہئے
باغ میں جنت کے گھر اپنا بنانا چاہئے
یہ سفر بھاری ہے کچھ سامان لانا چاہئے

ہر لمحہ ہر جگہ پر موجود ہے تو تو ہے
بیتاب ہوئے ہیں ہم تیری ہی طلب میں
کرتے ہیں تیری طاعت جو تجھ کو جانتے ہیں
شاہد ہے دل یہ میرا مشہود ہے تو تو ہے
مطلوبے، تو تو ہے مقصود ہے تو تو ہے
ہاں قابل پرستش معبود ہے تو تو ہے

فرقت میں ہیں ترپتے ہم نیم جان والے
حاضر ہے دل یہ میرا گو جنس ہے نکمی
مت کر خیال سکا آلودہ ہے گنہ میں
مخلوق کو بنایا کلمے سے اپنے تو نے
عاصی کو کون بخشے تیرے سوا خدا یا
صورت ہمیں دکھائے او آسمان والے
اسکا بھی سودا کر لے اونچی دکان والے
کر رحم کی نظر تو او دو جہان والے
جو کچھ کہا ہوا وہ سچی زبان والے
خالق ہے تو ہی سب کا دونوں جہان والے

ہر گھڑی ہے لب پہ تیرا نام اٹھتے بیٹھتے
خورد و غلاماں جن ملائیک در شرخورشید و ماہ
ہیں دیے بید مجھے انعام اٹھتے بیٹھتے
سب ثنا کرتے ہیں صبح و شام اٹھتے بیٹھتے

سوز و بیتابی سے صبح و شام اٹھتے بیٹھتے
ہیں کھڑے سر پر ترے الزام اٹھتے بیٹھتے
ور در کھتا ہوں میں تیرا نام اٹھتے بیٹھتے
ہے خداوند اترایہ کام اٹھتے بیٹھتے

میسر ہوا اگر دیدار عیسیٰ
ہوے دریائے جہدم پار عیسیٰ
عجب پر فضل ہے دربار عیسیٰ

وہ نشانہ اسکا وہ اس کا نشانہ ہو گیا
جو کہ بیگانہ تھا وہ بھی اب یگانا ہو گیا
ترک فرقت میں تمھارے آب دانا ہو گیا

اک امید دید پر یہ عسمر گزری یا خدا
اودل ناداں قدم رکھ زندگی میں پھونک کے
گو گنہ سجد ہیں میرے پر مجھے بخشے گا تو
بخشدینا مجھ سے عاصی کا نہیں شکل تجھے
ہو حاصل دم میں لطف زندگانی
ہو اروح القدس فوراً ہی نازل
نہیں محروم پھر تا کوئی واں سے
چار آنکھیں جپے میں عیسیٰ کی اور مریم کی تب
الفت عیسیٰ میں میرے دیکھ کر اس حال کو
شکل دکھلا دو سچا میں نیٹ بچپن ہوں

دو چہند ہوئی رونق کا شانہ عرفناں
پُر بادہ الفت کے ہے میخانہ عرفناں

ہر بزم میں ہم سنتے ہیں افسانہ عرفاں
رحمت کے کیا وا در میخانہ عرفناں

اے بادہ کشف و کشف میں لوجہام محبت

ملتا ہے ہر اک شخص کو انعام محبت

مناجات

اپنے فعلوں سے شرمساری ہے
تیری رحمت کی انتظار ہے

خوف عقبے کا دل پہ طاری ہے
ہر گھڑی لب پہ آہ و زاری ہے

عفو تقصیر بیش و کم کیجئے

بیکسی پر مری کرم کیجئے

کر تو عصیاں کی مجھ سے ظلمت دور
 نام تیرا سدا سے ہے غیور
 اے خداوند محسن افضال
 خود پشیمان ہوں دیکھ اپنا حال
 سامنے تیرے کیسے آؤں گا
 ڈالنا حشر کی نہ آفت میں
 رکھ سدا اپنی تو حمایت میں
 آزمائش میں تو نہ ڈال مجھے
 واہ کیا شان کبریا ئی ہے
 شکل انسان جو بنائی ہے
 نور کو اپنے آشکار کیا
 پھر جدا کر کے اپنے نور سے نور
 اپنا بیٹا اُسے کیا مشہور
 داور حشر کا فترا دیا
 تو نے ایسا کیا سیج کو پیار
 ساری رحمت کا کر دیا مختار
 دیکھ عیسے کی ہے یہ امت خوار
 تو ہے آمرزگار اور عفتار
 پھنس گئے سائے منجدار میں ہیں

نور اپنا تو مجھ میں کر بھر پور
 گردِ رعینہ سیج کا منظور
 تو گناہوں پہ میرے کرنے خیال
 کہ سیہ ہے یہ نامہ اعمال
 پاس کیا ہے جو منہ دکھاؤں گا
 تیرے بیٹے کی ہوں میں امت میں
 کر قبول اپنی ہی تو خدمت میں
 بھر عصیاں سے اب نکال مجھے
 تیری قدرت یہ کس نے پائی ہے
 اسمیں بھی بھیدا ک خدا ئی ہے
 شکل آدم کو پردہ دار کیا
 نام عیسے رکھا یا اُسے غیور
 ہر طرح اُسکی کی مدد منظور
 ساری خلقت پہ اختیار دیا
 حشر کا رکھا اُس پہ دار و مدار
 دونوں عالم کا بخشا جاہ و وقار
 نشر میں ہو گناہ کے سرشار
 بھر عصیاں سے کر دے بیڑا پار
 تیری رحمت کے انتظار میں ہیں

انتخاب کلام و اسنس فرانس لاغر

ہم اُنکے بچوں میں آچکے ہیں جدائی اُنکی اٹھانچکے ہیں
 نہیں ہیں دل کے لگانے قابل کہ خوب نسیم وہ کھلاچکے ہیں
 نہیں لگانے کے دل کسی سے بھی سے دل کو ہٹاچکے ہیں
 نہیں ہے دنیا سے کام لاغر خدا سے لو اب لگا چکے ہیں

ظلم بر خلق و حکام اثر می بینم دفتر عدل ہم روز بروز برمی بینم
 این چه شور است کہ درد و رقت می بینم
 ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

مے غفلت میں رہیں عیس مس مست مدام رات کو چوری کا ڈر ڈاکہ زنی ہو سر شام
 بیوقوفوں کے یہ بازار عدالت کا ہے نام ہر کسے روز بھی می طلب دانا یا نام
 مشکل این ست کہ ہر روز برتری بینم

ایسے مشاق ستم ہو گئے حکام زماں ساری مخلوق خدا مثل جس ہے نالاں
 کون سُنتا ہے غریبوں کی میاں آہ و فغاں اس پتازی شدہ مجروح بزدیر پالاں

طوق زریں ہمہ در گردن خرمی بینم
 زن ہونا راض جو شوہر سے پڑے غیر کے گھر مدعی کمپنی کے حکم سے ہوشمرد
 راج تریوں کا جو غالب ہوا ہے مردوں پر دختران را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر

پسراں را ہمہ بد خواہ پدر می بینم
 خیر خواہوں کے ہو جان کے افسردہ دشمن حشر میں اسکی جزا پائینگے لاغر اک دن
 مرضی حق میں کسی کو نہیں یا اے سخن پند حافظ بشنو خواجہ بردنی کی کن

زانکہ میں پند بہ از گنج و گم می بینم

پوچھایہ شمعرو نے جو آیا ہمارے پاس لاغر تو کس کی چاہ میں دیوانہ بن گیا

انتخاب کلام نفیس

بکمال شرف و رفعت و شان سبھی
ہر نبی نے یہ کہا بڑھ کے بامی وابی
پونچے افلاک پر جہدم شمعبراج نبی
مرحبا سید مکتی مدنی العسری

دل جاں باد فدایت پر عجب خوش لقی
چوں براقیت فلک چاکے چالاک گذشت
نظری بود کہ از آئینہ بیباک گذشت
درج جاہت قیاس لے شہ لولاک گذشت
شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بقائے کہ رسیدی ز سد ہیچ نبی

فیض پاتے ہیں پھلوں کے جو خواص و عوام
خوش نصیب ایسے ہیں ہر وقت یہاں شیریں کام
برکت کا ترے قدموں کی یہ شہرہ ہی تمام
نخلستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرہ آفاق بشیریں طسبی

منہ لگائے سگ در تیرا جو لے شاہ امم
دل سے طالب ہوں معافی کا بچشم پر نعم
ناز سے جاے میں پھولانہ سماؤں کدم
نسبت خود سبکت کر دم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوے تو شد بے ادبی

غیرت مہربیں ہی تری ذات پر نور
شرف انزائی عرب کی تھی خدا کو منظور
کر دیا نور ہدایت سے جہاں کو معمور
ذات پاک تو کہ در ملک عرب کر و ظہور

زاں سبب آمدہ تر آں بزبان عربی

اے امام رسل اے سرور ذی جاہ و شہم
مہ کنغاں کے جبٹ کچھ لے تجھ کو پیہم
میں بھروں کیوں نہ ترے حسن خدا داد کا دم
من بے دل بکمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چھ جمال ست بدیں بوا تعجبی

العطش سب کی زبانوں پہ ہو شاہان را
 بیش ہر دم ہی ہیاں سکہ موت و حیا
 یہ تامل یہ تامل یہ تامل ہیہاں ت
 ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات
 لطف نہر ما کہ ز حد می گذر دشنہ لبی

لیکے آدم سے ہوئے جتنے نبی تائے
 ایک بھی رتبہ عالی کو نہ تیرے پہونچا
 نسل آدم سے تو عالم میں ہے لیکن بخدا
 نسبت نیست بذات تو بنی آدم را
 برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسب

خواب ہی میں رخ انور اگر آجائے نظر
 پھر نہ مرنے کی تمنا ہو نہ جینا دو بھر
 آمتی ہوں میں ترا کچھ تو توجہ ہو ادھر
 چشم رحمت بکشا سوے من انداز نظر
 اے شریقی لقبی ہاشمی و مطلبی

بیٹھا جاتا ہے نفیس جگر انگار کا جی
 درد فرقت کے ترے جان ہو لب پر اُسکی
 لایق چارہ گری میری طرح ہے وہ بھی
 سیدی انت حبیبی و طبیب فستلبی
 آمدہ سوے تو قدسی پے درماں طلبی

خمسہ بر غزل مرزا داغ

تقلید شیخ و برہمن بید خوان کی ہے
 تصدیق اسکے قول کی اسکے بیاں کی ہو
 حالت بُری و علی میں مجھ خستہ جاں کی ہے
 کعبے کی ہو ہوس کبھی کوے بتاں کی ہو
 مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

کہتا ہے تو ہماری ملاقات کے لئے
 جب چاہے آ کہ عام ہے پروانگی تجھے
 دل مطمئن نہیں ترے قول و قرار سے
 فرصت کہاں کہ ہم سے کسی وقت تو ملے
 دن غیر کا ہے رات ترے پاسباں کی ہو

انساں سے دور جو ہر ذاتی ہو کس طرح
 کیا خوش ہوں میں شگفتہ مزاجی ہو کس طرح
 کیا جانے اُس نے بات بنائی ہو کس طرح
 قاصد کی گفتگو سے تسلی ہو کس طرح

چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے

اپنی طرح سے مجھ کو بھی شاید سمجھ لیا مکار و حیلہ ساز فریبی و پردہ
مر جانے کا مقام ہے سر پھوڑنے کی جا سنکر مرافسانہ غم اُس نے یوں کہا
ہو جائے جھوٹ سچ بھی یہ خونی زباں کی ہو

ہر وقت دیکھ دیکھ کے میرا خراب حال ناحق طرح طرح کا ہی لوگوں کو احتمال
برگشتگی بخت نہیں باعثِ ملامت جو رقیبِ ظلم فلک کا نہیں خیال
تشویش ایک خاطر ناہرباں کی ہے

ہر وقت زایروں کا ہے مجمع ادھر ادھر تھامے ہوئے ہر دل کوئی اپنا کوئی جگر
تم بھی تو آ کے دیکھو کسی دن بحشم تر حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجواں کی ہے

تم نے بُرا کیا تھا نہ میں نے کیا گلا قاصد نے اپنے دل سے جو چاہا وہ کہہ دیا
دشمن تھامے روٹھیں خفا ہو مری بلا پیغامبر کی بات پہ آپس میں رنج کیا
میری زباں کی ہو نہ تمہاری زباں کی ہو

نخو سے عرش پر ہے دماغ آسمان کا عالم میں شر کا بھی قیامت غلغلہ
آخر تمہیں تو یاد ہیں چالیں ہزار ہا وقت حرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال شر کی یہ روش آسمان کی ہو

اب عذر کی جگہ نہیں اسے بانی جفا گردن جھکائے ہوں ترے آگے کھڑا ہوا
ہے کس کا انتظار کھڑا سوچتا ہے کیا دامن سنبھال باندھ کمر آستیں چڑھا
خنجر نکال دل میں اگر امتحاں کی ہو

شاعر ہیں جتنے ہم کو وہ سبانتے ہیں آغ نذرانہ واہ واہ کا گذر آنتے ہیں آغ
ہم ہیں نفیس آپ بھی پہچانتے ہیں آغ اُردو ہے جسکا نام نہیں جانتے ہیں آغ

ہندوستان میں دھوم ہمارے کی ہو

دیگر خمر بر غزل امیر مینائی

وے وہ شے زیبا ہو جو جن کے لئے تو نے رکھ چھوڑی ہے کس دن کے لئے
خیر لایا ہے کیا کن کے لئے تہذیب اور ایسے کس دن کے لئے
ساتیا ہلکی سی لانا کے لئے

حسن کے گلشن میں آتی ہے بہار گل رنج رنگیں پہ ہوتے ہیں نثار
دل اڑا لیتا ہے جو بن کا اُبھار ہے جوانی خود جوانی کا سنگھار
سادگی گمنا ہے اس سن کے لئے

طبع نازک میں ہے اتنی ناز کی ناپسند اس کو ہے رنگ شوخ بھی
وے نہ دینا پھول سوسن کے کبھی باغیاں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھینا ہیں ایک کس دن کے لئے

میرے پاس آ کر وہ گل بیٹھا ادھر ہو گئے آثار شب ظاہر ادھر
شام کیا ہمراہ لائی ہے سحر وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گئے جاتے تھے اس دن کے لئے

بیوتا ہیں بیوتا ہیں بیوتا پر جتنا ہیں پر جتنا
کوئی کیا ایسوں سے رکھے آسرا ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

دیکھ بچپائے گا اے خانہ خراب دن گذر جائیں گے اے خانہ خراب
پھر کہاں تو اور کہاں عہد شباب پی بھی لے زاہد جوانی میں شراب
عمر بھر ترے گا اس دن کے لئے

جو نفیس اپنی نہ رکھتے تھے نظیر مر گئے اور ہیں کفن کو بھی فستیر

کیا ہوا وہ مال و سامان کشید لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لئے

رباعی

سوچو تو نفیس یاں قامت کبتک اس کہنہ سہریں ستراحت کبتک
آخر ہوئی رات اور سفر ہے درمیش اٹھو جاگو یہ خواب غفلت کبتک
نفیس طینت بد کی محال ہے اصلاح یہ وہ مرض ہے کہ جس کی دوا نہیں معلوم
مخوش بہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ان کا نام محمد سلیمان خاں اور عرفیت جس نام
سے پکارے جاتے اچھے میاں صاحب۔

انتخاب کلام جوزف مینول جوزف پٹنہ

رقم میں نے کیا ہر وصف کس کے رہتا ہوں کا بنا ہوا آفتاب شہر مطلع میرے دیواں کا

اسکو تھماے اوج سعادت کہیں گے ہم جو تیرے دام زلف میں پھنکر نکل گیا
رخسار رشک مسرتہ زلف مشک فام اک چاند تھا کہ ابر میں آکر نکل گیا

بظاہر عشق ہے اُس سر قد کا اور اکڑتا ہوں تو کرے جذبہ باطن تسلیم خم میرا

لے بیوفا بھلا تجھے دل دیکے کیا کیا فرقت میں تیری خون دل اپنا پیا کیا
دن رات میں نے دل سے کیا عجز و انکسار بدلے میں اُسکے گالیاں تجھ سے سُنا کیا
آبِ طعام ہجر میں جوزف کہاں نصیب غم کھایا اور خون جگر کو پیا کیا

بھول جاتا تو صنم اپنی یہ یکتائی کو
جب ہوا جوش جنوں صحر اکادھیان یا مجھے
اک نے را بھی تو نے لے ظالم نہ دیکھا اس طرف
کیا پریشانی ہوئی کاکل کو دیکھا خواب میں
سوزش ہجراں سے لے جو زلف دل لال سرا

میں نے آئینہ اگر تجھ کو دکھایا ہوتا
گرتے گرتے خار و خارا پر سنبھل کر رہ گیا
انتظاری میں تری میں ہاتھ تل کر رہ گیا
خوشے اُسکے ہمارا دل دہل کر رہ گیا
موسم کا شاید فتیلہ تھا کہ جل کر رہ گیا

آرزو دل کی یہی ہو دلربا آجائے اب
پانی برس رہا تھا کہ بجلی چمک پڑی
کون ساری عمر اُسکے ہجر کا غم کھائے اب
میں زار زار رونے لگا مسکرائے آپ

شفق پھولی ہنسلی پر تمھاری
سکتہ تھا مجھ کو شیش محل میں جو آیا یا ر
حنا تو نے لگائی آج کی رات
آئینہ بھی تھا ششدر و حیراں تمام رات

شکوہ نہ فلک کا نہ گلہ یا ر سے کچھ ہے
ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہی تقدیر کے باعث

تمھارے عشق کے سود میں سر بھرا ہوں
ہمارے دوست گلہ کرتے ہیں وطن میں آج

کبھی دکھاتے ہو منہ اور کبھی چھپاتے ہو
سے گا کون تمھارا ظلم اور بیداد

شفا میں فرق زمین آسماں کا ہوتا ہے
علیل صحن میں ہے اور بام پر تعویذ

چاند بادل میں چھپا ہوا درحقیقت برق ہے
رنگ بوقلموں کا اپنے ساتھ لائی ہی بہار

بے برگی جو زلف کا خیال اُسکو جو آ یا بیڑا بھی مرے ہاتھوں سے کھایا نہیں ہرگز

ہے سامنا تو جان کا جو زلف خدا بچائے اٹکی ہے اپنی آ کے جو خوشخوار سے غرض

شبہم کی نیستی کے لئے ہر چاہئے ہستی ابر کیلئے ہر دم دھواں ہی شرط

فرقت میں اب تن تری گھل گھل کے اے صنم روشن ہو دل پہ میرے ترے عشق کا چراغ
لاغر کو فی دنوں میں میں ہوتا ہوں مثل شمع جل بجھ کے اپنی جان کو کھوتا ہوں مثل شمع
کیا تری تیغ نگہ ہے بے غلاف آتی ہے بوسے شوق مری پوستین سے
دامن میں آستین میں ہر تار میں ہی شوق

ایسی کھنچی ہے ابرو کہ کٹ جاتی ہے نظر نظارہ گر پہونچ گیا ابروے یار تک

ہر اک طرف کو شفق سُرخ سُرخ پھولی ہے کہو تو تختہ لالہ ہے یا چین میں آگ

جو داغ ہی سینے میں رہ جلتا ہے شبِ روز اور گھاؤ کے مانند تپکتا ہے مرا دل
جو رستم عاشق پہ کیا کرتے ہیں معشوق مجبور ہے کچھ کہہ نہیں سکتا ہے مرا دل

ہر درد و غم کے مجھ کو نہ راحت کبھو ملی دنیا ہمارے واسطے عشرتِ سرا نہیں
دن رات جستجو میں ہے جو زلف خراب حال پر اُس ہمارے اوج کا ملتا پستائیں

۱۴۴
ہمیشہ مثل بوستلوں نیا وہ رنگ لاتے ہیں یہ رنگینی ہی انکی روز اک جوڑا بدلتے ہیں

مر جائے عشق میں پر دل نہ دیجئے دل دیکے میں صدمے بہتے اٹھائیں

شریعت میں تیری ہچکیاں لیتا ہوں آپیار ہوا معلوم مجھ کو آجکل تم یاد کرتے ہو

جو قدر عشق کی دریافت تجھ کو ہو وکے جو زنت تو کر خدمت فقیروں کی جہا نہیں مٹو کمال کو

پھنسا ہی دل فرشتوں کا بھی دیکھو حسن آدم پر مرے خالق نے بخشا ہی یہ رتبہ صرف انسان کو

حنا ہاتھوں میں تیر دیکھ کر دل سے صدا نکلی کسی کی آتش بھراں میں سینہ میرا جلتا ہے
شفق سے نیچے مر جاں ملائے جسکا جی چاہا اب اس جلتے ہوئے دلوں جیسا جسکا جی چاہا

جو جو ستم کرے گا وہ سب ہم اٹھائیں گے ہرگز زباں پہ جو رکاشکوہ نہ لائیں گے
ناحق کی مت کیا کر دو جو زنتوں سے پھیڑ تم ایک بھی کہو گے تو وہ دس سنائیں گے

بلا سے کو رہو لے مہر تاباں تیرے تگنے سے جمال یار سے کب عاشقوں کو آنکھ پیاری ہے

آنکھوں نے اسکی دن کو دکھایا مجھے طلسم بل لائی رات کا کل بیچاں تمام رات

ہجر میں یار کے میں بڑیاں گمڑوں کیتک نہ تو میں مہر تاباں ہوں نے میری قضا آتی ہے

بھولا لیکتا ئی کو ہے وہ اپنی
 عشق کی تپ چڑھی نہیں مجھ پر
 تو تو بیزار مجھ سے تھا ساقی
 دھیان اپنا فلک پہ رہتا تھا
 گاہ شیریں کام رہتا ہوں گے میں تلخ کام
 کیا مزہ دیتی ہے دل کو آشنائی آپ کی

رحم آیا نہ بے رحم کو نالے پہ ہمارے
 اک آہ تھی جو سینے سے سو بار نکالی

مجھے منظور تھا منصور کے مانند مرجانا
 کہو تو سرکشی ہم دار سے کرتے تو کیا کرتے

تری تیغ نگہ کو دیکھ کر بے موت مرتا ہوں
 نہ تو جسم میں زور نہ ہاتھ میں زور نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

تو ہی کہہ فلک کہ میں جاؤں کدھر نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
 تری شکل و شمائل کو کہاں پوچھتا ہی کہ ہے تو اک طرف اور اک طرف ساری خدائی ہی

متفرقات

کھلی خوابِ عدم سے آنکھ تو سارا جہاں دیکھا
 یہ دنیا کے مکس ہیں جسکو دیکھا لا مکاں دیکھا

چہرے سے نقاب کج اٹھایا نہیں جاتا
 مشتاق کو خسار دکھایا نہیں جاتا

قطعہ

ان دنوں غیر پہ جو لطف کرم دیکھتے ہیں
 ہم سے رہتا ہی بگاڑ اور رقیبوں سے ملاپ
 ہے جو شیدائی تمہارا اُسے کم دیکھتے ہیں
 یہ تو دشمن بھی نہ دیکھے گا جو ہم دیکھتے ہیں

مجنس بر غزل سید محمد اکبر شاگرد مولانا وحید

پُر غبار اُسکار ہے میری جانب سے جو دل خود بھی کھپتا تا ہوں کیوں سپہ ہوا میں نائل
اُس پر مڑتا ہوں جو ہی حال سے اپنے غافل زندگی سے جو ہوئی گرد و کدورت حاصل
بل گئے خاک میں ہم خاک کے پیدا ہو کر
کیا کہوں حُسن میں کامل ہی جو وہ غیتِ راہ پر تو حُسن ہی عاشق کیلئے مشعلِ راہ
جمعِ واں بہتے ہیں عشاق بھی شام و بگاہ جان لیتی ہے اگر تیر قضا بس کے نگاہ
زندہ کرتے ہیں لبِ یار سیما ہو کر

مدرس

کبھی گلزار میں جاتا ہوں کہ پہلے مراد دل کبھی کوچے میں ترے پھرتا ہوں نہیں اک قاتل
ہی کرتا ہوں دعا ہوئے تمنا حاصل وصل ممکن ہی نہیں ہی جو رہے تو غافل
پھینک دو نگاہیں اُسے چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

ترے فراق میں جو زلف ہوا ہے آوارہ صبا بلطف بگو آں غزالِ رعنا را
تڑپ کے رات گزاری کٹا ہے خون سارا کہ سر بکود و بیا باں تو دادہ مارا
پسند آئے ہیں لے گل تجھے مرے نالے کہ پریشانی نہ کنی عندلیب شیدا را
مجھے اسیر کیا زلفِ خال دکھلا کر بہ دام و دانہ بگیرند مرغِ دانا را
چلے شراب جو ساقی بہار میں اب کی بیا د آر محبتان بادہ ہمپا را
نہیں ہو خاکِ شینوں پہ لطفِ رحمِ اصلا سہی قدان سیہ چشم ماہِ سیما را
ہے اُنکے نغمے کے جو زلف کو وجد کا حافظ
سماع زہرہ برقص آور دسیما را

سدا ہے آنکھ سے عاشق کے اشک یاں جاری
تجھے بناؤ سے زلفوں کے ہر کہاں نصرت
یلا شراب اب بس نازنین کو اسے ساقی
ہم اپنے ملت مذہب کو تجھ پہ چھوڑ دیا
ہزاروں تیر کی صفت تیری ایک مژگاں ہے
ستم ہمیشہ اٹھاتے رہو حسینوں کا
جو ان سے مانگے بوسہ تو ہنسکے کہتے ہیں
ملا ہے پھول یہ حافظ کے بلغ سے جو زنت
چہ غم زنا لہ دستریا دبا غباں داری

ڈکاسٹ (کلکتہ)

کل ہم تمہارے کوچے میں آئے چلے گئے
کیوں دل سے شاد ہو دین ہم دست و سنو
کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا
وہ باغبان حسن جو آئے تو کل ادھر
ٹک طرف میرے دیکھ کے جھٹ جتوڑوں کو پھیر
ہم ہی فقط ہیں دل جو گنوائے ہیں رنہ سب
کل اس پری کی بزم میں سب مل کے بر ملا
تیری غزل ڈکاسٹ گائے چلے گئے

ہو رسائی مجھے گرتا بہ کنایہ دامن
جس طرح صید ہو فتراک میں صیاد کے بند
صفحہ دل پہ کردوں ثبت بہارِ دامن
مرغ دل اپنا ہے اس طرح شکارِ دامن

سہ نزاکت یہ کمر میں کہ کروں کیا تشریح
ہو دو تا گر پڑے اُس پر کہیں بارِ دامن
کمر دل کے اُپر رشتہ زنا کی طرح
باندھوں اُس بُت کا ملے گر کوئی تارِ دامن

کیوں نہ ڈی کا سٹا ہوں مانی و ہزا دھیراں
اُس نگاریں کا اگر دیکھیں نگارِ دامن

حال شیشے سے جو واقف کبھی حنا ہوتا
سنگدل نرم صنم تب یہ تمہارا ہوتا
جس قدر زخمِ دل زار پہ ہیں مڑگاں سے
اس قدر ریش نہ ہوتا کبھی آرا ہوتا
رنج و غم قمر و محن ہم نہیں سہتے یارو
عصمتِ شوخ اگر یار ہمارا ہوتا
دامِ کامل میں گرفتار نہ ہوتا جو یہ دل
کنجِ الفت کے میں کبت کا سدھارا ہوتا
موج زن زورقِ دل پناہ ہوتا دایم
بحرِ الفت کا کہیں آہ کسارا ہوتا
مانگتے تجھ سے دوا ہم نہ کبھی لے پیاسے
مرضِ ہجر کا جر و صل جو چارا ہوتا
قصہ غم تو فلک اُسکو سناتے جا کر
کوچہ یار تک اپنا جو گزارا ہوتا
دجاہِ قمر میں ہم غرق بھلا ہوتے کیوں
ساحلِ مہر کا گر ہم کو سہارا ہوتا
پھر بھی ہم کھیلنے تم سے یہ قمارِ الفت
نقدِ دل پہلے ہی ہم نے جو نہ ہارا ہوتا
مرغِ دل اپنا تو پرواز ہوا پر کرتا
پھندا الفت کا جگر پر جو نہ مارا ہوتا
گریو آہ و فغاں کیوں بھلا کرتا تو دلا
دشمنِ جان اگر اپنا نہ پیارا ہوتا
کلبہ تار میں جاس تو بھلا ہوتے کیوں
بخت تیرہ کا جو روشن یہ ستارا ہوتا

دل پر اگندہ غم جسے ہوتا نہ کبھی
بر میں ڈی کا سٹے کے گروہ دل آہوتا

انتخاب کلام جان ڈکا سٹہ سیف کا سگنج

ہوا شیدا ہوں جب سے مصحفِ خسارِ جاناں کا
کیا کرتا ہوں میں دن رات تیرے وردِ قرآن کا
تڑپتی رات دن ہی برقِ جوابِ بندامست میں
اثر کچھ پڑ گیا ہے اس پہ میری آہ سوزاں کا
کیا ہو قتل تو نے ایسی برجمی سے اک قاتل
چھٹے گا حشر میں بھی یہ نہ دھتباتیرے داماں کا
میں ہوں وہ سیف آئے سلتے کس کا یہ زہرہ ہر

پتہ ملتا نہیں ہوا اب کہیں سام و نریاں کا

کہیں کا میں رہا جب سے تو شباب آیا
خراب کرنے مجھے خانماں خراب آیا
گیا وہ پردہ نشیں سیر کو جو دریا پر
تو خیمہ بننے کو اُس کا ہر اک حباب آیا
جب آیا منہ کو کلیجہ حبلا بھٹنا میرا
زباں نے چکھ کے کہا واہ کیا کباب آیا
سمندرِ ناز پہ وہ شوخ جب سوار ہوا
ہلالِ عید بنگلہ کر پئے رکاب آیا
قیامت اور قیامت میں ہو گئی برپا
وہ شوخ عرصہ محشر میں بے نقاب آیا
خجل سا ہو کے لگا ماہ اُس سے کترانے
سنور کے سامنے جب میرا آفتاب آیا

خوشی سے سیف جھکائے ہی سر کو قتل میں

سمجھ کے یہ کہ دعا کا مری جواب آیا

تار یکے جہاں مری آنکھوں کے سامنے
لے دل خیالِ زلف کی تا ثیر دیکھنا
کیا سجدہ گاہِ خلقِ خدا نے بنائے بُت
ان پتھروں کی کتنی ہے توقیر دیکھنا
رکھا سر اُنکے پاؤں پہ وہ پر جبیں گھسی
بھوٹی کہاں کہاں مری تقدیر دیکھنا

اس جال میں پھنسا کوئی تازہ شکار آج
خون کی جگہ نکلتے ہیں دل سے شرار آج

زلفوں کے پیچ و تاب میں آیا قرار آج
اللہ کے سوز آتشِ سینہ کہ وقتِ فصد

چمکائی برق تیغ رقیبوں پہ سیف نے
ان بزدلوں کو آئے گا بیشک بخار آج

اب تو نہ تڑپ بہر خدا لے دل ناشاد
دکھلاؤ جو تم بام پہ آکر رُخ روشن
صحر میں نہ ٹھہرانہ ترے کوچے میں ٹھہرا
بیٹابی میں گزے ہیں مرے آٹھ پہر آج
دنیا کی نگاہوں سے گریں شمس و قمر آج
ہبکا ہوا دل میرا یہ جاتا ہے کدھر آج

اپنے جامہ سے تو ہو عاشق مضطر باہر
وحشتِ دل نے ٹھہرنے نہ دیا ایک جگہ
میں وہ سرگشتہ صحر آجنوں ہوں پس مرگ
کب کوئی رہ کے وطن میں ہوا اپنے ممتاز
آپ غر فتنے نکالیں نہ کبھی سر باہر
تاسحر شام سے پھرتا رہا اندر باہر
خاک لڑا کی مری مرقد سے نکل کر باہر
قدر کیا جب کہ صد فتنے ہو گوہر باہر
ہے ہر اک شعر تراکانِ لطافت لے سیف
سُنکے جامہ سے نہ کیونکر ہو سخنور باہر

کیا ہی قتل کن بید دیوں سے تو نے ای قاتل
اکہی خیر ہوا بے دیکھے کس کس کو ڈستے ہیں
پنہا میں بڑھیاں خنوں کی جسدِ م تیغ قاتل نے
بہار آئی تو کپڑے پھاڑنے کا شغل پھر سوجھا
پڑیگا ہاتھ میرا روزِ محشر تیرے داموں پر
یہ کانے کھیلے رہتے ہیں ہر دمِ دش جاناں پر
خوشی سے تنگ جامے ہو گئے جسم شہیداں پر
کبھی ہی ہاتھ دامن پر کبھی چاک گریباں پر

ہمیں اس معرکے میں دیکھ لینا سر خرد ہو گئے
کرینگے سیف قبضہ ایک ن ملک صفا ہاں پر

جان دی ہجر میں کس شوق سے شیدا ہو کر
تن عریاں بھی عجب حق نے عطا فرمایا
سیف وہ تیز زباں ہی کہ جہاں میں سکا
اب تو اعجاز کو دکھلاؤ سیما ہو کر
جسم سے کس کے یہ اتر کبھی میلا ہو کر
سامنا کر نہیں سکتا کوئی گویا ہو کر

رواں ہے کشتی عمر اپنی بحیرہ ہستی میں
 بنا ہے آئینہ ہر نقش پا بوقت خرام
 کسی کے عشق میں ہوں ناتوان زار ایسا
 خدا کی شان کہ اُس نے بھی دل کسی کو دیا
 یہ دیکھنا ہے کہ ٹھہرے کہاں کے بند پر
 وہ شاہ حسن ہی فوق اُسکو ہے سکندر پر
 نظر بھی میں نہیں آتا کسی کو بستر پر
 خدا کی شان ستم اب ہوے سنگمر پر

دل لیکے پھر بھی بانگنتی ہے بار بار دل
 ان گلرخوں کے ہجر میں گل کھائے اسقدر
 آئے ہیں دیکھنے وہ دم نزع دیکھنا
 اک دل کو بھی عزیز نہ رکھتا بتوں سے میں
 اب دوسرا بتا ہے کہاں چشم یا دل
 رشک چمن ہوا ہی مرا پڑ بہار دل
 شکر خدا کہ میرا ہوا کا مگار دل
 ملتے اگر خدا کی طرف سے ہزار دل

اے سیف یاد ابروے جاناں کے فیض سے

شمشیر آبدار ہے یا ذوالفشار دل

کیونکر چھٹیں گے یار کی زلف و تاسے ہم
 ان سنگدل بتوں پہ ذرا بھی اثر نہیں
 مہنتے کبھی نہ باغ جہاں میں بسان گل
 دن رات ہجر یار میں رہتے ہیں بیقرار
 تنگ آگئے ہیں اب تو ہجوم بلا سے ہم
 عرش بریں ہلاتے ہیں آہ رسا سے ہم
 واقف جو ہوتے کچھ بھی یہاں کی ہوا ہم
 کچھ کم نہیں ہیں طائر قبلہ نما سے ہم
 قاتل کے آب تیغ نے سیراب کر دیا

اے سیف اب نفور ہیں آب بقاء سے ہم

اب تک اڑا ہے جو دھوئیں آسماں کے ہیں
 بے منت شراب جو رکھے مدام مست
 دل میرا چاک چاک ہے اُس مہ کے عشق میں
 یہ سب غلط زمیں پہ ہوا فلاک کا گماں
 نالوں کے دیکھیں درارے کہاں کے ہیں
 خدمت گزار ہم اُسی پر مغاں کے ہیں
 انجم بھی جس کے سامنے ٹکڑے کتاں کے ہیں
 چھائے ہوئے دھوئیں مری آہ و فغاں کے ہیں

بوسے کے بدلے جس سے ہمیں گالیاں ملیں مشکور ہم جو ہیں تو اُسی بد زباں کے ہیں

جس طرح کہ مہتاب کو خورشید سے ہو نور
گلشن میں عجب کیا جو نیا گل کوئی کھل جائے
خورشید کو بھی عارض تاباں سے ضیا ہو
بوسے گل رخسار اُڑائی صبا ہو

اے شہ خوباں نگاہِ لطف سے دیکھے جو تو
ہستی ہو ہو م کا میری بھلا کیا ذکر ہے
نگاہِ قیس سے لیلے کا ہے لطف
لگاتے کیوں نہیں ہو تم اُسی کو
دیوانہ ازل ہوں تو کرتا ہے پند کیا
اُلٹی نقاب چہرے سے آکر جو بام پر
رحمت کو اپنی دیکھ نہ میرے گناہ کو
بادشاہ وقت سب تیرے گدا ہو جائیں گے
ایک تو باقی رہے گا سب فنا ہو جائیں گے
تمہیں دیکھے کوئی میری نظر سے
نہیں کچھ سیف کم تیغ کمر سے
ناصح خبر نہیں ہے تجھے میرے حال سے
آئے مجھے نظر ترے ابرو ہلال سے
یہ روز و شب عا ہے مری ذوا بجلال سے

دشمن کر گیا کیا جو رہا فیض حق یہی

ڈرتا نہیں ہی سیف نریاں زوال سے

سگ کوئے صنم کے شور کو بھی گرسنا میں نے
نہ رکھتا تار بھی باقی لباسِ بسمِ عریاں کا
بڑھی ہیں بہر استقبال تن سے ہڈیاں میری
اُڑائیں خوب ہی جوش جنوں نے دھجیاں میری
وہ جو دتہ بہن میں اک سیف خالق نے عطا کی ہو

طبیعت دیکھ کر میں دنگ سا رہے نکتہ دان میری

عیاں ہو گی ہماری بیگناہی تیرے خنجر سے
بتو اس خود نمائی کی ملی آخر سزا تم کو
گرینگے اشک خوں قاتل مقرر چشم جو ہر سے
کہو کیسے نکلو اے گئے اللہ کے گھر سے
ہٹا لو زلف شبگوں کو تم اپنے روڈ انور سے
گہن کے دھوکے میں کرنازیں پڑھ لیں اپنے

اتنی خیر ہو دیکھیں یہ ہم کو بھی نہ لے ڈوبے اٹھا ہی اس طرح طوفان اپنے دیدہ ترے
 میں ہوں اے سیف تیغ ابروئے دلدار کا کشتہ
 مناسب ہے تجھے دین غل احباب آبِ خنجر سے

زاہد کی ہے یا شیخ کی معلوم نہیں ہے ہاں رند لے پھرتے ہیں دستار کسی کی
 ہر گام پہ فتنے ہیں کہ اُٹھتے ہیں برابر اللہ قیامت ہے کہ رفتار کسی کی

بنکے وہ نلیم پری اک دن چڑھے تھے بام پر جبے زنگت آسمان کی آسانی ہو گئی
 موت جب شاہوں کے پاس آتی ہے کہتی ہی ہی آئے بس آپ کی اب حکیمانہ ہو گئی
 ہر حسین پر مڑتا پھرتا ہوں جواں ہونے کے بعد باولی کیا میرے پاس آکر جواں ہو گئی

فرائسی نسل کے شعراء

شعراء خاندان فانتوم :-

(۱) جارج فانتوم - جرجیس و صاحب

(۲) جان فانتوم - شایق

(۳) الفرید فانتوم - صوفی

(۴) جوزف لانیل فانتوم عرف بے صاحب

(۵) بتارز برہان عرف شہزاد میخ فطرت

(۶) بتارز اسیر دہلوی

(۷) ٹولس لیروا - توقیر

(۸) جوزف لیروا - ذرہ

(۹) ٹولس پیٹرک لیروا - توقیر

(۱۰) جارج پیش شور

(۱۱) ولیم جوزف برویٹ - ولیم

(۱۲) ولیم برویٹ - ولیم

(۱۳) یوسف صاحب عاشق بھوپال

انتخاب دیوان صاحب

(جارج فانتوم)

جب تغافل کو وہ کافر کام فرمانے لگا
مقدم جاناں کی سُکر واہری دل کی تیش
ہم جو کہتے تھے کہ صاحب ہڈ بڑا عیار ہے
نہیں آشفستہ رنگ اور بو کا
بسکہ ہے محو دیدار یہ دل
ایک غمزے میں کر دیا بیہوش
تیری کس کس ادا کا کشتہ ہوں
ہے یہ درویش تشنہ دیدار
جب دوئی درمیاں سے دور ہوئی
دستبرد شوق سے پردا دوئی کا جب اٹھا
سر سے لے پاؤں تلک اک نور کا بگاسا ہے
اب اٹھاتا ہوں نہیں اس پاؤں پڑی لفت کے ہاتھ
چشم کیفی نے کر دیا مدہوش
تجھ کو یوسف کے دوں جو میں تشبیہ
حسن تھا یار کا کہ اے صاحب
ومن کو جیتے تیری تو کیا عجب لے تل
ہوا ہوں دل متعل کسی کی چاہست کا
دل اُسکی بھولی سی صورت کو دیکھ کر مت بھول

دمدم تن سے مرے جی سا نکل جانے لگا
پاے بوسی کے لئے بر سے نکل جانے لگا
آخر شہ دیکھا نہ کیا کیا ظلم دکھلانے لگا
میں تو دیوانہ ہوں تیری خو کا
آئینہ بن گیا ہے زانو کا
سیکھا آنکھوں نے کار جادو کا
دلربائی کا ناز کا خو کا
کام درماں کا ہے نہ دارو کا
مختصر قصہ ہے من و تو کا
راز سربستہ سے سینہ صاف محرم ہو گیا
جسم تیرا میری جاں نور مجسم ہو گیا
تیری خود بینی سے اپنا ناک میں دم ہو گیا
نشر تھا یا سرور تھا کیا تھا
وہ پری تھا کہ حور تھا کیا تھا
نور حق کا ظہور تھا کیا تھا
کہ ہم نے پہلی ہی بازی میں اُس سے دل ہارا
کیا ہی ہم نے بھی قائم ہو سوا پارا
اسی فریب کے لاکھوں کو اُس نے سے مارا

نہ دل رہا نہ صبر رہا اور نہ دین رہا
عشق بتاں میں کچھ بھی تو باقی نہیں رہا

لو داغِ معصیت پر تھیں عواشکِ ندامت سے
بے گوشِ قبول اُس نے نہ اب بہتر گھر پایا

کششِ آہ سے کہنے لگا اللہ اللہ
نگہت کیسے دلدار نہ لائی مجھ تک
عبرت افزا ہے دورِ نگئی زمانہ صاحب
قامتِ سرورِ داں جس نے ترا دیکھ لیا
چلتی پھرتی ہو تجھے بادِ صبا دیکھ لیا
آن کی آن میں کیا حال ہوا دیکھ لیا

میں بھی فرزندِ سپاہی ہوں نہیں ڈرنے کا
عشق میں اُس آفتابی حُسن کے
لگ گئی کس تیرہ باطن کی نظر
سنگدل پر کچھ نہ کی تاثیر آہ
وہ دلربا جو آپ سے مائل ادھر ہوا
تنجِ ابرو نہ بہت اسے بُتِ رعنا چمکا
رازِ پنہاں آفتابی ہو گیا
چاند سا مُنہ آفتابی ہو گیا
گر یہ اپنا نقشِ آبی ہو گیا
میرے ہی جذبِ دل کا یہ شاید اثر ہوا

طلسم ہو گیا گھونگھٹ کے مُنہ سے ہٹتے ہی
جو نصفِ ماہ تھا دم میں مہ تمام ہوا

کیوں میکشوں کو الفتِ بارش سے ہنوساتی
بارش ہی صاف جس دم لفظِ شراب اُلٹا

میرے دامن سے ہو کیونکر یہ تن زار جدا
تفرقہ ڈالا ہے کیا چرخِ جفا پیشہ نے
میری جاں گل سے بھی ہوتا ہی کہیں خار جدا
میں جدا یا رسے ہوں مجھ سے دلِ زار جدا

برنگ بڑے گل شگفتہ نہیں گرائی شعار اپنا
 نہیں ہوا فوساں سستگر کے دل پہ کچھ اختیار اپنا
 نگاہ کس گل کی مجھ سے بدلی جو پھر گئی ہو چہرہ چمن کی
 ہوا گلشن کے بھلا ہو سر شگفتہ سے چمن کھلا ہو
 ہر جہاں پناصلالت اپنی نتیجہ اسکا ملالت اپنی
 کہاں مفرد رکھاں ہو مامن کیوں نشان چمن اور
 اگر وہ رہتا ہو ہم غافل لگائیں کیوں اس اپنا سم دل
 وہ شوخ ہم سے اگر خفا ہو نہیں ہمیں اسکا کچھ گلہ ہے

نیم آسا کبھی نہ ڈالا کسی کے کاندھے پہ بار اپنا
 کہ جس نے تاراج اک نگہ میں کیا ہو صبر قرار اپنا
 نہ غنچہ اپنا ہی آج کوئی نہ گل ہے اپنا نہ خار اپنا
 بہار لالہ دکھا رہا ہی یہاں دل دا غدار اپنا
 ہو عقل اپنی کفالت اپنی شعور اپنا شعار اپنا
 ہوا ہو وہ شخص اپنا دشمن جسے سمجھتے تھے یا اپنا
 کرے وہ کیوں کا مرد عاقل کہ جس سے ہو کم وقار اپنا
 شعار اسکا اگر جفا ہو وفا ہو صاحب شعار اپنا

اگرچہ دشمن ہو چرخ گرداں نہیں ہوں صفا مگر ہراسا
 کر چکا مشکل کو میری آساں یقیں ہے پردگار اپنا

فدا گو کہ تجھ پر میں ہر دم رہا
 نہیں چھوڑنے کا قدم آپ کے
 تبسم نہ کر اپنی ہستی پہ گل
 جسے جب تک یاس و اُمید کا
 مرے پر خوشا کوئے خوابیدگاں
 دل جاں سے گو تیرا عاشق ہوں میں
 ترے دل میں شک مجھ سے ہر دم رہا

کری اپنے صاحب کی تو نے نہ قدر
 ہمیشہ سے مجھ کو ہی عنسم رہا

خواب خیال ہو گئے پیری میں سب مزے
 اے عمر رفتہ یاد جوانی کی مت دلا

میں بھی سمجھوں ہوں تری دم بازیاں حیلہ جو
 توجہ دل کھنے کو میرے پاس دم بھر ہو گیا

مقدور میں جو کچھ تھا پیش آیا اور آدے گا
 دل کسی سے لگا یوں نہ کبھی
 اس کا انجام آپ نے دیکھا
 غم سے ترے کبھی نہ افاتہ ہوا مجھے
 موجود ہے خیال میں ہر دم تو رشک گل
 جرحیں تجھ سے جلتا رہا جو کوئی عدو
 ملتا چوری چھپے سے وہ بیشک
 ایک مجھ سے جدا نہ ہوتا وہ
 خدا کرے نہ ہو مجھ سے وہ خود پسند جدا

نہیں ملتا ہے اے جرحیں یہ تقدیر کا لکھا
 تھا نہ جرحیں یہ کلام مرا
 لیجئے حضرت اب سلام مرا
 دل تیرے درد عشق میں بیمار ہی رہا
 دل میرا تیری یاد میں گلزار ہی رہا
 اللہ کے کرم سے وہ فی النار ہی رہا
 گر کوئی اس طرح کا ڈھب ہوتا
 اور ستم دل پہ میرے سب ہوتا
 کسی کا ہونے کسی سے نہ درد مند جدا

عشق میں اور تو کیا خاک تھا حاصل ہوتا
 ایک بدنامی تھی قسمت میں سو بدنام رہا

سو گئے پانوں مرے جبکہ بلایا اُس نے
 صبح وہ رُخ تھا تو تھا کیا تھا
 جذبہ دل نے دم میں کھینچ لیا
 اتنی کیسا یہ نیل بگڑا ہی گردش چرخ نیلگوں کا
 عبثے نقش و نگار دنیا پر مثل اطفال دل لگانا
 شمار عمر رواں جو دیکھا تو ہم رنگ رواں ہے
 دو چند ہوتی ہی عمر پیری میں حوصلہ کی یہ باج ہے

بخت جاگا تو مجھے لغزش پانے مارا
 جلوہ کوہ طور تھا کیا تھا
 مجھ سے وہ گو کہ دور تھا کیا تھا
 جو بخت اثر و کس طرح اس میں بھی تلک انقلاب آیا
 کہ جسکے نقش کا عدم کو برنگ تحریر آب پایا
 جو زندگانی پہ آنکھیں کھولیں قصا و مثل حباب پایا
 نہیں جوانی میں جس نے صاحب لطف عمر شباب پایا

دیدہ عاشق ہی چپاں حیرت پا بوس میں
 گرم رفتاری سے تیری یہ نہیں بتخال یا

ازل میں حسن و محبت کو جبکہ ساز دیا مجھے نیاز دیا اور تم کو ناز دیا
 نیاز مند درِ بے نیاز ہوں صاحب کہ جس کسی کو دیا اُس نے بے نیاز دیا
 پوچھا جو مجھ سے یار نے تیرا صنم ہے کون دل آ کے اُس کے روبرو آئیں بن گیا

ہے ترقیِ مدایعِ دلیری میں یار کو دل میں آ کر جاں ہوا اور جاں جاناں ہو گیا
 گر تو اندر کے اکھاڑے کی پری ہی میری جاں میں بھی اب تنخیر کو تیری سلیمان ہو گیا

خیر و شر میں بحثِ عبث ہے جب ہم عدل خدا ہاتھ صیا جو کچھ کیا کسی نے دیا ہی ہاے پاے گا

کیا دل کو دیکھتا ہے اے یوفا ہمارے تجھ سے نباہی اب تک ایسا ہے دل ہمارا
 کیوں عارفانہ تجھ کو مجھ سے ہی یہ تجاہل تو خوب جانتا ہے صیا ہے دل ہمارا

دوری مسافت سے مجبور ہوئے تو کیا مطلب تو نہیں حاصل ہوتا ہے کسی کا کچھ
 نزدیکی رہو دل سے گو دور ہوئے تو کیا خوبی میں اگر یوں تم مشہور ہوئے تو کیا
 دل سے تو نہیں میرے پوشیدہ ہو گئے تم سو پردوں میں تم جاناں مستور ہوئے تو کیا
 باہم دلوں میں رابطہ اتحاد ہے قاصد کا کام ہی نہ یہاں کچھ برید کا

تمہیں واللہ دل نہ دینا تھا مجرم صاحب سے ہو گیا صاحب
 ہے بکے نسبتِ لفظی شراب و بارش میں تو فصلِ بارش ہی موزوں ہوئی برکے شراب
 وہاں شرابِ ظہور ایساں مئے انگور ہی بادہ نوشوں کو دونوں جہاں میں جا شراب
 مصلیٰ مہوا تھا یہ حکم قاضی دیں کہ اس مہینے میں ندوں کے گھر نہ جلے شراب

کہ میکشوں کے یہاں پھر ہوئی ہو جاکشرب
ہر اک شرابی تو ہوتا نہیں سزا کے شراب

ہلال عید ہوا مژدہ باد پیر مغاں
شراب پینے کو بھی ظرف چاہئے صاحب

رہتا ہی آٹھوں پر وہ شوخ میر پاس اب
یاں ہے تسلیم اور رضا صاحب

ناحق نہ تو ہتیلی پہ سرسوں جما بسنت
لائی ہی اب کی سال شگوفہ نیا بسنت

ہشت گنج خسرو می جبر ہیں کو گویا ملی
تم میں ہے جور اور جفا صاحب

وہ زرد پوش تیرے نہ آئے گا دام میں
سرسوں کے پھول بھیجے ہیں اُس نے مزار پر

چاہ کنگاں کو ہے کیا چاہ ذقن سے نسبت
اور کے شعر کو کیا اپنے سخن سے نسبت

ایک یوسف ہوا وں قید یہاں خلق اسیر
میرے خالق نے رکھا مجھ کو زباناں صاحب

مل کر ہتیلیاں مہ انور تمام رات
لے رشک ماہ صورت اختر تمام رات
اور ہالہ وار کاٹوں میں چکر تمام رات

تیرا وہ مُنہ ہے جس کی بلائیں لیا کرے
کیوں چشم انتظار میں آنسو نہ ڈبڈبائیں
مصرف سیر ماہ ہو منزل میں اپنی تم

کیا صبا نے خزاں کو وہیں نثارِ بسنت
بہارِ عمر جو کہئے تو ہے بہارِ بسنت
ہوئی ہے رشکِ بہارِ ارم بہارِ بسنت

ہوئی چمن میں جو رونقِ فزا بہارِ بسنت
جہاں میں عشرتِ عیش و خوشی ہوئی ہر سو
ہوا جہان میں اُردی بہشت کا دورہ

یہ وہ رشتہ ہی ہے ہی جو رگِ جاں سے لپٹ
محبوب مت تو بہت فرقہ رنداں سے لپٹ

تار گیسوئے دلا ویز ہوا تارِ نظر
ایک دن زیب گلو ہو نہ یہ تیری دستار

خود بخود ہم سے خفا یا رہا کیا باعث
 بے خطا درپے آزار ہوا کیا باعث
 لطفِ جاناں تو رہا کرتا تھا مجھ پر ہر دم
 اب وہ دلدارِ دل آزار ہوا کیا باعث
 صحبتِ عاقل و دانا میں ہمیشہ رہ کر
 اے دل اب تو ہی نہ ہٹیا رہا کیا باعث

سمجھ کے شیفۂ مجھ پر کرے کیا کیا ناز
 طرح طرح کا بنا کر وہ خود پسند مزاج
 بجائے ناز تمہیں مجھ کو ناز برداری
 نہ کیجے مجھ سے رکاوٹ میں آ کے بند مزاج
 بلند نیز اقبال جن کا ہے صاحب
 خدا کے فضل سے وہ کیوں ہوں بلند مزاج

فراقِ یار میں شبِ غم صفت رُلا یا ہے
 نصیب کا شکے ہوتا تجھے نہ ہننا صبح

زبکہ عکسِ رُخِ یار سے مُنَوَّر ہے
 حریمِ دل کو نہیں اپنے حاجتِ مصلح

و فور قتلِ شہیداں سے اُسکے کوچہ میں
 زمیں ہوئی صفتِ مشہدِ شہیداں سُرُخ
 دمک رہا ہے وہ تنِ شبِ غم دوپٹے سے
 کہ عکسِ گل کا ہے شبِ غم میں یہ نمایاں سُرُخ

پردہ چرخ سے ہی جھانک رہا عید کا چاند
 ہر گرجہ پہ مری جانِ فدا عید کا چاند
 برسوں میں ہم کو نظر آتے ہو گاہے ماہے
 ماہِ رستم کو تو کہنا ہے بجا عید کا چاند
 کیا ترے ابروئے پر خم سے ہو روکشِ مہ نو
 مہرباں ناخنِ پا بھی ہے ترا عید کا چاند

جدا تجھی سے رہا میں تو مجھ کو اے جاناں
 کہاں کا عیش کہاں کی خوشی کہاں کی عید

جھڑکی و طعن و لعنت و دشنام و سرزنش
 سب کچھ ہر دل کو تیرے لئے میری جاں لہیڈ
 صحبت میں آنکی رہ کے ہوا ہوں میں خوش کلام
 ہو کیوں نہ مجھ کو مدح شہسیریں لباً لہیڈ

دل سارنق توڑ لیا ایک بات میں
 قربان میں تو ہوتا ہوں حضرت کے جوڑ پر

غم میں تیرے ہو گئے ہیں خانماں برباد ہم
 اب تو گھر آباد کر لے بت خدا کو مان کر
 امتحان عاشق صادق اگر محو جفا
 ہو تجھے منظور اُسکو عاجز اور حیران کر
 ہم وہ ہیں گر ایک سے سو آفتیں ہوں سب ہمیں
 آزما تا کیا ہے ہمو جان اور پہچان کر

ہمارے ہوں کامیاب میں صاحب
 ملیں ہم جو مجھے آکے یار اور نوروز
 نہیں مجھ کو خواہش حور عین مری دلبری کو اب لے حسیں
 تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس تو ہی ایک بس
 صاحب وقت بد میں کسی سے ہو ملتجی
 میری مدد کو صفدر خیبر شکن ہے بس

ارزد دل کی ہوئی ایک نہ پوری افسوس
 دل کی دل ہی میں ہی یونہی ادھوری افسوس
 نسخہ دل کی نہ تحصیل میں مصروف ہوا
 عمر ضائع کری پڑھ کنز و دست دردی افسوس
 پیر و نفس رہا وادی الفت میں یہ دل
 معنوی چھوڑ ہوا مائل صوری افسوس

پھراتی ہو ہیں چشم بت بے پیر کی گردش
 نہ کچھ طالع کی ہے تقصیر نے تقدیر کی گردش

کس طرح بنے دیکھیے اُس شوخ سے صاحب
 میں تند مزاج اور وہ پر کالہ آتش

آپس میں کس طرح سے کہیں ہو کے ایک دل
اب مجھ سے تم کو یا تمہیں مجھ سے نہیں غرض
تیری خوشی کا بندہ ہوں اے حضرت کریم
دوزخ سے یا بہشت سے رکھتا نہیں غرض

تل تک نہیں ہی غیر محل اُس کے چہرے پر
اس مصحف شریف میں نقطہ نہیں غلط

کوئی نہ بحر محبت میں غرق مجھ سا ہو
کسی پہ گزرے نہ یہ ماجرا خدا حافظ
خرام ناز پہ ہے عزم یا ربم اللہ
قدم قدم پہ ہے سو خدا حافظ

سوز پر دانہ پہ کیا کیا دل جلا کر روئی ہے
چاہئے تجھ کو صلہ میں موتیوں کا ہار شمع
عشق کامل ہو تو ہو معشوق بھی عاشق صفت
سوز میں ہی کار پر دانہ سے مشکل کار شمع
عمر پیری میں فرد کر آتش شوق شباب
صبح کو دستور ہے کرتے ہیں گل ہشیار شمع

عیش کی تکمیل کو لازم پڑا ہے جز و رنج
تانا سوزِ دل ہو حاصل ہونہ روشن رو شمع
پر تو نور تجلی شمع ہے صاحب تو بس
شکل انگشت شہادت ہے یہ دو دروے شمع

کس سرگین نگاہ کا دل پر لگا ہے داغ
مردم کی شکل خال سویدا بنا ہے داغ
قید فرنگ، ہجر صنم، اضطراب دل
کیا کیا فلک نے داغ پہ مجھ کو دیا ہے داغ
اس حسن عارضی پہ نہ کیجئے بہت گھمنٹ
خورشید و ماہ کو بھی فلک پر لگا ہے داغ

ہر سرد تیرے ہجر میں مجھ کو ہے شکل آہ
مانداژدہا ہی ہر اک مجھ کو جوئے باغ

باغ جسکے رُخ گلگوں کے تصور سے ہر دل کیوں صاحب کرے اُس شک چمن کی تعریف

کھینچے ہر شوق کو چہ دلدار کی طرف
تبسج کی طرف ہوں نہ زینار کی طرف
صراف حُسن ہوئے ہیں بازار کے حسیں
دل خوش غریب کا نہ کیا اک نگاہ سے
ہوگا کبھی تو اُسکا بھی ہاں قلب انقلاب
دیکھوں ہوں میں بھی گنبدِ دوار کی طرف
بلبل کو جانا چاہئے گلزار کی طرف
مذہب کے عشق میرا میں ہوں یار کی طرف
وُصلتے ہیں آپ صاحبِ زردار کی طرف
دیکھا کبھی نہ عاشق لاحِ پار کی طرف
دیکھوں ہوں میں بھی گنبدِ دوار کی طرف

صاحب یہ اشک گوہر گوشت قبول ہو

اللہ دیکھے چشم گہر بار کی طرف

کس طرح جلے سر سے مرا اب ہوائے عشق
پیدا کیا ہے عشق تو نا پید کر مجھے
ہاروت بھی اسیر ہے زہرہ کی چاہ میں
جب تک جیوں گا عشق کروں گا میں نا صحا
گزرے ہی جس کے دل پہ وہی جانتا ہی خوب
ملکِ عدم سے آیا ہوں نا صبح برائے عشق
میرے کریم اٹھ نہیں سکتی جفا کے عشق
آتی نہیں فرشتہ کو بھی کچھ دوا کے عشق
ہے عشق میرے واسطے اور میں برے عشق
ناگفتنی ہے کیفیتِ ما حیرا کے عشق

رتبہ بہت بلند ہے جبریس عشق کا

عاشق جو بوالہوس ہے نہیں ہی سزا کے عشق

یہ فرماؤ صنم ہم تم رہیں گے اب جدا کب تک
رہیگا درمیاں میں پردہ ماؤ شما کب تک

کیا مال مالِ زر ہی جو مانگے ہے مجھ سے تو
گو ہو فنا ہے یا رہے شرطِ وفا ہے یہ
جاہوں ہوں آپ تک بھی تجھے دیکھنے نہ دوں
حاضر ترے لیے ہی مری جان جاں تلک
اپنے ہی سے نبھائے ہوئے جہاں تلک
ہے بدگمانِ دل مراے جاں یہاں تلک

لَا تَقْظُوا كُوجَانِ كے مایوس کیوں رہو ن برباد گو فلک نے کیا خانماں تلک
بارہ برس میں پھرتے ہیں گھوڑے کے جا کے دن میرے بھی دن پھرینگے نہ صاحب کہاں تلک

زرد پوشی کی پھین دور سے دکھلا دکھلا میری آنکھوں میں یہ سرموں کا پھلانا کبتک

نہ مجھ سے تو متفر ہواے گل شا داب
اس آرزو میں کہ حاصل کبھی ہو پا بوسی
کہاں کمیت زمانہ سے ہمعناں ہو عسمر
وصال یار ہو صاحب سبک ہو بار فراق
پڑا جہان میں لازم ہے گل خار کا سنگ
ہوا ہوں چشم برہ بن کے رہ گزار کا سنگ
پیادہ کی نہیں طاقت جو دسوار کا سنگ
ہے کوہ سے بھی گراں دل پہ تظار کا سنگ

ہے بجا کہنا دہان یار کو گنج طلسم
بس وہی چاروں طرف اب مجھ کو آتا ہی نظر
وقت خاموشی ہے غنچہ اور وقت خندہ گل
سرمہ چشم صنم آیا گیا آنکھوں میں گھسل

مے زکوۃ حسن اپنے عاشق نا شا د کو
وقت بد میں کوئی بھی اپنا نہیں دیتا ہی ساتھ
لبے لب ملنے کی کیونکر آرزو دل کو نہ ہو
روز افزوں اسے پری پیکر ہے تیرا جمال
سایہ بھی جاتا ہی چھپ پانوں تلے وقت وال
ہی سویدے دل جبرجیس تیرے لب کا خال

کیوں نہ مجھ کو ہے اس ابروے خمدار سے کام
کعبہ و دیر سے ہم کو نہیں مطلب صاحب
جو سپاہی ہو اسے رہتا ہے تلوار سے کام
رند مشرب کو ہے کیا سبھ و زنا سے کام

جلوت میں غیر جاتے ہیں خلوت میں اسکی ہم
باطن میں ہم زیادہ ہیں ظاہر میں سب سے کم

دل کو تشبیہ ہے آئینہ سے
 دل کبھی آئینہ رویوں کو نہ ملے
 شیشہ و سنگ دل و دست صنم
 بقا کا اور فنا کا کچھ عجب عالم ہیاں دیکھا
 عجب ہیں سادہ دل ہم بھی طریق عشق بازی میں

زنگ آیا تو صفائی معلوم
 صورت عمدہ برآئی معلوم
 کانچ کی بیش بہائی معلوم
 جو مرتے ہیں وہ جیتے ہیں جو جیتے ہیں وہ مرتے ہیں
 وہ دم دیتے ہیں ہکوا و رہم دم اُنکا بھرتے ہیں

ہے دل اسفل میں اعلیٰ سے کدورت بیشتر
 دیدہ پر نعم میں دی ہے جا خیال یار کو
 ہے دل کم ظرف میں اکثر خباثت کا عبور
 رزق جب ہوئے نہ قسمت میں تو بیشک جاگرے
 تو ہے خوابیدہ شب کو اور بیدار آفتاب

بحر کی نسبت زیادہ ہے دخل تالاب میں
 دیکھو کیسا بسا یا ہے محل تالاب میں
 چونک کا دریائے زائد ہی خلل تالاب میں
 طشت سے بھوتی ہوئی پھلی اُچھل تالاب میں
 ڈوب مر شر مندی سے لے کنول تالاب میں

نزدیک دور پر نہیں الفت کا انحصار
 کیونکر نیاز و ناز کا سودا قرار پائے
 دل خانہ خدا ہونے اسکو کرد تباہ
 صاحب گمان بد نہ کبھی دل میں لائیو

جب دل ملے ہو ہیں تو کچھ فاصلہ نہیں
 میں ہاں کہوں تو کہتا ہے وہ دلربا نہیں
 اے کافر و ذرا تمہیں خوف خدا نہیں
 معشوق با وفا ہے ترابے و فانی نہیں

دلوں میں ربط نہ جب تک ہو کیا کسی سے ملیں
 جو ہم سے دل سے ملے ہم بھی اُس سے جی سے ملیں

آخرش پریش کر گیا کوئی تو روزِ حبرا
 اہل صفت اور فضیلت میں بسا تنا فرق ہے

جاؤنگا قاتل کی میں تصویر لے کر ہاتھ میں
 اُسکے جو ہر سینے میں اور اسکے جو ہر ہاتھ میں

آنکھ بھی صاحب نہیں مجھ سے ملاتے اب لوگ
 رفتہ رفتہ منزل مقصود کو پونچوں گا میں
 بات کہہ کے ہاتھ جو لیتے تھے ہنسر ہاتھ میں
 ہے چراغ دل سے جبکہ میرا رہبر ہاتھ میں

نہیں معلوم کیا دکھلائے دکھیں گردش طالع
 قتل عاشق پہ جب مچلتے ہیں ؛
 بحر الفت میں ہم بسانِ حباب
 سبزہ رنگوں کے ظلم مست پوچھو
 تیرے قدموں میں گھر بکایا ہے
 جو کہ انسان ہیں وہ اے صاحب
 کہ راہ راست میں چلتے ہوئے سو جا بھٹکتے ہیں
 پھر یہ سفاک کب سنبھلتے ہیں
 ڈوبتے ہیں کبھی اُچھلتے ہیں
 میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں
 ہم کوئی ٹالنے سے ٹپکتے ہیں
 آدمیت کی چال چپکتے ہیں

ہاں کبھی ہمکنار تھے اُس کے
 کیا تکلف ہے ہم سے لے پیاے
 اب تو ہم گور کے کنارے ہیں
 تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

مہرباں سب پہرے وہ تو ہاں مگر
 کہو تو ہم سے ٹوگے کہاں یہاں کہ وہاں
 تو ہی لائق مہربانی کے نہیں
 میں آؤں پاس تمہارے کہاں یہاں کہ وہاں

روشن کیا ہے بخت مرا اک نگاہ میں
 اس درجہ نور ہے نگہ رشکِ ماہ میں

نالہ کُردوں کہ آہ کُردوں یا مہکا کُردوں
 حیراں ہوں تیرے ہجر میں کیا کیا کُردوں

کیا نذر دوست کیجئے اے جان لے قرار
 اک دل تھا وہ بھی اپنے نہیں اختیار میں

ہوا انقلابِ عصر کبھی یوں بھی اسے کریم
روکش ہوں کیونکہ عارضِ جانناں سے مہرِ ماہ
تابِ شکیبِ مجھ میں ہو یا رحمِ یار میں
ہے فرق آسمان و زمیں نور و نار میں

سب غلط ہے کہ محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
خاطرِ یار سے دھوئی نہ ذرا اگر دِ ملا ل
اشک کیوں آنکھوں کے جاری ہیں اگر کچھ بھی نہیں
تیرے رونے سے ہوا دیدہ تر کچھ بھی نہیں
ہر طرف ہی نگہِ لطفِ ادھر کچھ بھی نہیں

دنیا بدل گئی یا ہم تم بدل گئے ہیں
کیونکر نہ آشکارا ہوا اپنا حال صاحب
ہم پہلے سے تجھ پہ مر چکے ہیں
طوفان کیا کیا نہ تیرے غم میں
باقی کیا اور رہ گیا ہے
عفا کی شکل جس کا پتہ ہی نہ پائے
اہلِ ہم کے دل سے مروت نہ جاسکی
جنش سے ہونہ قبلہ نما کو کبھی تیار
دشمن کا کیا تصور ہے عادت کو دخل ہے

غفلت کی طرح تو بھی نہ صاحب ہو بے ادب

سو داؤد میر و درد سے بس دو بدو نہ ہو

دم سے کیونکر جدا کروں تم کو
غلام سمجھو تو اپنا سمجھو سمجھو عاشق تو اپنا سمجھو
میری تو تم ہی زندگانی ہو
غرض کہ جو ہیں سو ہیں تمہارے ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو
حلا کریں گو سو سارے ادھری دنیا اگر ادھر ہو
جو مہرباں ہو وہ یار اپنا درست ہو سارا کار اپنا

یوفانی کا گلہ کیوں نہ ہو تجھ سے اے شوخ
 مجھ کو ہو یا دتری تجھ کو مری یاد نہ ہو
 شغلہ رو آگ ہی لینے کو تم آئے تھے کیا
 دل جلانے کو مرا مال بیدا نہ ہو
 پھر وہی دور کلا رٹ سانی
 منقلب گردشِ دوراں تو ہو
 پھر وہی حاصل سرمایہ عیش
 آمدِ فصلِ زمستاں تو ہو
 جز آہ و فغاں ہر دم کچھ کام نہیں دل کو
 دوری میں تری پیاسے آرام نہیں دل کو
 دیکھنے والے قد بالاکے ہیں
 کیوں نہ ہچتموں میں ہوا ونچی نگاہ

قربان جان خلق میں سوا نہ کر مجھے
 یارب یہ التجا ہے کہ شیدا نہ کر مجھے

آپ مری عید کے ہو چاند تم
 دید تمہاری ہی مجھے عید ہے
 بڑھانہ کشتی مے کو ابھی سے اے سانی
 کہ دل میں ابر کے کچھ کچھ غبار باقی ہے
 یہ آرزو ہے ترے آنے کی مجھے اے شوخ
 کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

آجا صنم کہ جاتی ہے فصلِ بہارِ عسر
 اس چلتی پھرتی چھاؤں کا کیا اعتبار ہے
 اُس چشمِ نیم باز کا اثر سے اثر
 جس کی طرف کو دیکھ لیا جاں نثار ہے

دیکھنے کو ترے اے غیرت لیلے میں نے
 طے کیے تیس نسط کتنے ہی صحرا میں نے
 دل محو خیال ہو گیا ہے
 دیکھو کیا حال ہو گیا ہے
 دل تنگ ہے ان دنوں کچھ ایسا
 جینا بھی محال ہو گیا ہے
 کس بات پہ تیری پھولے یہ دل
 کیا تجھ سے نہال ہو گیا ہے
 آنکھیں میچیں تو جلوہ دیکھا
 حیرت میں جمال ہو گیا ہے

کیا مرغِ دل اُس پر ہی تک جاے بے پر بے بال ہو گیا ہے
 دیکھو تو تبدلِ زمانہ کیا تھا کیا حال ہو گیا ہے
 جرّیں کدھر گئے وہ چرچے سب خوابِ خیال ہو گیا ہے
 گدا ہوں کو چہ جانناں کا میں تولے زاہد رہا ہے کام مجھے کیا بھلا زمانے سے

اپنی بھی یہ طبیعت کچھ موم سے نہیں کم جس شعلہ رو کو دیکھا اُس پر گھیل گئی ہے
 سب کار و نبوی کا موسم ہے اک مُعین کیا لطفِ عشق بازی جب سر ڈھل گئی ہے
 اُس یوفا سے تجھ کو اُمید ہے وفا کی جرّیں عقل تیری شاید کہ چل گئی ہے
 مجھے ایک پوسہ میں زندہ کیا ہو میجا تری اس کرامت کے صدقے
 نمک یزی سبز رنگی کے شرباں صبا حلقے صدقے ملاحمت کے صدقے

وحشتِ دل نہیں کم ہونے کی گھر سے صحرا کو اگر جائیں گے

کیا وہ نگاہ ناز کر شمع دکھا گئی بجلی سی ایک خرمِ دل پر گرا گئی
 بزرگ بو گل پرے میں پوشیدہ ہو تیری جا تری کس طرح لے غنچہ دہن کوئی خبر پائے

کچھ قدرِ وقت ہم نے اک سرتک نہ جانی افسوس یونہی کھوئی غفلت میں زندگانی

صید زبوں سمجھتا ہے تیر قصا مجھے ایسا شکِ بالِ فلک نے کیا مجھے
 جرّیں میں بُرا ہی سہی وہ تو نیک ہیں پھر نیک ہو کے کہتے ہیں وہ کیوں بُرا مجھے

اندھے کے آگے رونا ہی آنکھوں کا پھوٹنا
کیا بحث علم کیجیے جاہل کے سامنے
جواہل دل ہیں فرط مروت سے وہ کبھی
کرتے نہیں ہیں آنکھ کو سائل کے سامنے

کوئی اس ہستی فانی میں نہیں رہنے کا
خوب یہ اہل فنا تم کو صدا یاد رہے

خود بخود دریش جگر پر ہے نہک یزی شون
واہ لے کانِ ملاحست کیا ہی تیرا شور ہے
ظلمتِ عمر جوانی خواب غفلت میں کٹی
صبح پیری کھلتے ہی آنکھیں جو دیکھا بھو ہے
تجھ کو قدرت کے ضعیفوں کو نوازے کر دگار
تو سلیمان اور صاحب تیرا بندہ مور ہے
وہی جانتا ہے گذرتی ہے جس پر
کسی کی بھلا کوئی کیا جانتا ہے

عجب وہ صنم صاحبِ شان ہے
ہر اک آن میں اک نئی آن ہے
ہے مجھ سے راضی خداوند صاحب
یہی اپنا بس دین و ایمان ہے
نگاہ پاک سے اُس بت کو دیکھا دل کیا راضی
ہے قولِ پاکبازاں دیدہ بازی در خدا راضی
الفت جتا ئے نہ ہمیں دیکھ دیکھ کے
باتیں بنائے نہ ہمیں دیکھ دیکھ کے

بیمار ترایہ نیمباناں ہے
لے رشکِ مسیح تو کہاں ہے
جو دم ہے اُسے تو مغنم جان
دم کا ہی دامہ میری جاں ہے
ہے قطرہ اشکِ زندگانی
گرتے ہی زمیں پہ پھر کہاں ہے
لاؤ نہ غبارِ دل پہ صاحب
بے مہر اگرچہ اک جہاں ہے
مقدر ہو اگر سیدھا تو الٹا کام سیدھا ہو
وہ نہ رو خود بخود دلے طالع بیدار آتا ہے

دیکھ کر ہاتھی پہ مجھ کو ساتھ اُسکے بولے لوگ
 کیونکر رکش ماہ کامل تجھ سے ہوئے ہر ش
 تجھے سکھلائی کس نے بے وفائی
 میں اُس نکھرے کا دیوانہ ہوں صاب
 دکھاتا ہے قیافہ کا صواب عیب ظاہر میں
 یہ تجلی ہے یہ موسے ہے یہ کوہ طور ہے
 وہ سراسر نار ہے اور تو سراسر نور ہے
 جو مجھ سے اس قدر تو بے خبر ہے
 پشیاں رو برو جس کے مستر ہے
 جلانے باطنی سے بس ہی یہ تویر شیشے کی

جو ایک دم کو وہ عیسے نفس ادا صرا جائے
 ہزار جور ہوں دل پر بھروں گا دم تیرا
 طلب میں یار کے اب تو ہی قصد کرے دل
 یہ جان رفتہ وہیں تن میں لوٹ کر آجائے
 یہ جاں بھی تن سے نکل لب تلک اگر آجائے
 ترے ہی جذبہ سے شاید وہ بے خبر آجائے

نہ کیونکر صورتِ انساں میں ہو تو قیر مٹی کی
 طفیل نور سے علوی نے سفلی کو کیا سجدہ
 چھڑا کر عالم علوی سے سفلی میں اُسے پھینکا
 جبیں کو اہل زر کی قشقہ زریں مبارک ہو
 ہوئی ہی نور سے مزوج یہ تصویر مٹی کی
 رہے تشریف آدم کی نہ ہے تو قیر مٹی کی
 خراب اس طرح کیوں آدم کی اے تقدیر مٹی کی
 ہے کافی خاکساروں کیلئے تخریر مٹی کی

مشت خاک اپنی سے کیا ہاتھ میں دیکھا ترے
 سعی آدم پہ ہے تعمیر امید
 خاکساری میں بھی پائی نہ مراد
 لطف سے کیوں مجھے رکھا محروم
 جز خدا کوئی نہیں صاحب کا
 کون کرے پھر دعویٰ تجھ سے ہمچشمی کا کہ تو بھلا
 اے فلک کس لیے کرتا ہے تو برباد مجھے
 کیا ہی بے اصل ہے بنیاد مری
 یوں ہی مٹی ہوئی برباد مری
 کیا خطا دیکھی ہے ستیا د مری
 ہاں مٹے گا وہی فریاد مری
 چو کر ہی بھولا دنگ ہوا دیکھ آنکھوں کو آہو تیری

داغ جو دوری کا تھا تیری ہوا دل سے نہ دو
 آنا ہے آپ کو تو بس اب جلد آئیے
 تم پھیرو مجھ کو میں بھی سمجھ لوں گا ایک دن
 راز سر بستہ کے دا کرنے سے کچھ بھی حاصل
 کب نظر کرتے ہیں تقویٰ کی طرف وہ صاحب
 آتے نہیں تو اپنے تصور ہی کو بھیجو
 درد عشق یا رنے گھیرا ہی دل کو بے طرح
 عمر بھر جوں ابرہم روتے رہے دھوتے رہے
 حد ہو چکی ہے جان مرے انتظار کی
 کہتے ہیں سو سنار کی اور اک لوہار کی
 بات وہ کیا کہ پڑے کان میں جا کر دس کے
 رندی اورستی کے جنکو کہ پڑے ہیں چکے
 میرے دل یراں کو بھی آباد تو کیجے
 کس طرح لے رہا لعزت دل بچانا چاہئے

سیکڑوں میں نے جنائیں سہیں جس دلبر کی
 نہ کبھی اُس نے تسلی دلِ مضطر کی

بے واسطہ دنیا میں نہیں رہتا ہے کوئی
 ہر ایک کا ہر کوئی ہو صاحب ترار ہے

زلفِ رخ دونوں ہیں آمادہ پے تسخیر دل
 ہو گئے ہجرِ صنم میں موے سر یکسر سفید
 ہاتھ دھو کر میرے پیچھے گوے کالے پڑ گئے
 انتظارِ دید سے آنکھوں میں جالے پڑ گئے

عشق صاحب اسکو کہتے ہیں کہ ہم تا وقت مرگ
 نقشہ تیرا نہیں جاتا دل سے
 شکوہ تیرے ظلم کالب پر نہ لائے مر چلے
 میں نے شیشہ میں پری ہے گھیری
 میں تو دل تجھ سے نہ پھیروں گا کبھی
 آنکھ گو تو نے ہے مجھ سے پھیری

کر چکا صدقے نام پر تیرے
 لے گیا ایک ناز میں مجھ سے
 اپنا نام و نشان تلک کوئی
 صبر و تاب تو ان تلک کوئی

ہے یہ اپنا قصور کیا کیجئے

اس پہ اسے مہ غرور کیا کیجئے

شیشہ دل ہے چور کیا کیجئے

اے دل پر غرور کیا کیجئے

جز ترے یا غفور کیا کیجئے

ابھی دلی ہے دور کیا کیجئے

سمجھے ہیں جلائے کو جو جلاب کی لکڑی

تجھ سے بے مہر سے لگا یا دل

چار دن کی ہے چاندنی یہ صن

تیری سنگیں دلی سے اسے جاتاں

در ہے کھٹ میں نہ زور بازو میں

کس کی ہمت پہ ہو جیئے نازاں

تھک گئے راہِ غم میں اور صاحب

تمیز نہیں بیچ میں اور چوب میں اُن کو

جلد بیماری غم سے مجھے صحت ہو جائے

تجھ کو دیکھوں تو مری رست کی صورت ہو جائے

تحنیس بر غزل ناسخ

چھپے چوری کی الفت کا کہیں کیا پاس سارا ہو

کسی نے تیر دزدیدہ نگہ سے دل پہ مارا ہے

لہو روتی ہیں آنکھیں سازِ پنہاں آشکارا ہے

کبھی چو ما کبھی آنکھوں سے لگا یا میں نے

عجب اک فحشہ میں مبتلا یہ دل ہمارا ہے

نہ ضبط گریہ کی طاقت نہ بے گریہ کے چارا ہے

ہنشیں نامہ دلدار جو پایا میں نے

در بحث مذاہب

برے صدق عقیدت ہیں بس رست دلیل

ز نور پاک کہ شد بخش آں بر آں خلیل

ضیائے دیدہ اسحق و نور اسماعیل

ز بارگاہ علی حضرت خداے جلیل

اگر بچشم ارادت نظر کنی صاحب

فروغ داد جہاں را دو نیز اعظم

یکے مسیح مظهر دگر محمد پاک

بوعدہ ہاے مبارک کہ شد بہ ابراہیم

شود شفیع یکے بهر آل اسماعیل
غرضکه بهر نجات نبی ابراهیم
نموسوی نه بود مطلم جدازیں بحث
ظهور مهدی و عیسی با حسن دنیا
رسد نجات زدیگر آل اسماعیل
همین دونیر کونین مقبل اند و کفیل
که هست موسی و عیسی ز یک گروه قیل
بریں که گفته شده هست است است دلیل

ره سلوک همین است طبق تنزیلات
اگر بحشیم عداوت نظر کند تجسیل

قصید در مدح نواب کلب علی خاں بهادر والی رام پور
خلایق وجود مسربانی
تقریر زبان او چو بلبل
یکتا است به فن علم شعرے
زنگیں نقش چو لعل و یا قوت
کلب قلمش چو نیشکر هست
پیش نقش خط عطا رود
در مملکت کلام خسرو
یکتا ناثر یگانہ ناظم
در باب سخا و جود کانست
طو مار سخاے حاتم طے
آن حاتم را نه دیده دیده
مانند سحاب فیض در بار
در خلق و وفا و مسربانی
بلبل به ثنائے اوست بلبل
هر شعر بلند تر ز شعرے
یا قوت خجل غلام یا قوت
نے نے غلطم نه نیشکر هست
غام است که چوں خط خطا رود
در فن سخن امیر خسرو
در ملک سخن یگانہ ناظم
حاتم به کرم نه بد که آن سنت
از جود و سخا و تش بشد طے
ایں حاتم را بحشیم دیده
از جود و سخا و تش هست در بار

سائل بہ درخش اگر نواز د
 خرمین گرمی نظر در و کن
 اشج اشج حبری بہا در
 بہمن نہ شود باد تہستن
 رستم یل سیتاں بن زال
 در خیل دلا دراں دلاور
 در حسن و جمال رشک یوسف
 یوسف بجمال یوسفی کرد و
 آنکہ کہ کشد بعدل شمشیر
 از جور خزاں شود زہتاب
 مہ از مہ نور کاب داری
 صاحب تو حدید اوست پارس
 جہیں ز ذات اوست مطلب
 قنطار زرش و بد نواز د
 صد کشت امید خود در و کن
 در تاج شہانہ بے بہا در
 چون مور بہ پیش او تہستن
 پیش بازو دش کمتر از زال
 در دست بہ خلق خوش دل آور
 صد ہا چنین بستہ پیش او صف
 کے تا جوری و یوسفی کرد
 ضیفم نہ غنم و ہد بہ ششم شیر
 ہرش نہ دہد دگر بہ مہ تاب
 زیبہ کہ کنی رکاب داری
 زیر قدش بہ دست پارس
 تو مطلب خود ز غیر مطلب

گردش کہ ز ہفت آساں باد

بر فرق عدوش آس ماں باد

تاریخ وفات کپتان برنارڈ فانتوم والد خود

(بریلی تاریخ ۱۵ نومبر ۱۸۳۵ء)

کپتان فانتوم بریلی میں اک رئیس
 اُن کو نسب میں دعویٰ پائیں تھا
 پونجری ہے اک مقام لب بحر ہند پر
 تھا وہ شریف زادہ قوم فرانسیس
 کہتے حسب کو فخر سے تھے مارسلو
 ہے ہند میں فرانس کا وہ دارِ مستقر

۱۷ شہم یعنی ناخن - ۱۷ ماند آس - ۱۷ پانڈیجری -

مرنے سے اُسکے بند جوابِ مطب ہوا خورد و کلاں نے روکے کہا کیا غضب ہوا

انتخاب کلام فارسی

کجا ماندی که کشتی از تغافل نیم جانے را
بچشم انتظارِ اوس یہ کردی جہانے را
نداستم کہ بجائے تست در جان و دل عاشق
عبث در جستجوے تو تلاشیدم جہانے را
سوے من آبت کافر حنہ را
ادا ہائے تو کشتہ کرد ما را
بخونم پنجہ خود را بدہ رنگ
رسد در ہند اگر خواہی حنا را
بلاے عاشقی از من میرسد
پناہ اے دوستاں جانِ شمارا
چہ امید وفا زان دوست دشمن
کہ نشناسد حقوقِ آشنا را

امید صبح وصالِ صنم نماند مرا
شبِ فراق بروزِ سیہ نشاند مرا

کیکہ در محبت بہ دل نہاں دارد
اگر ہزار پوشد رخس عیاں دارد

شیرینی کا میم بیارید بیارید
از مے دوسہ جا میم بیارید بیارید
عید بہت دوسہ جام کجا میکندم سیر
مینخانہ تمام میم بیارید بیارید
پیغام میارید ازاں شوخ ہم اورا
مشتاق کلا میم بیارید بیارید
بیارو ضعیفیم از آن طرہ مشکین
بہرے بہ مشا میم بیارید بیارید
گلگشت چمن بے رخ اولطف ندارد
آں ناز خرا میم بیارید بیارید
کدامی دل است آنکہ الفت نہ ورزید
بجان و دل خویش آفت نہ ورزید
نہ برداشت بر سر جفا ہائے اغیار
نہ خویش و اقارب عذابت نہ ورزید

چور و بگرفتہ سوے اور ہ سوے دگر کم گیر
 اگر خوش اعتقادی دین دنیا زان خود انگار
 دریں بتاں سرا جز بے ثباتی نیست ترمیجے
 شتاباں میروی لے عمر پاس ہمر کابی کن
 ترا برخندہ ناپا مدت گریہ می باید

درے بکشا برے خویش دیک در گیر و محکم گیر
 کلا ہے در ہوا انداز و این ہم گیر آں ہم گیر
 زاد راق گل این یات و تفسیرش ز شبنم گیر
 ز پا افتادہ ام لے بیوفا ہر خدا دم گیر
 اگر چہست نزار د آب ام آگل ز شبنم گیر

تو لے جبر جس خوش گذراں با زادی ریں عالم

اطاعت کن خداوند و عالم را و عالم گیر

کام دل می طلبم از بت خود کام ہنوز
 می پزم در سر خود این ہوں خام ہنوز

ز گر مجوشی دلدار با من مکیں ڈ
 چہ ز خنہا کہ نخورند دشمنان بردل

کجا مثال کہ گویم ترا بدیاں مانے
 منم بہ حلقہ زلف تو ام شدہ چو گاں
 تو آں گلے کہ بخارت منی تو انم دید

چنانکہ نقش تو در خاطر من است آنے
 تو مشعل بفرغت بہ گوے و چو گانے
 خوش آنکہ از خس خاشاک دامن افشانے

رباعی

گر دوست مراد دوست نزار د چہ کنم
 راضی بر صناے دوست باش لے جبر جس

بر حال من از رحم نیار د چہ کنم
 تحریر ازل منی شود د چہ کنم

قطعہ

بسا جواہر خوش آب در تر دریا
 بسا گلے کہ دمیدہ است و کس ندید آنرا

فتادہ است کہ کس ہیچ ازاں نزار د یاد
 کہ بوسے خویش بہ ویرانہ مید بد برباد

۱۷۹
کہہ مکرئی
(آئینہ)

مونہ دیکھے اور آپ دکھائے ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آوے
جاسو من لاگا ترڑ پن ڈاے سکھی سا جن، ناسکھی در پن
(وطن)

چال چلن موئے من کو بھاوے رنگ ٹھنگ واکا ادھک سہاو
اُس بن دل کو رہے کلیس اے سکھی سا جن، ناسکھی دیس
(چاند)

سارنج بھئی تو لیا اوتارا واسوں ہوا سب گھر اُجیارا
اُس بن مجھ کو سب گھر ماند اے سکھی سا جن، ناسکھی چاند
(بارش)

آنا واکا من کو بھائے اُنگ اُنگ جیرا للچائے
اُن کو دیکھ بھر آوے نینہ اے سکھی سا جن، ناسکھی نینہ
(بادل)

بھر آئے اور سر پر کھڑے ہاتھ باندھے پیچھے پڑے
واکے ات مچی ہل ہل ڈاے سکھی سا جن، ناسکھی بدل
چستان

(روپیر)

کھانے کا نہیں پینے کا نہیں چھوئے ہاتھ کالا ہو پاس رہے کام آوے اور نہ اُجیا لا ہو
(بھٹا)

ایک نارہری بھری کھڑی دوشالہ پوش نوچ کھسٹ ننگا کیا رہی دانت نیو س

آدھا رکتس سارا سوم بوجھ بوجھ نہیں ٹھینکا چوم
(باجرہ)

بابا گھرسوں جاے کے ٹک ٹک کر لائیں دھرا دی کر سانج سویر جرا جرا کر کھائیں
(جماہی)

آنکھ میچ منہ پھیلائے دیکھا دیکھی سب کو آئے

GRAY'S ELEGY ON A COUNTRY CHURCHYARD

Full many a gem of purest ray serene
The dark unfathomed caves of ocean bear
Full many a blossom is born to blush unseen
And waste its sweetness on the desert air!!

شایق (جان فانتوم)

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا	کوئی تجھ سانہ دلربا دیکھا
کان رکھ کر مٹانہ اُس گل نے	حال دل بارہا مٹا دیکھا
نصف شب اُسکی گلی میں چھپ کے جانا چاہئے	قول جو اُس نے کئے ہیں آزمانا چاہئے
گرنہ پہنوا تم عاشق میں پر شاکیا	سرگیں آنکھوں سے دو آنسو بہانا چاہئے
شمع کی پروانگی پروانہ کو کبے ضرور	بن بلائے محفل جاناں میں جانا چاہئے

استدر رنجش نہ تجھ کو مجھ سے جانی چاہئے ہر گھڑی ہر لحظہ مجھ پر مہربانی چاہئے
کہنے سے اغیار کے گرم ہوئے ہم پر خفا سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہئے

کھوتے ہیں عقل دانش دیں تیرے واسطے مجنوں بنے ہیں پردہ نشیں تیرے واسطے
جور و جفا و منت دربان و طنز غیر کیا کیا جفا میں ہم نے سہیں تیرے واسطے

صوفی (الفرید فانٹوم)

بارہ ماہ

جدا ہوا ہے تو جس دن سے لے صنم مجھ سے خدا علیم ہی کیا کیا ہیں غم بہم مجھ سے
خوشی بعید ہے اور ہی قریب الم مجھ سے غرض کہ ہونگے بہت کم نصیب کم مجھ سے

ترے فراق میں ہے بسکہ زار زار یہ دل

برنگ گلبن بستاں ہے خار خار یہ دل

ترے فراق میں یہ نوبت اب ہماری ہے لبوں پہ آٹھ پر شور آہ و زاری ہے
جو دن گذرتا ہی جوں توں تو رات بھاری ہے جورات گذری تو پھر وہ ہی بھاری ہے

رہے ہے آٹھ پر غم رفیق تنہائی

جسے کہے ہیں الم ہے شفیق تنہائی

غم فراق میں جو کچھ کہ مجھ پہ گذرے ہے سوائے اس دلِ ناداں کے کون جانے ہے
مصیبتوں کو محبت کی وہ ہی سمجھے ہے جو اپنے سر پہ یہ کوہِ بلا اٹھائے ہے

غم نہاں سے بظاہر کوئی ہو کیا واقف

دلوں کے حال سے ہوتا ہی بس خدا واقف

نہیں حصول جو فی الحال دولت دیدار کہ صعب ہجر کا ہو بالمشافہ اظہار
 غم فراق سے ہو کر کے عاجز و لاچار سمجھ کے نامہ کو نصف الوصال لے غنوار

لکھوں ہوں شمع احوال ہجر تجھ کو اب

کہ کیونکہ بارہ مہینے کٹے ہیں مجھ کو اب

شب فراق جو کاتک میں ہو گئی بھاری (کاتک) تمام رات لگی رہتی مجھ کو بیداری
 بے دل میں آگ لگی نم ہے چشم پر جاری بسان شمع میں کاٹوں ہوں دے کے شب ساری

نہ کیونکہ آئے شب ہجر میں مجھے کم خواب

جو تجھ سا دلبر سنا نہ ہو مرا ہم خواب

اگن میں شدت سرا سے آئے ہی جب یاد (اگن) بہم لپٹ کے وہ سونا مرا ترا دل شاد

تو دل سے نکلے ہی بیاختہ ہی نریاد کہ واسے از غم ہجراں و داد از بیداد

کٹے ہے رات جو تجھ بن وہ ایک آفت ہے

جو دن گذرتا ہے بن تیرے وہ قیامت ہے

گذر چلا یہ مہینہ بھی یوں نبی اب فسوس (پوس) نہ پائی وصل سے کچھ لذت کنار و بوس

نہ کیونکہ غم سے ہو یہ جان غمزدہ مانوس ہے اگن کی طرح پوس میں بھی ہم مانوس

شب دراز درازی غم دکھاتی ہے

یہ عمر کو تہ اب فسوس پونہی جاتی ہے

بست ت جو ہوئی ماد کے مہینے میں (ماہ) گئی دو چند بھر تک آگ غم کی سینے میں

بیان ہجر کہاں تک کروں سفینے میں غرض کہ لطف نہیں اپنے ایسے جینے میں

خزان یاس سے ہے چوں گلِ فسرده یہ جی

کھلا نہ غنچہ امید جب ہسار میں بھی

جہاں میں ہوئی کی بھاگن میں ہو رہی ہے دھم (بھاگن) ہمارے طالع ناقص ہیں اس طرح کے شوم

کہ ایسے میں بھی بعد حسرتِ دل معنوم حصولِ دولتِ دیدار سے رہے محروم

کہاں کا پھاگ ہمیں اور کہاں کی ہی ہوئی

یہاں فراق میں کیا کیا نہ حبان پر ہوئی

نہجنت بسکہ نہیں ہجرت میں ہے میرا جی (حیت) نہ حیت ہی مجھے خوش آئے ہو نہ اب رُدی

ہزار ماہ جلالی ہوں لاکھ ستر رُدی ہمارا غنچہ دل اس طرح کھلے نہ کبھی

یہ لالہ زار یہ گلزار اور یہ فصل بہار

فراق یار میں مجھ کو ہیں مثلِ آتش زار

کٹے گا کیونکہ یہ بیا کھ کا مہینا آہ (بیا کھ) غم فراق ہی دل کو مرے نہیٹ جانکاہ

یہ خس کی ٹھنڈی ہوا دن کو اور یہ شبِ باہ نہیں ہے دیو سفید و سموم سے کم آہ

چمک رہے ہیں ستارے جو چرخ پر نکھرے

رہ امید میں مجھ کو ہیں جوں خشک بھرے

نہیں ہو حشر سے کچھ جھٹھ کا مہینہ کم (جھٹھ) تپ فراق و تپ آفتاب نے باہم

یہ دل کو میرے جلا یا کہ کر دیا ہے دم ہے جان آنکھوں میں در لب پہ آ رہا ہوں دم

لوئیں جو آگ بھری گرم گرم چلتی ہیں

دل تپیدہ کی لپٹیں مگر یہ اُڑتی ہیں

لگی جو آتش غم جاں میں دل کے اگلے سے (اساطہ) رواں مدد کو ہوے اشک دیدہ تر سے

ہے یہ چشے کہ پانی گذر گیا سر سے تپے تھے جیسا غرضِ یسا پھوٹ کر برسے

اساطہ میں جو رواں ہر طرف ہیں نالے

یہ میرے سینے کے جاری ہو ہیں بنجائے

زبسکہ سینے پہ اب جوشِ داغ ہجراں ہے (سادن) تپ جگر سے ہر اک مثل برق رخشاں ہے

سے ابرو دو دل و آہ رعد نالاں ہے ہولے سرد و دم سرد و اشک باراں ہے

ہماری بارش غم نے کیا ہے وہ طوفاں

کہ جس کو دیکھ کے ساون پکارتا ہوا ماں

ڈراتی کیا کیا ہی بھادوں کی مجھ کو اندھیاری (بھاپ) برنگے یوسین مہیب اور بھاری

زبکہ دل پہی سب سیکڑوں بلا طاری ہوا شک چشم میں اور لب آہ اور زاری

فغانِ نالہ کو سن میرے رعد روتا ہے

زمین سے ابر مرے آنسوؤں کو دھوتا ہے

کنوار میں جو ہوئی فصل بر شگال تمام (کنوار) لگی ہیں در کی طرف آنکھیں صبح سے تا شام

پکارتا ہوں تجھے خواب میں بھی لے لے نام غرض کہ دن کو مجھے ہی نہ رات کو آرام

ہے انتظار یہاں کب ترے قدم آویں

جو بخودی سے بکل تک خودی میں ہم آویں

ترے فراق میں جو کچھ ہے حال جان زار کہاں تک ہو بیاں سکالے مرے غمخوار

اگرچہ لکھنے کو لکھا ہی حالِ دل کی بار ہنوز باقی ہے ناگہنستی ہزار ہزار

خدا نجات دے جلد اس بلا سے ہجران سے

ہوں کامیاب میں صوفی وصالِ جاناں سے

جوزف لائل فانوتم عرف بنے صاحب بیوی

عداوت کی محبت میں جفا کی سنگر پھر محبت تو نے کیا کی

ستاروں کا وہ زیور کیوں نہ پہنے کہ صورت چاند سی ہے مہ لقا کی

گرہ وقت سخن پڑتی ہے لب پر نزاکت آپ میں ہے انتہا کی

لحد میں سو ہے آرام سے سخت جگر تم تو ہماری زندگی یاں پر بڑی مشکل سے گزرے گی

انتخاب کلام فطرت

دل کو دے جان بھی پڑی دینی لویہ اس سود میں زیاں نکلا

بتلا میں ہوا ہوں اُس گل کا جی ہے قربان جس پہ لبِ بل کا
گرچہ دل مثل شانہ چاک ہوا تو بھی عقدہ کھلا نہ کا گل کا
گرمی سے اُس نگہ کی دل کی طرح نہ گھلے آئینہ آب ہو کر حیرت سے بے گیا تھا
تاریک ہو گیا تھا نظروں میں اپنی عالم پہلو سے اٹھ کے جدم وہ رشک سے گیا تھا
ہرگز نہ کوئی ایسے ظلم و ستم سے گاؤں یہ میں ہی تھا کہ کیا کیا کچھ جو سے گیا تھا
وہ صاحبِ کمال ملا ہم سے آج تو ملنے کا جسکے شوق تمام و کمال تھا
بہانا اس قدر آنسو کہ بہہ جاوے بھی عالم نہ کرنا مجھ کو بچشموں میں تو لے چشم تر جھوٹا
دل سنگیں میں اُسکے کچھ نہ کچھ تاثیر کر بیٹھے اکہی نالہ دل کا نہ ہو جائے اثر جھوٹا
فلک کی کج روی سے راست بازی اُٹھ گئی سچ مچ نظر آتا ہے ہم کو ایک عالم سرسبز جھوٹا
تجھ سے جدا رہیں یہ گوارا ہمیں نہیں اندوہ و غم اٹھانے کا یا را ہمیں نہیں

خوب رویوں سے ہم کو کیا مطلب بندہ بے درم تمھارے ہیں
دام میں دل کو لے کہا فطرت ق صیدیوں تو بہت سے مارے ہیں
پر یہ کالا تھا جس کو صید کیا چھوڑ دو اور سب چکائے ہیں

اب تو جاتے ہیں ہم اُس در پہ ولیکن دیکھیں
 حال سے کچھ دل شیدا کے خبر ہو کہ نہیں
 لے چلا وادی کو بستی سے ہمیں جوش جنوں
 واں بھی دیکھیں گے اب وقات بسر ہو کہ نہیں

خرمن ہستی ترے قہر و غضب سے جل گیا
 تو تو شاہ آتشیں ہو وہ پاہ آتشیں

بالکل ابھی جنوں کی تو وحشت مٹی نہ تھی
 لو آگیا ہے جوش پہ سودا کو کیا کریں

عار اور ننگ سے کیا کام ہو اب عاشق کو
 ناصحا سونپ مگر اپنا تو نامہ میں ہمیں

نظر پڑے ہیں جہاں میں بہت شکیل ہیں
 دے ملا نہ کوئی آپ صاحبیل ہیں
 جہاں کہ حضرت فطرت سا ہو معاون کار
 وکیل چاہئے اُس جا پہ نے کفیل ہیں

کس کس ترپ کے نالہ کے ماتے ہیں ہم نے آج
 سینے پہ آسمان کے محبان بان بان
 صنعت کو ایسے صانع کی فطرت خیال کر
 گل سے بنائے جس نے یہ انسان سان سان

دل پہ اندوہ ہے خاطر پہ الم رکھتے ہیں
 یہ بھی کیا طالع ہیں لے چرخ کہ ہم رکھتے ہیں
 اُسکی اٹھکھیلی کا نظروں میں سما یا ہے خرام
 سر و شمشاد کہاں یہ چم و خم رکھتے ہیں
 شیخ جی طور پہ چمکی تھی تختی جس کی
 اپنے بت خانہ میں ہم وہ ہی صنم رکھتے ہیں
 چھٹ گئے ہاتھ سے صیاد کے جو فطرت
 زندگی اور بھی شاید کوئی دم رکھتے ہیں

کیا سیر گلستاں کو کوئی رشک گل آ یا
 ہے نغمہ سرا مرغ خوش آہنگ چمن میں

اُسکو جو اپنا کوئی ہمسر نظر آتا نہیں
 ایک دم میں آہ سے کرتا ہوں پانی سنگ کو
 اسلئے رکھتا ہے وہ آئینہ اکثر ہاتھ میں
 کوئی رکھتا ہے سوا میرے یہ جو ہر ہاتھ میں
 ہاتھ آجائے کسی ڈھبے اگر اُس شوخ کا
 پھر قیامت تک چھوڑوں ہاتھ لیکر ہاتھ میں

گو صدف آسا ہمارا دیدہ پُر غم نہیں
 مارتے ہیں اب تو ہم تخت سکندر پر بھی لات
 اشک لیکن گو ہر غلطاں سے ہرگز کم نہیں
 دل میں کچھ آزد و ہولے تلج و تختِ جہم نہیں
 شاد ہیں وصلِ صنم سے اب تو ہکو غم نہیں
 فکر کیا اس گردشِ گردوں کی لے فطرت کریں

کیوں نہ ڈوبے ہی رہیں دیدہ تر پانی میں
 کون ساختہ جگر روتا ہے دریا یہ کھڑا
 مردم آبی ہیں یہ اُن کا ہے گھر پانی میں
 جو بے آتے ہیں یہ لعل و گھر پانی میں
 سنگ پابن گئے جو شمس و قمر پانی میں
 اُس کفِ پا کو نہانے میں مگر دیکھا ہے

غیر کے جور و تعدی کا کروں کیا شکوہ
 گل کے مانند لبِ خم جگر سے فطرت
 دشمن جان ہوا اپنا دل پہلو میں
 دیکھ کر تیغ کو اُسکی گئے کھل پہلو میں

ہم جبے ہوئے آکر آباد گلستاں میں
 آواز چٹکنے کی کلیوں کی نہیں پر گل
 بیٹھے نہ کبھی دم بھر دشا دگلستاں میں
 کرتے ہیں ترے غم سے فریاد گلستاں میں

قاتل نے ہم کو غوث کا کیا مرتبہ دیا
 جو سر کہیں ہی میں کہیں اور دستِ پا کہیں

دل زلف میں پھنسا تو بلا سے پھنسا ہے
 میں آپ ہوں بلا میں گرفتار کیا کروں

صحت دواسے ہونے دعا سے شفا تجھے پھر میں علاج اودل بمبار کیا کروں
فطرت وہ مجھ سے جان کا خواہاں ہوا ندوں ادنیٰ سی شے کے واسطے انکار کیا کروں

بہتر ہے گھر کو ٹھنڈے ہی ٹھنڈے سدھار کیجئے زیادہ آپ نہ اب یاں چناں چنیں
فطرت جہاں میں جزو درِ عیسے کوئی جبکہ آتی نہیں نظر مجھے جاؤں کہاں کہیں

دل و جگر جسم و جان و سینہ و دیدہ و ہم و خیال عاشق
جو راست پوچھو تو اُس پری کے یہ رہنے کے ہیں مقام آٹھوں

فنان و نالہ و زاری و آہ دنیا میں ہمارا کھوتے ہیں بس اعتبار یہ چاروں

ایک نگوں سے اگر تجھ کو نہ تھا ہونا دورنگ تو چھری کس واسطے تو نے اٹھائی ہاتھ میں
کچھ تو اُس کی یاد کا چرچا کریں دل لگا کر ان مہتوں سے کیا کریں
پھول لے بیل جھڑیں دشنام سے رشک گل جب غنچہ ساں لب اکریں
باوجود فطرت و عقل و ذکا حیف ہے خود کو اگر رسوا کریں

کیا تلوں ہی مزاج انکے میں لے چرخ بتا ف کام ایسا جو یہ صیاد کیا کرتے ہیں
دور سے دام میں کھینچے ہیں نئے وحشی کو خو پذیر فتنہ کو آزاد کیا کرتے ہیں

نگ کعبہ میں ترے زاہد یہ دولت تھی کہاں ہم کو جو حاصل ہوئی ہی یار کے پاؤں میں
مثل پروانہ جلے ہے یہ کسی عاشق کا دل شمع روشن مست سمجھنا پر وہ فانوس میں

طبہ عود بناتی ہے مشام جاں کو جد مشکیں کی مہکتے لف پریشاں کی بو

نرگس کی طرح سے روز و شب ہے
 سینے سے نکال لے گیا ہے
 یہ وہ ہے مرض جس کی اطباء جہاں سے
 بیشہ میں سنجگونی کے جز ضعیفم قالیں
 حاصل عمر اس کی فرقت میں
 ناصحا چپ رہ خوار پھرنے کی
 سیکڑوں ظلم کرو لاکھوں ہی بیداد کرو
 گلر خوشہ قیامت ہے صنم کا رخسار
 کس چشم کا انتظار دل کو
 فطرت وہی بدشعار دل کو
 دیتا نہیں ہے ایک بھی درماں کوئی مجھ کو
 اب تک نہ ملا شیر نیتاں کوئی مجھ کو
 یک دل غم برشت ہے مجھ کو
 ابتدا سے سرشت ہے مجھ کو
 پر ہمیں اپنی غلامی سے نہ آزاد کرو
 چشم انصاف سے اس مطلع پہ دو صداد کرو

جینے دے مجھے جان کا آہنگ کر تو
 یک دم اہ الفت کیلئے چرخ ستمگر
 اس عارض پر نور کو ہر بار دکھا کر
 ہوتا ہے پراگندہ دماغ گل رعنا
 ازل سے کینے سے اُسے عار ہو ظالم
 فطرت کی ملاقات سے کچھ ننگ نہ کر تو
 ساقیا ابر ہے سبزہ ہے صنم ہے اب تو
 ڈھال دے جام بلوریں میں مے گلگوں کو
 اے حسرت دل اتنا بھی اب تنگ نہ کر تو
 دل میرے کو سختی سے تر ننگ نہ کر تو
 آئینہ کو حیرت سے بہت تنگ نہ کر تو
 بس زمزمہ لے مرغ بد آہنگ نہ کر تو

جبے ساقی نے مے وصل پلائی مجھ کو
 کھل گئی آنکھ نظر آئی خدائی مجھ کو

ہیں چشم تری اسے رشک پری بادہ سے بھرے پیانے دو
 اس شیدا کے اُس مے سے ہیں دل اور جگر متانے دو

ہر شام دسحر بے خوف و خطر ہو جلوہ نما ان میں آ کر
 رہنے کو ترے یہ دیدہ و دل آراستہ ہیں کاشانے دو
 اُس بُت کے ابرو کے نیچے آنکھیں نہ سمجھنا اسے زرا ہر

یہ کعبے کی محراب تلے آباد ہوئے میخانے دو
 بار سرد و گرمے دوش سے گریا کر دو
 اس گراں باری سے واللہ بکسار کر دو
 بُت پرستی سے مجھے باز نہ رکھو یا رو
 کیا یہ مرضی ہے کہ بندہ کو گنگا رکرو
 آنکھ دکھلاتے ہو اس واسطے مجھ کو صاحب
 یعنی بیمار کو بیمار سے بیمار کر دو

جبکہ ہو ظالم کسی تسلیم دل کا بادشاہ
 پھر تو ادروں سے سوا وہ دہر میں آباد ہو

تو بھی نہ اُسکی تیغ کے آگے سے میں ٹلوں
 بندہ صنم کا روز ازل سے ہوں ہمنشین
 کر دے جدا اگر وہ مرے بند بند کو
 فطرت خدا جو چاہے تو دم بھر میں پھیر دے
 خاطر میں کب میں لاتا ہوں ناصح کے پند کو
 طالع کو اور اس ترے غبم نثرند کو

ہر گز ٹلے نہ جان لئے بن کسی طرح
 فطرت نہ کس طرح سے بھلا اپنا دل حیلے
 جس دم گلے کا میرے ترا ہا ہا ہو
 ہر دم زبان غیر پہ جب یا ریا ہو

نشر مرگان رگ جاں پر ہماری لگ گیا
 ہم بتوں کی خاک پاہیں چاہتے ہیں اب ہی
 رکھ دے لے جراح تیرے پاس اگر لاذوق ہو
 آہ کا نعرہ ہمارا بھی مشال بون ہو

کیونکر رکھے نہ رخ پہ وہ اپنے نقاب دو
 ہے چرخ حُسن ایک لہ آفتاب دو

دیوانہ کوئی کہتا ہے سودا زدہ کوئی فطرت مجھے تو کافی ہیں یہ ہی خطاب دو

بہت سی چشم جا دو اور بہت دیکھے کہاں ابرو پہ ایسی چشم دیکھی اور نہ ایسے دلتاں ابرو

بدنام کر چکا مجھے اور مانستا نہیں
 غنچہ و گل میں کہاں ہے یہ بات
 زلف ہے چہرہ تاباں پہ چھٹی
 گلشنِ حُسن کو اُس کے فطرت
 ہستی موہوم ہے صرف امتزاجِ افساد کا
 شرابِ عشق تیری لے پر یرو
 لڑانا آنکھ تو اُس سے نہ لے دل
 سمجھاؤں کس طرح دلِ خانہ خراب کو
 بلبو اُس کے دہن کو دیکھو
 ماہ کو اور گہن کو دیکھو
 دیکھ کر تم نہ چمن کو دیکھو
 آہ آتشِ باد اور گل نے لگائی ہو گرہ
 ہمارے شیشے کے دل میں بھری ہو
 نگہ میں اُس کی سحر سامری ہے

تجھے جو دختِ زکھویں سہی ہے
 تجھے لے شیخ کیا اسکی خبر ہے
 یہاں تک فطرت اُس کے غم میں رویا
 کہ تو فطرت کے گھر شب کو رہی ہے
 صنم نے بات جو مجھ سے کہی ہے
 کہ اسکی چشم سے ندی بھی ہے

جو دیکھا غور کر کے ہم نے فطرت
 سرخی ہے جو رخساروں پہ اُس غنچہ دہن کے
 ترے دیوان کا رنگین ہر ورق ہے
 ہوگی نہ کسی پھول پہ اس شان کی سرخی

دل گلشنِ سینہ میں بیل کی طرح چمکا
 ہرستے گلشن میں آنکھ اُس نے لگائی ہے
 جو وقت کہ گلو کی تصویر نظر آئی
 یہ دخترِ رزم کو بے پیر نظر آئی

غالباً اصل لفظ صحیح تھا جو سمجھو سے اس طرح نظم ہوا

کس طرح ہاتھ سے اُسکے ہو رہائی دل کی
زلف بل کھائی ہوئی کان پہ یوں بہتی ہے
گرچہ زنجیر سے بچ جائے تو سمرن مالے
جس طرح سانپ پٹالے سے نکل پھین مالے

اگرچہ اپنے عاشق پر سدا اُس نے جفا کی ہے
نہ تھا جب تک کہ دخل غیر بیت اللہ کہتے تھے
وہ اسکو توقع اب تک مہر وفا کی ہے
کہو سب یہ ملکر دل کو بتائیں جاکی ہے

ولا اُسکی کمر کو دیکھتا کیا ہے تاتل سے
تر پٹنے کے سوا دم بھر نہ ہونے چین بجلی کو
نہ آدگی نظریہ حضرت باری کی باریکی
دھکے دیکھے دوپٹہ پر اگر اُس کی کناری کی

کدورت کو نسی آئینہ رُود کے آگئی دل میں
رگائی آگ دل نے اور بھجائی دو نہی نکھوں نے
جو ہم سے ترک کر دیں سنو وہ باتیں صفائی کی
مقابل ہو کے آئینے کے تو نے خود نمائی کی
نہ کہتا تھا میں نے ظالم کہ صحبت کا اثر ہوگا

ہم اُس سے راز دل کہنے نہ پائے غیر کے عہد
مُغ خورشید لا یا پڑے گلوں سے جام اپنا
رہی آخر کو جی میں بات اپنے جو کہ تھی جی کی
خبر پہونچی فلک پر جب ہماری مے پرستی کی
میاں فطرت غضب لایا تمہارا راس ہے جسکی
گئی ہے شرق سے تا غرب شہرت خانہ جنگی کی

تلسے یہ نہیں چرخ پہ ہیں دانہ انگور
تنبیہ دی جو سر کو ترے آم سے میں نے
کیوں پر مغاں کہیو کہ کیا دور کی سو بھی
گردن کے تناسب میں پھرا چور کی سو بھی

دیکھ کر آپ کو غصے میں مری جان بھرے
رہ گئے دل میں مرے سیکڑوں رمان بھرے

گوئے ہو جائیں نکل آئے گلے میں گلٹی
بغل میں جب سے وہ ہر راحت جاں
لگے ہے روز و شب دیوانہ آسا
بنیفض چشم تر سر سبز و شاداب
جھوٹ سچ بول کے جس نے یہ ترے کان بھرے
ہمارے اس دل بیکل کو کل ہے
مگر ناصح کے سر میں کچھ خلل ہے
اسے فطرت ہر اک دشت و جبل ہے

بس ہے ہم کو لباس عریا نی
ہر سخن اس کا شمع ساں لے دل
ہم سے بدظن کبھی نہ ہو گا تو
خوب دیکھا تو دل ہی لے فطرت
صبا بتا تو یہ کس کے آنے کا آج گلشن میں شور و غل ہے

کلی کو جو بیکلی ہے ایسی گلوں کی چھاتی پہ گل پہ گل ہے
روز و شب رہنے لگے وہ چشم تر سوکھے ہوئے
کھیت ڈھانوں کے جو آتے ہیں نظر سوکھے ہوئے
ہو گئے اب تو ہر ترے شجر سوکھے ہوئے
اشک ریزی سے نہ رہتے تھے جو غالی ایک دن
چشم زہر آلود کس دہقاں بچہ کی لڑ گئی
حضرت عیسیٰ کے لے فطرت سحاب فیض سے

کیا شیخ کیا برہن تلقین کریں و لیکن
نہ تنہا مراد دل دوانہ ہوا ہے
مراقبہ دل تیرا مسکن تھا جاناں
مقرر ترے واسطے تیلیوں کا
خجل شک سے آئینہ ہے یہاں تک
پھر جائے اگر صنم تو نہیں مجھ کو جائے غم
متوجہ ہم بسوے دیر و حرم نہ ہوں گے
کہ شیدا ترا اک زمانہ ہوا ہے
سواب فوج کا غم کی تھا نہ ہوا ہے
مری چشم تر میں خپا نا ہوا ہے
کہ مشکل تجھے منہ دکھانا ہوا ہے
میری طرف سے میرا نہ ہرگز خدا پھرے

دستک ہے تباہی میں عالم ہزار حیثیت
فطرت کے دل سے جاے خیال اُسکا کس طرح
اب تو کہیں زمانے کی یارب ہوا پھرے
تصویر جس کی آنکھوں میں صبح و مسا پھرے

اسی میں نام ہی منظور کی طرح فطرت
کہے جو تو بھی انا الحق تو دار پر مارے

کیا ہوا سخت جگر کس واسطے آتے نہیں
بے تکلف کر دلا اُس سمبر پر سے نثار
شاہراہ چشم کیا کچھ ان دنوں مسدود ہے
گو ہر جاں اور نقدِ دل ابھی موجود ہے
اُسکے ابرو کے سوا کعبے کو جو سجدہ کرے
مذہب عشاق میں پوچھو تو وہ مردود ہے

یہ ستم کیونکہ ہوں موسم گل میں بلبل
جل کے فطرت نے کہا شمع سے یوں باحسرت
دام سے غم کے رہا میں نہ ہوں در تو ہو
اُسکی محفل میں بھلا میں نہ ہوں در تو ہو

کر کے مقراضِ محبت جگر کے پُر زے
ہنس کے فطرت سے کہا ہم نے نئے گل کترے

ایسے پتھر سے جسے ہم ترے در کے آگے
ہر زمان بابِ جابت کا کھلا رہتا ہے
ٹھو کریں کھائیں بہت تو بھی نہ سر کے آگے
لے دعاے سحری تیرے اثر کے آگے

گو مثل کتاں دل کے مرے ٹکڑے ہی ہو جائیں
ناصح کی سنوں کیا میں نصیحت کو کہ ایسی
کرنی ہے پر اُس مہ سے ملاقات مجھے بھی
ہیں یاد نقص اور حکایات مجھے بھی

نوح کے طوفان کی ہم سے ہماری ہوتی نہیں
کر جو کچھ لے چشم دریا بار تجھ سے ہو سکے

جو کر یا لطف کر ہو جس میں اب تیری خوشی ہے مجھے منظور جو خوشوار تجھ سے ہو سکے

کشتہ ناز ترا بھریں یوں ہے بیتاب جس طرح جان تڑپ کر کوئی بسمل توڑے

درد لرزے پھرے ہو ہوا و ہوس مجھے زیر فلک قرار نہیں یک نفس مجھے
کس سے میں اُس کے ظلم و ستم کا بیاں کروں ملتا نہیں جہاں میں کہیں داد رس مجھے

سادہ وضعی تری ہم کو تو پسند آئی ہے گو طرح دار پھریں لاکھ پھین دکھلاتے

بارش جو بند چشموں کی امساں ہو گئی کھیتی ہمارے سینے کی پامال ہو گئی
اُس گل کے دست پاکی نزاکت کو دیکھ کر توصیف میں زبان حسنا لال ہو گئی
جس دم چمن میں ناز سے اُس نے کیا خرام ہر گل کے حق میں چال وہ بھونچال ہو گئی

مہر دمہ آپ کو گو لاکھ حسین بستلاویں اُس سے ذرہ بھی نہیں شکل و شادست ملتی

چاکلے امن ہو فقط شب ہی نہ لے مہر لقا ہیں ترے غم میں گریبان سحر کے ٹکڑے
ٹھو کریں راہ میں کھاٹے گا کھانتک اُسکی ہو گئے اب تو دلا کاٹہ سر کے ٹکڑے
رات دن بھر میں ان لالہ رخوں کے بہہ بہہ اشک گلگوں نے کیے دیدہ تر کے ٹکڑے

معلوم مجھے ہوتا ہے آغا ز جنوں کا اے ہم نفسو کرنی ہے تدبیر ابھی سے
ہر بار مجھے یاد دلاتا ہے یہ اُس کی موت کھینچو سینہ کا مرے تیرا بھی سے

آہ کرتا ہے دل بیمار اُٹھتے بیٹھتے دست بردِ غم سے ہی لاچار اُٹھتے بیٹھتے

آتشِ غم کے ہیں شرِ میرے بھی ستار گاہ کتنے ہیں جس کو سب فلک اپنا ہی دوا ہے

پڑے کیونکر نظر نقش و نگارِ خوب رویاں پر مری آنکھوں میں تیری ہر زماں تصویر پھرتی ہے
صمیمی دوست ہو جاتے ہیں دشمن سے سوا دشمن نگہ جس وقت تیری لے بُت بے پیر پھرتی ہے

مہرِ گل میں ہی مرا راحت جاں جلوہ نما تو بھی گوارہ رحمت کو صبا ہوا ہے
ہونہ بیل کا رُفوزِ خمِ جگر جزِ رگِ گل رشتہ ماہ سے گو چاک کتاں سلوا ہے

فضل سے حضرت عیسیٰ کے ترکِ فطرت ہو گئے اب تو بھی عقدہ مشکل والے

اشک میرا غیرت گوہر بنے اور ٹوٹ جائے حیف ایسا چشمِ تر جوہر بنے اور ٹوٹ جائے
سیل شکوں سے ہمارے قصرِ دل یوں مٹ گیا ساحلِ دریا پہ جیسے گھر بنے اور ٹوٹ جائے

دل میں خواہش نہ ہے اور طرِ حداروں کی اُس سحیلے کی اگر کوئی پھین کو دیکھے
جھڑ لگائے نہ کبھی ابرِ زفرِ طِختِ جلت چشمِ خونبار اگر تیری پھین کو دیکھے

اس سرے پنجرِ وزہ میں مسافر ہیں بھی عیش و عشرت کے دیارِ نج و محن کے واسطے
جانِ دل لائے ہیں فطرتِ ہم بھی پناہ کو اُس بُتِ جادو دادا و بیم تن کے واسطے

ماہ روپو اپنا جاناں اور ہے
 درس لے ہیں جس سے عالم عصر کے
 گر چہ دل دشت جنوں طے کر چکا
 اشکوں کا اگر سیل رہا یونہی تو پھر ہم
 میزاں کا ترے حسن کی پلہ ہے گرا نبار
 پھر خاک میں ہم اُنکی ملا دیں گے پرستش
 جس طرح کو چہ سے تیرے ہم گئے
 اُسکے در پر مثل سنگ آستان
 غم غلط کرنے کو آئے تھے سو ہم
 بھری ہیں غنچوں کی ہر سو صراحیوں سے
 ہر ایک گل کو پہنا کر لباسِ بوستلوں
 وہ سر و سہی ہو جب خراماں
 شرمندہ ہے رخ سے ماہ تاباں
 پہونچے نہ ترے سخن کو فطرت
 اڑے میں اب تو صورت دیکھ پائی آپ کی
 سختی و دوری سے ارضِ جہنم کی مجبور ہیں

ر شک ہر و ماہ تاباں اور ہے
 اپنا وہ طفل و بستاں اور ہے
 لیک و حشت کا بیا باں اور ہے
 ان چشموں کو رشک جہنم و گنگ کریں گے
 ہم اُس میں مہر کا پانگ کریں گے
 ایسا ہی جو دل ہم سے صنم سنگ کریں گے
 یوں تو ہستی سے عدم کو کم گئے
 اس قدر بیٹھے کہ آہِ حشر جم گئے
 بادلِ بریان و چشمِ نم گئے
 کہاں ہیں آئیں و مہر کھیلیں میکشاں ہو لی
 لگا ہے کھیلنے اس ڈھبے گلستاں ہو لی
 بر روے زمیں قیامت آوے
 یہ نور و ضیا کہاں سے پاوے
 باتیں کوئی سیکڑوں بناوے
 لیجئے یہ نقد جاں ہے رونمائی آپ کی
 ورنہ یاں منظور ہے کس کو جدائی آپ کی

لب بند کر رکھے ہیں ولے تیری باک سے
 کھینچی گر آہ تو نے دل دردناک سے

دینے میں ہم جواب کے بیاک ہیں بہت
 تھرا اٹھے گا گنبد و وار فطرتا

ہم نے بھی دیکھا اگر تو کو نسی تقصیر کی

ایک عالم دیکھتا تھا قدرت حق کو صنم

جس خرام ناز سے آئے زمیں پر زلزلہ
کیوں نہ ہو عاشق کا دل پامال اس فتنہ سے
اس لیے ہی ذوق ہمدست پرستی سے مجھے
ہر گرجاں کو ہی رشتہ رشتہ اڑتا رہے

آتش حسن سے جل جائیں گے عشاق تمام
شعلہ نور اگر تیرا بدن دکھیں گے
نا توانوں پہ تو انائی نہ اتنی بھی جستا
ایک دن زور ترا چرخ کہن دکھیں گے

دل سے خیال تیرے سراپا کا کیونکہ جائے
تصویر چشم دل میں یہ اسے یا رکھنچ گئی
تن پر مرے کشاکش زلف بتاں سے آہ
ہر گرجاں مثال رشتہ رشتہ اڑتا رکھنچ گئی
اب تو ہمیں چھکائے مے خوشگوار سے
بھٹی تری تو ساقی سرشار رکھنچ گئی

اس قدر تو نے حنا کو کر دیا گُستلخ دیکھ
لگ کے تلووں سے ترے ہاتھوں کو ملوانے لگی
کیا غضب ہے پہلے ہی ل پر ضعیفی تھی قوی
نا توانی بھی اب اپنا زور جستانے لگی

بجائے گرمخ سکوں سے موڑوں خیال صبر و قرار چھوڑوں

ترپ کے ہر لحظہ جان توڑوں کہ دل بہت اضطراب میں ہے

غم و الم دل سے سبٹائے جہاں جانناں تجھے دکھا دے

دوئی کے پردے کو جھٹ اٹھائے یہ وصف زاہد شراب میں ہے

ہو خاک ہستی میں ان تلووں کو چوما
یوں حسرت دل ہم نے بھی ہر بار بیکالی
بس ایک ہی ساغر میں دوئی اٹھ گئی دل سے
کیا تو نے یہ مے ساقی سرشار بیکالی

نکل جاو گی آخر ایک دن گھبرا کے قاربے
رہیں گے جاں مسکیں پر جو یونہی دزد و شب سانسے
سوا اشکال خارج کے نہ آئے ایک بھی داخل
اگرچہ لوح دل پر ہم نے ڈالے بار بار پانسے

نہیں قطرے عرق کے اُس پر پی پیکر کے عارض پر
ذرا تو آن کر بیٹھو کہ ہم نے اشک کی کلیاں
سے ہو کر م صحبت کون سے کافر سے لے فطر
کر رہیں ہیں اقتباس نور انجم مہر تاباں سے
بچھائیں چشم کے نیگلے میں چکر شلخ مرگاں سے
کہ جسکے فیض سے واقف ہو تم دین ایساں سے

تصدق اُس پہ بن دیکھے کروں جان و جگر پہلے
جہاں میں کوئی مجھ سا ہو تو لے شور ید سر پہلے

ہماری داغناے دل کی جس نے روشنی دکھی
بخوبی دیکھ لے بدر سماے دانش و فطرت
ہیں مقرر اس پر کہ تقدیر کے آگے ہمد
اٹھایا پھر نہ اُس نے خط چراغان دیوالی سے
نہیں ہے شعر کم میرا بھی اشعار ہلالی سے
بارہا دیکھا ہے تدبیر کو پلے کھاتے

فدوی اگر چہ لائق اثمار و گل نہیں
ہے آدمی کو علم کی شد بد ضرور ہی
گر مال زریہ تجھ کو نہیں سترس تو دل
در در لے پھرے ہے اڑاتی ہوئی صبا
رکھتا ہو ہاتھ قبضہ میں جنبش سے لب کی جو
لوہیں اُس نے کیا فریب دیا
اُس کا نقش قدم جہاں دیکھا
ہم نے رور کے چشم کو کھو یا
ہمسفر رہ گئے تھک تھک کے رو عشق میں پر
ہو گئی حضرت عیسیٰ کے کرم سے فطرت
پتہ ہی کوئی اُسکو بتا کچھ تو چاہے
ہوتا کہ جس سے کار و کچھ تو چاہے
کر اُس پہ نقد جاں کو فدا کچھ تو چاہے
اب تو ہماری خاک خدا ایک سو کرے
فطرت پھر اُس سے کیونکہ کوئی گفتگو کرے
بادشاہ کے بیوٹائی کی
پھر تو واں ہم نے جہہ سائی کی
واہ جی واہ کیا کسائی کی
کر گئے طے یہ ہمیں دیکھ لو منزل بھاری
اب تو آساں تری کو نین میں شکل بھاری

جو دیکھے دیر میں اُس بُت کے حُسن کا جلوہ
وہ کس طرح سے کہو جانبِ حرم پھر جائے
کر و قیاس بھلا وہ غریق کیا اُچھلے
کہ جسکے سر پہ سے دریا درد و غم پھر جائے

کیا وعدہ وصال صنم کچھ قریب ہے
جو خار ہجر دل میں کھٹکنے سے رہ گئے
تزمین زلف جبکہ ستاروں سے اُس نے کی
یلدا کے بیچ تارے چھٹکنے سے رہ گئے

فطرت جگر بھی چشم بھی دل اور جان بھی
رہنے کو اُسکے ہیں یہ شبناں نے نئے

دل سے ہی اپنے دل کا سوال جواب ہے
شام و سحر نگاہ میں غم کی کتا ہے
ہستی کا بحر واقعی مثلِ حباب ہے
اس سطح پر جو نقش کھنچا نقشِ آب ہے
گردش میں ہم کو آتا ہے عالم بھی نظر
دور فلک ہے یا کہ یہ دورِ شرا ہے
اس گلشن جہاں پہ تو فطرت نہ پھولیو
جو گل کھلا ہے اس میں وہ پاؤں رکا ہے

یہ ایک بھر کے ٹھنڈی سانس دیتا ہو حسرت سے
اگر شفقت سے کوئی پرسش احوال کرتا ہے
نہ کر بہرِ خدا بیدارے صیاد اتنی بھی
کوئی بیل کے فصل گل میں بال پر کرتا ہے

گہ پری گہ آدمی گہ حور کہتا ہوں اُسے
گہ تجلی طور کی گہ نور کہتا ہوں اُسے
جبکہ موسے کی طرح چڑھتا ہوں کوہِ عشق پر
گاہ سینا اور گاہ ہے طور کہتا ہوں اُسے

گو گلوں سے ہی مرے گلشنِ سینہ کی بہار
صرصرِ غم سے دے خوفِ خزاں رہتا ہو

علمِ حبوت قاتل تیغِ خوں شام کرتا ہے
 جو کچھ جو رو جھنا تھ پر وہ صبح و شام کرتا ہے
 بحرِ ہستی سے اسے حبابِ تجھے
 ہم کو خوابِ عدم سے اسے فطرت
 محفل میں ایسے رندوں کی اسے محبت جا
 گالی سے مانتے ہیں جھڑکی سے کچھ بُرا
 دل جو نظروں سے وہ گرا دیں گے
 چاہ پر جن کی پھولتا ہے دل
 دل تو کیا جان بھی اگر جاوے
 دشت ہے دارِ الخلافہ اور ہی دشتِ سریر
 کسی کی پھر نہیں سنتا ہے قتلِ عام کرتا ہی
 دلا کیا غم ہے وہ اپنا جہاں میں نام کرتا ہی
 ایک دم میں مٹا دیا کس نے
 سچ بتا تو جگا دیا کس نے
 ہو دور آفتاب جہاں وقتِ شام سے
 فطرت ہیں تو کام فقط اپنے کام سے
 اشک ساں دیکھنا نہ پاویں گے
 وہ ہی اسکو کنویں جھکاویں گے
 عشق سے ہم نہ باز آویں گے
 خبط ہی دستور سودا شاہ والا جاہ ہے

ساقیا مخمور جس مے سے ترا میخانہ ہے ہے وہ جلوہ نور کا کون و مکان پایہ ہی

مثلِ شبنم گلشنِ ہستی کی فطرتِ سیر کو ایک دم بھر کو بچشمِ زار آئے اور گئے

چشمِ چشم سے دیتا ہوں ہمیشہ پانی
 فطرتِ اُس دوش پہ دیکھا جو دوشالہ کا ہی
 اس سبب سے ہیں مرے زخمِ دل نگار ہرے
 کشتِ امید مرے ہو گئے اک بار ہرے

بے سبب آزر دہ جو وہ ہو چلے ہم کو جیتے جی جہاں سے کھو چلے

ہم جب اُس کو چہ میں قہر کے جلے جا بیٹھے لوگ ٹالا ہی کے پر نہ ملے جا بیٹھے

فراق تیرے میں لے ستمبر گزر رہا ہے جو کچھ کہ ہم پر

سنا میں کس کو یہ حال جا کر فقط کرم پر ترے نظر ہے

سرکشی کی نہ رہی تاب کسی سرکشی میں جھاؤنی یار کے کوچے میں جو ہم چھاپیٹھے
جی میں آتا ہے کہ ہستی سے اٹھا کر دل کو کیجئے ذکر کچھ اس کا کہیں تنہا بیٹھے

لے سر سے وہ ہے تا بقدم نور کا شعلہ آئینہ تاباں سے بھی شفاف وہ تنہا
جا رو بکشی کرتے ہیں جس کو چہ کی شاہاں سچ پوچھو تو وہ کو چہ ہی فطرت کا وطن ہے

آتا ہے نظر دیدہ نم تیرے سبب سے دریا میں ہر اک نئی میں ہر ڈہریں پانی
یوں اشک بھرے بہتے ہیں چشموں میں ہماری لبریز ہو جس طرح کسی نہر میں پانی
فطرت کو ملا قلب یار کا شربت حاسد سے کہو پیوے ملا نہر میں پانی

تخمیں غزل حافظ

مطر بامیکنی بسانہ ہنوز نہ سرا ئیدہ ترا نہ ہنوز
می کشم آہ عاشقانہ ہنوز مستم از بادہ شبانہ ہنوز
ساقی ما زلفت خانہ ہنوز

بحر الفت میں مار کر ڈبکی تا بخت دور ہم نے یہ ڈھونڈھی
نہ لگی ہاتھ ایک بھی سیپی در دریا سے عشق می طلبی

جاں نیا ورد در میا نہ ہنوز

تخمیں غزل قتیل

روز و شب ہوتا ہے کس واسطے فطرت مغموم ہو گئی مہر و وفا دہر سے بالکل معدوم

کیا یہ احوال نہیں تجھ کو سنگرم معلوم
 اے کہ پُرسی خبر از حالِ قتیلِ معلوم
 دیدہ باشی تن بے سر سرِ راسے گا ہے
 تخمیں غزل رنگین

سنو ماجرا ایک دن کا پیر و
 مجھے ساتھ لے کر چلا سیر گل کو
 شفیق اتم ہی دلا پا کے اُس کو
 کہا میں نے مجھ کو غلامی میں لے تو
 مرے ہونے سے تجھ کو آرام ہوگا

حقیقت جو تھی اس گرفتار دل کی
 مفصل بیاں دبر و اُس کے کر دی
 سر مور ہی کچھ نہ جس وقت باقی
 تو جھنجھلا کے بولا نہ بکلا تنا داہی
 بے چل مرا تجھ سے کیا کام ہوگا

ہوا سُن کے یہ بات فطرت جو غمگیں
 سرِ لطف آ کر ستمگار و وہیں
 لگا کہنے ہنس ہنس کے ادھر تسکیں
 نہ کر عشق میرا کہا مان رنگیں
 خدا جانے کیا اسکا انجام ہوگا

تخمیں غزل جنوں

دشت میں پھرتے ہی پھرتے آج مجنوں مر گیا
 سر کو پتھر سے رہا فرہاد اپنے پھوڑ تا
 شرح اُن سودا زردوں کی اب کرو نہیں تاکجا
 خاکساروں سے موافق کیسے دنیا کی ہوا
 راہ میں تیری گئے جوں نقشِ پا بردا د ہم

مجنوں

تو ہی ذرا چشمِ برسنے پہ آ
 اشک کے قطرات سے اپنے بچھا
 دیکھ تن زار کو آتش لگا
 شعلہ آہ دل سوزاں مرا
 دود ہوا اور ہوا ہو گیا

بخشی ہو گو اُسے تجھے لے حورِ جنت بے غمی
کرتی نہیں اس کبر سے عاشق کی تو کچھ ہمد می
تجد پر جو ہم ہوں مبتلا کس چیز کی ہے یاں کمی
ہو قدرت حق جلوہ گرا ز مشیت خاک آدمی
ہر ذرہ را پنہاں بود خورشید تاباں در بطن

فرماں سے ہو با ہر ذرا مقدور کیا انسان کا
جن پری حور و ملک ارشاد لاتے ہیں بجا
میں سرکشی کیونکر کروں لے ہمد ہو کہتے ہو کیا
از حکم چشم مست او کس سر تا بد گوئی
دارد نگاہِ نازا و مہر سلیمان در بطن

رکھے حرام پہ نیت جہاں میں جب قاضی
حلالِ خاک کو سمجھے بہر منطِ مفنستی
جلا میں بادہ کے پینے پہ زاہد اپنا جی
مدام کیوں نہ کریں رند آستانِ بوسی
حرم ہے شیخِ مشیخت مآب کے گھر میں

انتخاب کلام فارسی

خوب کردی گر نہ رفتی در میانِ بزمِ او
قدر و منزل در صفتِ گل نیست برگِ کاہِ را

خرمن ہستی خود را فطرتاً محفوظ دار
چونکہ برقِ مہرِ رویش سوختہ انبارِ را

از پردہ ہائے سینہ و سوزِ درونِ ما
مطرب بچیر تم کہ خبر داد چنگِ را
تشبیہ می دہند بہ غسلِ یمن بہ میں
فطرت چہ نسبتے لبِ یارِ رنگِ را
چرخ میدار و این لباسِ کبود
از غم و درد سو گوارائیِ ما
ہاں تا رہِ نگاہِ صنم و سوزِ نثرِ گان
باید دل صد چاک مرا بخنی گریِ را

ای شاه داد گستر از تو عجب نباشد از لطف خود نوازی گرفتارت گدا را

از میکشی بکند برین نادوم نیاز زاهد ترا چه عشم ز حلال و حرام ما

یارم بخود چه جلوه خود را نموده تر سایه دو مومن و آتش پرست را

تلمیذم ابر نیست فقط در گریستن حاصل نموده برق زمین اضطراب را

ز آن ساعتی که کرده آغوش من تهی بهر سکون بس مست سرم در کنار ما
سیماب ساکن ندارد بتا ز غم از فرط اضطراب دل بهیترار ما

بهوشیاری گرنمی خواهی ز سرشاری دلا از شراب شوق او لبریز کن پیانه را

مغز من از نصیحت بهیوده بس مخور ناصح ترا چه کار ازین خوب زشت ما

چون نکردم سر خرد در چشمم همچو پیمان خود دیده خونبار داده خامه رنگین مرا

واقف در دلیج نبودم بزیر چرخ کرد عشق تو بناله و افغانم آشنا
ندیده کس چنین رشک پری را کند بنده بستان آذری را
بحسن تو که آب و رنگ داده گل روی تو باغ دلبری را
خرام ناز تو ای سر و سرکش ز پا انداخته کبک دری را

بیک گردش نمی دایم که چشمش
 غرور حسن در دل بس که داری
 جهان را بعشوه می فریب
 فروغ شمع روئے یار فطرت
 ساقی مراد میکند خویش کن عطا
 چه گردش داده چرخ چنبری را
 نهی زین کج کلاه سروری را
 زکے آموختی جادوگری را
 به رشک انداخت مهر خاوری را
 جام بلور بهر صبوحی پراز شراب

بشورش که ز چشم سرشک می ریزد
 صفائی آبله سینه ام اگر بیند
 بوقت غسل بت رشک ماه می سازد
 بدین روش نکند موج اضطراب در آب
 غریق کج حیرت شود حباب در آب
 بسان بنده قدیم آفتاب در آب

تکلیف ای طبیب مرا پیش ازین مده
 دارد مریض بجز وصلش شفا طلب

تاب تو ان و عقل دل و دین که داشتیم
 دشمن جانی مرا گشته حبیب
 تیز تر شد آتش شوقم بدل
 از فروغ شمع روئے گلبدن
 در راه عشق اینهمه برداشد نصیب
 و ای طالع و ای قسمت و نصیب
 و عده وصلش شده چو عنقریب
 سوخته پروانه آسایند لیب

نه از بلبل نه از گلزار مطلب
 شود گر طالع ناساز سازم
 نهم چو سر به پیش خنجر او
 نحیف و زار زین گشتم که دارد
 مرا از سیر باغ یار مطلب
 به یار خود کنم اظهار مطلب
 که هست از ابروی خدای مطلب
 دلم با نرگس بیمار مطلب

مکن آئینہ دل را مصفا
 بشیرین هست مارا ہچو فرہاد
 صبا گر عقدہ زلفش کشاید
 قیاس کن کہ چہ خوش گفت عاشق لے فطرت
 ز کویم قاتلم دامن کشاں رفت
 عزم رفتن صنما چونکہ ز بزم محم کردی
 از چناں از غم ہجر تو بسر غلطیدم
 دردا کہ پیام مارساند
 اندیشہ مکن زیار ب ما
 فطرت کہ بمنزلت رساند
 اگر داری ز عکس یار مطلب
 فقط از کندن کسا مطلب
 بر آید فطرت از ہر تار مطلب
 چو خاک خاک شدن تہ کمال منت
 میدانم کہ چوں آمد چساں رفت
 شور آہے ز دل مومن تر سا برخاست
 کہ ز بیتابی من تاب زد لہا برخاست
 چوں پیک صبا ترا گذر نیست
 انگار کہ خالی از شرر نیست
 غیر از دل تو کہ را ہبر نیست

در دلم عکس روئے خود پیکر
 چوں پیام دل شیدا نہ رساند جانم
 بر آمرزش عصیاں بجہاں لے فطرت
 کہ در آئینہ این صفائی نیست
 کہ در آفاق دیگر نامہ برے پیدا نیست
 جز در حضرت عیسیٰ دیگرے پیدا نیست

صدنگ مذلت بسر شیشہ ناموس
 از ولولہ عشق تو رسوای تو انداخت

در دل سنگیں دلار، لے دل نیگر دواثر
 محض بے جا آہ سر دگر یے خونیں عبرت

زان روز سر خویش بہ تیغ تو سپردم
 نقاش ازل کرد چو ابرے ترا کج

بس قافلہ عمر بکروست کہ فطرت
مسموع نہ کرد و کس آواز در اینچ

اندر لطف کرم بر حال فطرت کن نظر
زانکہ می آید بکویت خاک بر سر ہر صبح

دیدیم چشم بار سپید و سیاہ و سرخ
در حالت خمار سپید و سیاہ و سرخ
رینم جواہر از غم ہجر تو اسے صنم
از چشم اشکبار سپید و سیاہ و سرخ
در آئینہ ز عکس رخ دزلت عنبریں
پیدا شدہ شرار سپید و سیاہ و سرخ

در دہر دے طالع آنکس کہ چو فطرت
دست طلب خویش زد امان تو بر زد
از زلف برخ نقاب کردند
خورشید تر سحاب کردند
در ساغر دل ز گرم جوشی
یک قطرہ ز آفتاب کردند
ظلم و ستم و جفاے خود را
امروز ز خودش حساب کردند
در بحر فنا بقاے ہستی
افسوس کہ چوں حباب کردند
دیدند چو اضطراب فطرت
تسکین دلش بہ آب کردند
فطرت ز صدق ہر کہ سر خویش را نهاد
فدائے تو ہی ساز و دل و جان
مشو شاکی ز بے پروائی او
خدا را وصل جانان روئے بنا
شوق دیدار تو لے نور تجلی از بس
کہ تاب ہجر مجورے ندارد
سجدہ شکر بہر لحظہ ادا چوں نہ کنسم
مثل آئینہ بہر خانہ مرا حیراں کرد
ایں منزل عشق طے نہ کرد
خالق المخلوق ترار شک پری انساں کرد
تا مثل تو را ہبر نہ باشد

درون سینه بیک دم دلم دو نیم شده صفای خنجر مرثگان یار باید دید

زهر زه گردی و بهیودگی دل فطرت مرا ز صحبت آن گرچه عار می آید
بوقت بد پس نا خلف ز ر نا قص بگفته اند بزرگان بکار می آید

که از خیال وصل دلم میشود خموش گاهی ز درد و هجر تو سر یادمی کند

خواهم که رفع غم کنم از باد و چرخ دوان خون دلم بجای می تاب می دهد
هر کس که بحر حسن ترامی کند نظر کشتی عقل خویش بگرداب می دهد

چون کفر دلم مایل اسلام نه گم و دید از روز ازل چونکه پر شاربتاں بود
ز بد خواه در دل کدورت مدار که آئینه تیره سازد غبار
بکش نفس اتار و خویش را که آرد هوایش نیاید بکار
سبک تر گذر زین پیچی سر آ که درد جلد ماند خرابار دار
به گلزار دنیا دل خود بسند که این باغ را نه ثبات و قرار
بگفتم همه لایق گفتنی ازین پیش فطرت ترا اختیار

کار من کردی و در کاری هنوز هر چه در دل داشتی داری هنوز
گرچه صد جور و تعدی کرده باز آ باز که دلدار می هنوز
در جگر ز حشم نهان داشتم پس چرا بر ما ستم آری هنوز
آتش حشم جسم زارت سوخته دایم بر غفلت که غمخوار می هنوز

شد رها فطرت اسیر هرچین
تو بفضل گل گرفتاری هنوز
بسان پاره افکند سر شک گرم مرینه
مرا براسی خدا چشم اشکبار مسوز

جلوه بنمود و شد در پرده آں پرده نشین
دل ز دستم رفت من محو تا شایم هنوز
بارها فطرت نمودم عرض حال
مهرباں تا هم نشد یارم هنوز
چوں شدی در کلبه احزان مار و نق فزا
خاک را خویش را کردی بعالم سرفراز
غم دلدار غمگسارم بس
لے فلک یاد یار یارم بس
مونس و غمگسار تنهایی
دل فطرت پے شکارم بس
تیر ناز صسم ہے گوید
که ماه و مهر تاباں هم نمی زید بیا سنگش
کف پای توای دلبر نهی نور و ضیا دارد
چوں نام تو غفار مطلق
چساں ترسم ز نار و از عذابش

همی خواهی اگر فطرت حضوری
بیاد هر زمان می نوش می نوش
شد چو از روز ازل حرف نوشت ما غلط
زین جهت املای ما گردید و هم انشا غلط

از زود و کوب که در محفل رنداں گشته
در جهاں گشت فزوں عزت جا به واعظ
میکند شام و سحر خلق حسد را اگر اه
خوب دیدم که هین ست گناه واعظ

از نرمی گفتار تو و ز گرمی رفتار تو
خداست یاغریک طرف گریانت مینا یک طرف

مضرب غم که زخمه زن چنگ بینه شد
آمد صدای درد ز دل چوں صدای دوت

کارے چناں نشد کہ بکار آمدے مرا
 ز تو آباد شد ویرانه دل
 من آں مستم که ساقی ازل رخت
 بحد اندک شد با کعبہ ہمسر
 عمرے شدہ دریغ بہ لہو و لعب تلف
 مرد بیرون ازین کاشانہ دل
 مے عشق تو در پیمانہ دل
 ز تو اسے لعنم بتخانہ دل
 جز نام تو من و روز باں نام ندارم
 من مست مے حسن بتا نیم کہ ساقی
 غیر از تو ز خوبان جہاں کام ندارم
 ہیچ از تو تناسے مے و جام ندارم

آوردہ ام ازاں گہرا شک پیش تو
 در آب چوں بہ از دُر شہوار دیدہ ام

آں کشا و رزم کہ دایم در زمین سنگلاخ
 بہر کشت ہر سخنور تحفم مضمون انگنم

در صنعت منقلب

دلبر عیار من یار وفا دار من
 دیدہ خونبار من کان بدخشاں شد
 یار وفا دار من دلبر عیار من
 کان بدخشاں شد دیدہ خونبار من
 ساقی سرشار من جام صبوحی نداد
 لعل شکر بار من چشمہ آب بقا
 جام صبوحی نداد ساقی سرشار من
 چشمہ آب بقا لعل شکر بار من
 خنجر خونخوار من قتل جہاں میکند
 قتل جہاں میکند خنجر خونخوار من

فردوں صد چند از آب حیات است
 دلبری جاں پروری عاشق نوازی خاطر
 نگار من لب جاں پرور تو
 غمزه و ناز و ادا و عشوہ خانہ زاد تو

بیا در محفل رندان کیش جام می گلگون
خو ر غم ز ابد اگر هست ایام صیام تو
چه بیم از طوفان یرودیدن روی بت زیبا
گذشتم ز ابد از مسجد دار السلام تو
براه عشق گر پیش از فنا خود را فنا سازی
بماند تا قیامت فطر تا مشهور نام تو
غیرت ماه چو حسن بت بے پر شده
دیدم مهر مبین دیدم تصویر شده

لب ها پر از شکایت بیداد کرده
ما می گویم که تازه چه ایجا د کرده

آئینه ساں ز نور تو دل بر قتاب شد
زاں ساعتی که زنگ جدائی زدود
بر باد رفت عمر تو فطرت بخواب خوش
بیدار شو کنون چه بغفلت غنود
لے آه چوں بسینه نگرود دلم کباب
ترتیب از تو یافتند دکان تازه
فطرت لبش آں صنم غیرت بتاں
بر خود گزیده مذهب و ایمان تازه

حیف است با وجود گهر های چشم من
تزیین گوش از در شهوار کرده
صد آفرین که کوچه دلدار فطر تا
ر شک ارم ز دیده خونبار کرده

نیست آگه ز پریشانی حال عاشق
جگر سوخته و چشم گهر بارش ده
گریه دزاری و بیتابی و شور سینه
نال و آه و غم و رنج و دل زارش ده

چوں خیال تو فراموش شود از دل ما
جلوه ناز که هر لحظه نظر می آئی
جام زرین بکف و شیشه نهاں در پهلوی
چشم بد دور که سر مست دگر می آئی
نه تنها گرمی بازار تو شد
ز جلوه آتش هم تیز کردی

فراق یار را اے چرخ پُر کیس
چکویم با تو لے آہ شر بار
من نہی گویم کہ مارا دادہ د شام ہا
از خرام غمزہ و رفتار با ناز و ادا
پے قلم ہر چنگیز کردی
تنم را غیرت گلرین کردی
گو ہر خوش آب از دُرج دہاں انداختے
زلزلہ در ہستی کون و مکان انداختے

عاشق بے سرو سامان تو لے مایہ ناز
نگاہ ناز بر حاسد فگندی
شکستی شیشہ صہبا سے عیشم
چو ہست حضرت عینی شفیع لے فطرت
نیست آگاہ ز درد دل سوز جگر می
حیا و شمن بکار من چہ کردی
بگو لے مے گار من چہ کردی
بدل چہ پاک ز روز شمار می داری

انتخاب کلام اسیر

شمع فانوس میں در پردہ جلے دیکھو
شعلہ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے بھر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت سے نہ جیتے ہیں مرتے ہیں

جو دیکھے مہر درخشاں پگاہ تیرے ہاتھ
کہے یہ کون ہی تجھ کو ہی چاہ تیرے ہاتھ
نہ کیوں ملوں گفت افسوس رشکے شانہ
کہوں میں جا کے بھلا کس سے ہو گیا میرا
فقط نہ میں ہی اسیر آہ تیرے ہاتھوں ہوں
تو دو وہی چوم لے لے رشک ناہ تیرے ہاتھ
ہم لے ہاتھ ہے یہ اور نباہ تیرے ہاتھ
سے ہی یار کی زلف سیاہ تیرے ہاتھ
خراب خانہ دل کج کلاہ تیرے ہاتھ
پھرے ہیں سیکڑوں یاں اُد خواہ تیرے ہاتھ

نکالی وضع سادی عالم تصویر کیا باعث
 جنوں ہم سے ہوئی کیا اس قدر تقصیر کیا باعث
 لب یوار بام آیا جو شب ہر مہ جیسے اٹھ کر
 نہ تھی اسکو ہولے حلقہ فزاک گر تیری

اسیر اس بحر الفت میں نہیں گر آشنا کوئی

تو کیوں موج رواں ہی صورتِ نجیر کیا باعث

ہے یاد کس کو طالبِ یدار کا علاج
 جنبش اسے ذرا بھی نہیں بے عصا آہ
 پر باندھ کر رکھا جو قفس میں کیا یہ خوب
 پوچھی طبیعت جو تپ عشق کی دوا

تھمتے نہیں ہیں قطرہ اشک ایک پل اسیر

کس شکل سے ہو دیدہ خونبار کا علاج

جانے تو دامن کشاں سوئے گلستان گل
 چاہیے تعمیر کیا مرشد عشاق پر
 بزم میں نندوں کی رات جو نہی گئے شیخ جی
 داغ ہی چپک کا کب ہم سے مکر تا ہی کیوں

اُس گل خوبی بغیر آنکھوں میں میرے اسیر

باغ ہے زندانِ منت، زخم نمایان گل

اس دخت نے کیا ستم ایجاد کی طرح
 یہ آہ شکلِ تیشہ ترے پاس ہے بھلا
 تیرنگہ سے آہوے دل کو کیا ہے صید
 شیشے ہی میں ہے ہے پریزا کی طرح
 دل کر تو شیر دیکھے تو فرہاد کی طرح
 بے دید تیری چشم نے صیاد کی طرح

مضمون باندھنے میں تو اب تک، فرد اسیر
 کھولے چین میں جا کے جو وہ گلزار بند
 کس شکل سے ہی میری بھلا چشم زار بند
 تیغ ہلال سے نہ ڈرا مجھ کو اسے پہر
 باندھا ہی آج صید فگن تو نے کوئی صید
 لیل نہار تیرے تصور میں سادہ رو
 لے مرغ دل کرے نہ کہیں دام زلف میں
 فانیہ میں چشم کے نہیں سخت جگر اسیر
 سنگدل کیوں نہ لکھیں ہم تجھے مرمر کا غد
 آب زر سے تجھے لکھتا بیت زر گر کا غد
 تجھ کو کس چشم پہ لکھے کوئی کاغذیے دید
 ٹکڑے قاصد کے کرے گھر میں بٹا کر اپنے
 یک قلم اس میں نہ کیوں طائر مضمون ہو اسیر
 چشم آئینہ دل واسے ملا بار نظر
 جب ہوا قاعدہ عشق سے مجنوں وقف
 نذر دل کرتے ہم اس بت کو لے کیا کیجے
 کچھ یہ طوفان نیا لائیگی شاید کہ اسیر
 بیل بست چرخ کی اسے ہی تدبیر شرط
 غور سے دیکھا جو ہم نے کھینچنا شکل حباب
 بزم محروماں میں شب کو سرکشی کرتی تھی شمع
 آہ سے تاثیر تو اب ٹھ گئی ہے بے اسیر

یعنی نصیر حضرت استاد کی طرح
 کھل جائے چشم غنچہ اگر ہو ہزار بند
 دیکھا بھی ہی کسی نے کہیں آبشار بند
 کرے نہ کوئی سیف بال سکی صہار بند
 تر ہو جو خون صید میں تیرا شکار بند
 آئینہ ساں ہو وہ یہ نہیں چشم زار بند
 ستیا دھن آج تجھے نار مار بند
 یہ طفل شک کے ہیں کبوتر نگار بند
 آہ کیا چھاتی پہ لے جائیگا دھڑک کا غد
 کیا کروں میں کہ نہ زر ہے نہ میسر کا غد
 اور پھر جائے کوئی کاغذیے کو لے کر کا غد
 اور پھکوائے وہیں بھاڑ کے باہر کا غد
 دام آسا ہے ہی رشتہ مسطر کا غد
 سادہ رو کیا تجھے لگ جائیگی کیا نظر
 صفحہ دشت پہ آیا الف خار نظر
 پھر آیا کبھی ہم کو وہ دل آزار نظر
 بے طرح آئے ہی یہ دیدہ خونبار نظر
 کہکشاں سے اسکو کرنی ہے دلا زنجیر شرط
 خاک ہی بحر جہاں میں نقشہ تعمیر شرط
 اس سبب کھنا ہے اسکا سرتیہ گلگیر مشروط
 پرہیں کرنا پڑا ہے نالہ ششگیر مشروط

ہوے ہیں طفل شک چشم ترا بر خدا حافظ
 نہ ٹوٹے طائر مرگاہ کا شہر خدا حافظ
 حذر کیونکر نہ آئے منہ جبین کے خال ابرو سے
 نہیں ہو داغ دل وہ شعلہ رو ہوتا ہی چشمک زن
 نہیں ہو ایک تے جوش جنوں سے خون گہاں میں
 لگاتا ہو دلا تو آہ کا نشتر خدا حافظ

اسیر اس شعلہ رو کی چاہ میں سیماں میرا

بہت بتایا ہے اب یہ دل مضطر خدا حافظ

آئے وہ شمع روجو مرے شربکاں تلک
 سرکش ہے دخت ز کوئی کہدے کہ معجزے
 مثل زبان خامہ تسلیم کیجئے زباں
 پروانہ ساں نثار کروں اپنی جاں تلک
 لاویں کشاں کشاں اسے اب میکشاں تلک
 لاؤں جو حرف شکوہ کبھی میں زباں تلک

ہم ہیں اسیر سلسلہ پیر عشق کے

موقوف قیس کے نہیں کچھ خاندان تلک

نثر ہیں نخت دل ورا شک خوں ہیں شک گل کلیا
 چمن میں ز گس شہلا کی آنکھیں دیکھ کر تجھ کو
 کبھو ننگے میں آ کر چشم کے بیٹھو کہ عاشق نے
 ہماری شاخ مرگاہان تے بارے پھولیاں پھلیاں
 گئیں کھل جو نہی تو نے اپنی آنکھیں شکے ملیاں
 بچھائیں توڑ کر شاخ مرثہ سے اشک کی کلیاں

اسیر اب یہ مشک کیوں نہو یکہ ستل میرا

کہ جس دل پر دلا دہ کے مرثہ کی برہمچیاں چلیاں

ہے سر بسر جفا جو لکھے ہو ہو تسلیم

جو سر نوشتے نہیں ٹپتی کسی طرح

لکھے اسیر یہ خط گلزار سے نہ کیوں

اوصاف خط یار بصد آرزو تسلیم

دل رہ عشق میں جانانہ سرشام کہیں
روز و شب اپنی یہ اوقات بسر کرتا ہے
دل بخارات جنوں سے تجھے ہذیاں تو ہوا
کہہ دیا ہے تجھے ہم نے کہ یہ ہے صید انگن
مردماں چشم نمائی نہیں کرنا ہے ضرور
ہے خطر خام طمع خاکی یہ چوری چوہدی
ایسی نزدیکی عارض سے وہ کا کل اُسکی
مار ڈالے گی تجھے زلف سے فام کہیں
زلف عارض ہی میں دل صبح کہیں شام کہیں
پر تب عشق میں ہو جائے نہ سر سام کہیں
طا کر دل ہمیں مست و مجبور الزام کہیں
طفل شک ہو دیں مگر تاکہ نہ بدنام کہیں
شاخ مرثگاں سے نہ توڑیں ثمر خام کہیں
کیا نہیں تم نے سنار و م کہیں شام کہیں

نا توں دل جو چلا بیٹھتے اُٹھتے یہ اسیر

آہ کب پہونچے گا اس حال سے ناکام کہیں

بن رشک نعر کس کو خوش آئے شب مہتاب
خورشید منط دیکھے جو عارض ترے تاباں
گل چاک کرے پرہن اپنا یہ کتاں وار
وہ رشک گل آتا ہے چمن میں کوئی کھدو
گلدستہ زرعت ترنیا کا بسا یا
ہر چند اگر چاند لگا دے شب مہتاب
مہوش تجھے پھر منہ نہ لگا دے شب مہتاب
تو چادر شبنم نہ بنا دے شب مہتاب
جھاڑ دے صبا فرش بچھا دے شب مہتاب
اب دیکھیے کیا گل نہ کھلا دے شب مہتاب

زخمی ہے اسیر آہ یہ دل زلف کا مارا

وہ سانپ کہیں مار نہ جائے شب مہتاب

ہے سر مرثگاں جو میرے اشک پر خیم کی گرہ
سے بس گانٹھ آج دیکھے چشم کے گھر مردماں
تم کو ہچستہ خوشی ہے ہم نے طفل شک کی
مردماں یوں غار پر ٹھہرے ہی شبنم کی گرہ
دے کلا وہ میں مرثہ کی اشک پر خیم کی گرہ
عمر میں سے دیدہ و دانستہ اک کم کی گرہ

یہ دل صد چاک میرا ہاتھ سے شانہ کے کیا

کھول سکنا ہو اسیر اس زلف پر خیم کی گرہ

انتخاب کلام کپتان توقیر (گوالیار)

مرثیہ

اُمت کے لئے آپ نے جان اپنی گنوائی

اے حضرت عیسیٰ

کانٹوں کا رکھا تاج شریروں نے تا یا

ٹٹکھوں میں اُڑایا

پوشاک بھی اک فرمزی رنگت کی پنھائی

اے حضرت عیسیٰ

پاس آپ کے جوہی درجنت کی بھی کبھی

اچھے مرے منجی

دیجے مجھے آکر تپ عصیاں سے رہائی

اے حضرت عیسیٰ

طریقت میں بشر کہئے حقیقت میں خدا کہئے
مہ چرخِ کرم شاہنشہ ارض و سما کہئے
قدم کی خاک کو اکیر کہئے کمیہ کہئے
جوانوں کی سپر کہئے ضعیفوں کا عصا کہئے
دعا کہئے دوا کہئے دوا کیسی شفا کہئے

دلاہم پوچھتے ہیں حضرت عیسیٰ کو کیا کہئے
روا ہے کشورِ کونین کا فرمانروا کہئے
جبیں کو چاند کہئے رُخ کو خورشید ضیا کہئے
پے طفلانِ ہاسم پاک تعویذ دعا کہئے
یہ فیضِ نام ہے بیمار جس سے پاتے ہیں صحت

انتخابِ کلامِ ذرہ

وہ عندلیب ہوں کہ سدا مجھ کو غم رہا باغِ جہاں میں نخلِ مستاسلم رہا
وحشی وہ ہوں کہ عدا دے نہ بڑھ گیا صحرا میں قیس کا میں قدم در قدم رہا
منظور اُن کو صاف ہیں وعدہِ خلافیاں اے انتظار کیوں مری آنکھوں میں دم رہا
اکثر مری غزل میں جو نکتے ہیں رمز ہیں عاجز جمبھی ثنا میں ہر اہلِ مستلم رہا
عادتِ سجود کی جو بھی عہدِ شباب میں پیری میں بھی سدا قد عاشق میں خم رہا
ذرہ نئی غزل کہی کیتا کے فیض سے

گو دردِ مشق شعر و سخن تجھ کو کم رہا ہم عاشقوں کو خاک نشینی پسند ہے
وہ شاہِ اوجِ حُسنِ تجمل سے مُبتلا اقرارِ شام سے ہے بڑھا روزِ حشر پر
کیوں دل ہوا ایسے اہلِ تغافل سے مبتلا

ہاتھوں میں ہمارے کیشِ جوشِ جنوں رہی رشتہ یہ نیا تارِ گریباں سے نکالا
پہلے تھا اہلِ وفاب وہ جفا کار ہوا یارا غیار ہوا
جس کو دلدار سمجھتے تھے دل آزار ہوا کیا یہ اسرار ہوا
بسکہ یادِ دردِ دُنداں میں گہرا رہا آبرودار ہوا
جو گرا آنکھ سے آنسو درِ شہوار ہوا ایک انبار ہوا
لے جنوں دے نہ مجھے دشتِ فردی کی ہوا خاک میں لبِ ملا
آہ ہلنا بھی جگہ سے مجھے دشوار ہوا اسقدر زار ہوا
سوزِ فرقت سے اگر دل میں پھیولا ہوتا بخدا جل کے یہ رشکِ یدِ بیضا ہوتا
موتِ برباد نہ کرتی جو غبارِ دل کو ہی صحراے قیامت کا بگولا ہوتا

بعد مُردن یاد آ یا حُسنِ روئے سِنگدَل
قبر کا تعویذ اپنی سِنگ مر مر ہو گیا
گرا نبارِ عصیاں سے ہوں سرِ بسر میں
صنمِ مغفرت کی دعا کیجیے گا
کوئی ہمراہ تک جاتا نہیں شہرے غربت
عدم کی راہ میں کیونکر ہو مجھ کو خطر پیدا
نہ جلتا فرقتِ لدا سے آٹھوں پہر یہ دل
ہماری آہ سوزاں میں اگر ہوتا اثر پیدا

ہچکیاں اُس یار کی ٹھہریں ہمارے نام پر
جذبِ دل پیدا محبت کا اثر ہونے لگا

سجدے ہر بُت کو کیے آپ بنا یا معبود
اس سے بڑھ کر کوئی ایجادِ بشر کیا ہوگا
منزلِ الفتِ دیدار میں گمراہی ہے
ایک دم کے لئے سامانِ سفر کیا ہوگا

ہونٹ چاٹے جب مری شیریں کلامی کو سنا
ان بُتوں کو بات کرنے کا مزہ کیونکر ہوا

کہوں کیونکر میں تم سے حال اپنے جسم لاغر کا
اگر دیکھا کسی نے مجھ کو پایا تارِ بستر کا
ہیں عاصی ہم دمہ مالکے، تو بخشنے گا گناہوں کو
ہمارے دل کو کچھ خطر نہیں ہے روزِ محشر کا

لیتا ہے یہ بیمارِ محبت کا سنبھالا
اے کہ یہ سنبھالے میں سنبھل جائے تو اچھا
نالوں میں ہمارے بھی بڑا حُب کا اثر ہے
جادو یہ اگر یار پہ چل جائے تو اچھا

بتیاب ہے دل کیسے خبر یار کو پہونچے
اک نام بھی باقی نہیں نالوں میں اثر کا
تاثرِ بتوں میں یہ عجب دُی ہے خدا نے
بچتا ہی نہیں کشتہ کبھی تیری نظر کا

مطلع دیواں میں ہی رنگ بدوے دیکھا وہ کا
آتشِ فرقت میں جلتا ہی بدنِ مشعلِ تنور
ہیں فقط جھگڑے یہ سب دن کے دنیا میں دلا
نور سے اُس طفل کے روشن ہوا سارا بھاں
چوں ہلالِ عیدِ قرباں مدھے بسمِ اللہ کا
تا فلک جائے نہ کیوں شعلہ ہماری آہ کا
ایک تہہ حشر میں ہو گا گدا و شاہ کا
طور کا شعلہ ہے جلوہ قامت کو تاہ کا

عمارت کیوں بنائی منمو اس ہر فانی میں
ہماری یہ دعا ہر دم رہا کرتی ہے ذرہ
دل میرا ہجر یار میں تن سے نکل گیا
بھروسہ زندگی کا ہی نہیں دنیا میں اک دم کا
ترے سر پر سدا سایہ ہے عینے و مریم کا
جھوکا ہوئے جان کا سن سے نکل گیا

سمجھ کے ہیچ اس سرے فانی کو قصدا پنا ہے اب عدم کا
کہ جھگڑے دنیا کے سیکڑوں ہیں بھروسہ کس کو ہی ایک دم کا

تو چھپے اب تو کرے بلبل نہ پھر یہ دورِ ہزار ہو گا
خزاں جب آدے گی تو چین میں نہ کوئی گل در نہ خار ہو گا
نہ یہ ہوائیں نہ یہ گھٹائیں نہ دورِ ساغر ہو گا ساقی

تمھاری چالوں سے حشر کے دن کچھ اور لیل و نہار ہو گا
اگر میں جاؤں گا سوئے جنت کروں گا یہ دنگی کا سماں

کہ ایک پہلو میں ہو گی بوتل اور ایک پہلو میں یار ہو گا
کروں گا قرباں میں دینِ ایماں سے یہ سچ تو کہہ جاناں

کہ انکے دینے میں جاں نثاروں میں پھر تو میرا شمار ہو گا
گنہ کی کشتی شکستہ ذرہ بھنور میں جو کھار ہی ہے چکر

سیح ہو گا شفیع محشر تو بیڑا اُس سے یہ پار ہو گا
رات دن مجھ کو جلاتا ہی تپِ فرقت میں رحم کرتا نہیں کچھ ہائے ستمگرا پنا

باغ میں سیر کو جائے گا جو گلرو اپنا سرنگوں سجدہ کو ہر سر و گلستاں ہوگا

اُسی قاتل کا میں ہوں تیغ نگہ کا گھائل جس کے کو چسپے اک انبوہ شہیداں نکلا

ہوا جو تنگ کبھی زندگی سے تو میں نے فراق یا میں پتھر پہ سر کو دے پڑکا
کبھی نہ عذر کروں سیکشی سے اے ساقی پلا دے کوئی جو لا کر شراب کا مڑکا

فرقتِ جاناں میں تم سے کیا کہوں جو غم ہوا دودِ غم نکلا جو دل سے حلفتِ ماتم ہوا
اس قدر میں نے چھپا یا عشق تیرا اے صنم راز سے اپنے نہ کوئی غیر تک محرم ہوا

صدے اٹھا رہا ہوں شبِ ہجر یا ر کے کھٹکا ہو دل میں کیا مرے روزِ حساب کا
ہو وِگی مغفرت مری محشر میں بالضرور بندہ ہوں دل سے عیسیٰ عالی جناب کا

دیکھنا حسرتِ پامال مری بعدِ فنا خاک ہوگی مری اور کو چہ جاناں ہوگا

ہو نہیں سکتی رہائی عمر بھر اس دام سے آپڑا گردن میں پھندا کا کل بلدار کا
تصدق کیا تجھ پہ جان اور دل جو تھا فرض اپنا ادا ہو گیا
کانٹے پڑے زبان میں مے تو شیوں کے ساتھ بیتاب ہو رہا ہوں نہ دل کو جلا شراب

دام سے صیاد کے ٹھٹھنا ہے مشکل عمر بھر شور کر کے تو مقتدر آزما لے عندلیب

گردش تو دیکھئے مری تقدیر کی ذرا
انتہے انتظار کہ سویا نہ ایک دم
پھرتا ہوں کوئے یار میں نہ بھر تمام رات
تائے گنا کیا میں برا بھلا تمام رات

اس طائرِ دل کو قفسِ تن میں ہے اُجھن
ذرہ میں فدا اب تو ہوا بت کی ادا پر
بند دکھائے کوئی گلزارِ محبت
پہنے نہ پھروں کیوں یہیں زُنا و محبت

خانہ دل سے اُنھیں میں نہ نکلنے دوں گا
صرف پہچان کو ہی تارِ رگِ جاں کافی
تاک میں بیٹھے ہیں کیوں طالبِ یدِ ارب
برہمن ڈالے ہوئے کیوں ہی تو زُنا و عبت
میں نہ جاؤں گا تو وہ خواب میں آجائیں گے
روکے بیٹھے ہیں مرا راستہ اغیارِ عبت

جلتا ہے مرا سینہ سوزاں ہر آہ سے
فرقت نے ایک آگ لگا دی بدن کے بیچ

یاد کر اُس بھرِ خوبی کو میں رو یا اس قدر
دیکھ کر کاکل کو رخ پر یار کے کہتے ہیں سب
میری چشموں سے بھرا پانی ندی لوں کے بیچ
یہ چمکے خسار کی یا من ہو دو کالوں کے بیچ

کنجِ قفس سے مجھ کو رہائی نصیب ہو
ہو جائے کچھ تو اس دلِ بیتاب کو قرار
یارِ دکھا بہارِ گلستاں کسی طرح
جلوہ دکھائے لے میرے تاباں کسی طرح

سات پردوں میں وہ بیٹھے ہیں سائی ہو کہاں
چال کیا چال ہے جس چال کے دل صدقے ہو
کس کو ڈھونڈھے گی بھلا کوچہ دلدار میں روح
جان آجائے جو پامال ہو رفتار میں روح

یوں تو ہیں لاکھ ترے چاہنے والے لیکن مجھ سا عاشق نہ کوئی اور ہوا میرے بعد

حُسنِ یوسف سے زیادہ ہے جمالِ یار بھی اے دلا کیوں ہو نہ جاؤ حُسن کا بازار بند

گھر تو بیچو لاکھوں ہے دور روزہ بہار پر مت لکھ بھروسہ ہستی ناپائدار پر

نہیں ہیں داغ چھپکے رُخ محبوب پُرفن پر ہوئے ہیں جمع یہ پردے آکر شمع روشن پر
یہی ہی سوچ کیونکر ہو گی طے راہ عدم ہم سے گناہوں کا ہی ذرہ بوجھ بھاری پنی گردن پر

رہے گی دل میں یہ حسرت ہی عمر بھر افسوس کبھی ادھر نہ ہوئی مہر کی نظر افسوس
بہایا خون ہی اشکوں کے بدلے آنکھوں نے شہبِ سراق میں دیا ہوں تقدیر افسوس
ابھی تو مجھ کو نہیں پائی جاتی کچھ اُتسید کر دگے بعد فنا میرا عمر بھر افسوس

جو کہ شہمت میں لکھا ہے وہی پیش آتی ہی خطِ تقدیر بنا ہے ترے رخسار کا خط
دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں خدا خیر کرے ہے یہ تیغ نگہ شوخ جفا کا رخسار کا خط

بتا بیوں نے دل کی جلایا یہاں تلک نالے ہمارے جانے لگے آسماں تلک
دیکھیں گے ظلم وہ کرے تجھ پر کہاں تلک اے دل نہ آئے اب کوئی شکوہ زباں تلک
فرقت کی داستان سنائی تو بولے وہ لعلِ اب کہاں تلک یہ قصہ کہاں تلک

پلک جو ٹوٹے آنسو کے ساتھ یہ نکلی نیا نبوت ہوا گو ہر خوش آب میں بال

کس برق و شس کی آمدِ بزمِ نشاط ہے
 ہے ماہ و خور کو خوف سے چکر گھڑی گھڑی
 ذرہ وہ بات بات پہ روٹے ہے آج کل
 اُس یار کو مستادوں میں کیونکر گھڑی گھڑی

بتوں میں خاک پتھر کیا محبت ہے خدا جانے
 جو ایسے آشنا ہوں کیوں اُنہیں نا آشنا جانے
 خدائی میں کسی کو حسل ہوتا ہے معاذ اللہ
 خدا سمجھے بتوں کو ہر برہمن کیوں خدا جانے
 محبت میں سوا تکلیف کے راحت نہیں ذرہ
 خدا شاہد ہے جو ایذا ہے دل پر کوئی کیا جانے

کہیں گے سامنے جا کر خدا کے
 بتوں نے مار ڈالا ہے حبلہ کے
 یہ کس کی حال ہے انکھیلیوں کی
 تصدق دل ہوا ہے نقش پا کے
 ملے گارزق بے منت نہ ذرہ
 مقدر میں ہیں چکر آسیا کے

قافلہ والے ہمیں چھوڑ گئے جانے دو
 رہبری کو تو یہ ہے نقش کعبِ پابانی

اک نظر آ کے دکھا دو ہیں صورت اپنی
 جان ہے اس تنِ لائیں میں سیجا باقی
 دے چکے جان تو ایمان کہاں کا ذرہ
 رہ گیا دل کے سوا پاس ترے کیا باقی

ایک دم بھی نہیں آرام ہمارے دل کو
 کیا ہی بے لطفی سے ہوتی ہے بسر کیا کہئے
 یاد معبود کہاں یا دبستان میں ذرہ
 گزرے جاتے ہیں یو نہیں شام و سحر کیا کہئے

مشتاق دید ہیں مری آنکھیں جہاں کی
 پردہ کو دور کیجئے جلوہ دکھائے
 کس کو بتوں کی ذات سے ہوتا ہے نائدہ
 ذرہ نہ دل سے یادِ حُسنِ اکو بھلائے
 ہمد سوائے رنج نہیں کوئی، حبر میں ۛ
 کیا کیجئے جو دل سے نہ سر یاد کیجئے

نہیں باقی رہا اپنا ٹھکانا کوئی دنیا میں
 کہ جب سے اپنی نظروں سے ہیں اُس نے گرایا ہے
 اے میجا جلد آ کر لے ذرا اسکی خبر
 نام لیتا ہے ترا بیمار اٹھتے بیٹھتے

اُس کا کعبہ میں پتہ پایا نہ پایا دیر میں

جس بُت بے پیر کی فرقت میں ہم کافر بنے
دل لگا بیٹھے ہیں اب تو اک بُت بے مہر سے

جان و دل حاضر ہیں دونوں دیکھئے کس پر بنے
چہرہ پُر نور سے اُس کے بنے شمس و ستار

اور افشاں چھٹ کے ذرہ چرخ کے اختر بنے

ہوا ہے اور نہ ہووے گا کبھی تیرا وہ شعلہ رو

فراقِ یار میں اے دل عبث دل کا جلانا ہے
اُسی اک شمعِ رو کا میں بھی پروانہ ہوں اے ذرہ

کہ جس کی آتشِ عنہم میں جلا سا زمانا ہے
تم نہ سمجھو اس کو گورستان ہرگز نہ ہر دو

روزِ جو آباد ہوتا ہے وہ یہ دیرانا ہے

کئے ہزاروں ہی عشاق کے جگر گھائل

نہیں وہ جاتا ہے اک میرا دل دکھائے ہوئے

سدا سُن سُن کے فیاضی تری غیروں سے ہم نکلے

پلا دے مجھ کو مے ساقی جو خم میں بیش و کم نکلے

کیا ہے عشقِ جاناں نے ہی مجھ ٹیڑھے کو یہ سیدھا

کہ جیسے جنتری میں تار کا آکر کے حسنم نکلے

سخت جانی کی خبر اُن کو مری ہو جا تی
امتحان آکے اگر وہ سرِ میداں کرتے

خود نشانہ بن گیا ہے جان کر ۛ
دل کو کیا الفت ہوئی ہے تیرے
تیغ زہر آلودے کشتہ کیا ۛ
بعد مُردن کیا عرض اکیر سے

کہتے ہیں لوگ دل کو مرے خانہٴ حُند ا
کیونکر پھر آہِ عرشِ مُعلّے ہلا کے
خورشید میں یہ تاب کہاں یہ چمک کہاں
کیا تاب ہے جو تار کو صورت دکھا کے

محبت ہے مجھے اس دلوں با کی
کہ جس پر ہے فدا خلقتِ حُند ا کی
قسم تم کو حُند ا کی سچ بتانا ۛ
تو ہم نے تمہاری کیا خطا کی
خدا شاہد ہے بت خانہ سمجھ کر ۛ
بتوں سے ہم نے کعبے میں دعا کی
زہے عزت زہے حرمت زہے توقیر پتھر کی
کہ بیت اللہ خود دنیا میں ہے تعمیر پتھر کی

بھروسا ایک دم کا بھی نہیں اس دارستانی میں

عمارت لوگ کرتے ہیں عبث تعمیر پتھر کی
یہی حیرت رہے تاثیر قلبی اس کو کہتے ہیں :

بتوں کو دیکھ کر خود بن گئے تصویر پتھر کی
خدا کی شان ہے نسبت برہمن بت سے دیتے ہیں

کجا دلبر کجا یہ بے زباں تصویر پتھر کی
تری فرقت گوارا کر سکے کیونکر بھلا ذرا

کہاں سے لائے چھاتی عاشق دلگیر پتھر کی

آتشِ عنہم نے جلایا ہے ہمارے دل کو

شعلے کیا کیا تری فرقت میں دہن سے نکلے
گلشنِ دھرم میں ہو تم کو مبارک پھر نا

صورتِ برگِ خزاں ہم تو چمن سے نکلے
باغِ عالم میں نہ بر آئی کسی دم اُمید :

حوصلے دل کے نہیں غنچہ دہن سے نکلے

یہ جائے شکر ہے پروردگار دنیا میں :

تری جناب میں مجھ سے کوئی خطا نہ ہوئی
گزر جو بھول کے کعبے میں کل ہوا میرا

بتوں کے دھیان میں یادِ خدا ذرا نہ ہوئی

زباں پہ شکوہ بیداد لائیں سکتے :
 سراقِ یار کے صدمے اٹھا نہیں سکتے
 ہمارے دل میں اثر ہے نہ آہ میں تاثیر
 فلک کو نالوں سے اپنے ہلا نہیں سکتے :
 سراقِ بُت ہو یہ تحریر ہے مقدر میں
 لکھا ہوا کسی صورت مٹا نہیں سکتے
 اٹھا چکے ہیں ہزاروں مصیبتیں بخُدا :
 یہ دل وہی ہے کسی سے لگا نہیں سکتے

جس قدر پرگشتگی رفتدیر میں تھی بھر چکے
 اب تو چل کر کو چلے دلدار دیکھا چاہئے
 دل میں یہ حسرت ہے ذرہ یا کھٹکتی پھانس ہے
 وصل کب ہو کب یہ نکلے خار دیکھا چاہئے

ضمیر و مسیر و سودا مصحفی و آتش و ناسخ
 طریقے شاعری کے بس انہیں دو چار سے نکلے
 وہ زاہد ہوں کہ گمراہی نے کی ہے رہبری میری
 عبادت کے طریقے رشتہ زنار سے نکلے

عجب قدرت ہے ذرہ کیا بنا یا چشمِ مردم کو
 اُجالے میں اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے

فرقت کی پھانس دل میں ہم اسے یار سے چلے
 دنیا سے لے چلے بھی تو یہ خار لے چلے
 بُت سے نہ کچھ غرض ہے نہ اسلام سے ہمیں
 راضی ہیں ہم اُسی میں جدھر یار لے چلے



خبر مجھ کو نہیں ہے دین و دنیا کی اسے نہ اہد
 مجھے ساتی نے کچھ ایسی مئے وحدت پلائی ہے
 ہم نہ اُٹھیں گے مثل نقش قدم درِ دلدار پر جو آ بیٹھے



جلوہ حُدا کا اس میں نظر آیا ہے تو
 بیت الضم کو چھوڑ کے کیا کعبہ جائیں گے



تمہیں انکار کیوں ہوتا ہے نقد جاں کے لینے میں
 ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ یہ سمجھو تمہارا ہے
 چلیں اب عالم منافی سے ملک جاودانی کو
 وہیں جائیں جہاں پر ہم سے لوگوں کا گزارا ہے



رُخ انور کو چھپاتے ہو عبث زیرِ نفا ب
 چاند چھپنے کے لئے ہے نہ نکلنے کے لئے
 شمع و کچھ بھی شکایت نہیں تجھ سے اصلاً
 ہم کو پیدا ہی خدا نے کیا جلنے کے لئے

ایک مدت سے یو نہیں عشق بُستاں میں ذرہ
ٹھوکریں کھاتا ہوں درد کی سنبھلنے کے لئے

کو کے کوئل ہے دلا شور پیسا کرتا
مور بولیں ہیں عجب دیکھ گھٹا سادن کی
پانی جنگل میں بھرے اور ہوئے کھیت ہرے
آج تو ذرہ کر دیر ذرا سادن کی

تری چیل بل سے اے دلبر قیامت ہونے والی ہے
فدا ہوں حسن پر تیرے ادا تیری نرالی ہے
ادھر مجھ پر عتاب اُن کا ادھر اغیار کی دھمکی
عجب ہوں کشمکش میں میں مرا اللہ والی ہے
ہوئے خود آئینہ کو دیکھ عاشق اپنی صورت پر
جبھی تم سے مجھے اے جاں رقا بت ہونے والی ہے

ہے دعا موت کبھی آئے مجھے شرفقت میں
تنگ آیا ہوں ترے روز کے غم کھانے سے
حشر میں ہو گا تجھے دینا حساب اے ساتی
گر کوئی بوند ٹپک جائے گی پیانے سے
چٹکیاں لیتا ہے کیوں اے دل بے چین مرے
کیا مزہ ملتا ہے تجھ کو مرے تڑپانے سے

تنگی اُن کی بچھا دے ساقیا
 باغیاں خواہش کسے ہے باغ کی
 شمع جی پیاسے ہیں بس اک جام کے
 ہم تو عاشق ہیں اُسی گلفام کے
 میکدے میں بھانکتے ہوشیج جی
 آپ بھی طالب ہیں کیا اک جام کے

سہرا شادی خانہ آبادی مسٹر جارج اسمتھ عرف پیارے صاحب مقام لکھنؤ ۱۸۷۳ء

پیارے صاحب کے بندھا سر سے جو پیارا سہرا
 ٹوٹنے لگے گئے جب آرسی مصحف دیکھا
 پیارے سر سے مہر و محبت نے سنوارا سہرا
 جھوماکٹ جد میں آ آ کے یہ پیارا سہرا
 جب لکھا سورہ اخلاص کو پیشانی پر
 کس محبت سے اٹھایا تھا وہ پیارا سہرا
 بیاہ کرے چلے خوش ہو کے دلہن کو جس دم
 اپنے ہاتھوں ہی سے دوٹھانے سنوارا سہرا

سہرا شادی خانہ آبادی مسٹر جارج پیش شور

شور صاحب کے بندھا دھوم سے سر پر سہرا
 باندھتا یوں تو ہر اک نوشہ ہی سر پر سہرا
 ہو مبارک یہ اُنھیں آج منور سہرا
 پر عجب شان کا ہی آپ کے رخ پر سہرا
 فوج انجم ترے گھر آئی براتی بن کر
 ہو فلک تخت رواں ماہ منور سہرا
 دمدم کیوں نہ چلے دور شرابے ساقی
 ساز و سامان عروسانہ ہے پر زور سہرا
 ذرہ مجبور ہی یوں دُور ہی محفل سے تری
 ورنہ وہ شوق سے خود باندھتا آ کر سہرا

سہرا شادی خانہ آبادی ثانی مسٹر جارج اسمتھ

سر پر نوشہ کے جو سونے کا سجایا سہرا
 چاند سورج کو خدا نے ہے ملا یا باہم
 شعلہ طور برا بر نظر آ یا سہرا
 سر پر جب چرخ نے انجم کا سجایا سہرا

یا خدا اس کو سدا پھولتا پھلتا رکھنا
دور ساغر کا چلے آج خوشی ہے ساقی
سُننے والوں نے کی تعریف تری لے ذرہ
دوسرا جس کا یہ پھر تو نے دکھایا سہرا
پیالے صاحب کا خدا نے یہ دکھایا سہرا
کہہ کے جب بزم میں سب کو یہ سُنایا سہرا

مبارک باد ہولی

نظر آتا ہر جا ہے ساماں خوشی کا
لبوں پر ہر اک کے ہوا بجا م صہبا
مُعطّر ہے خوشبو سے بادِ صبا بھی
خوشی سے چمن میں ہے غنچہ چٹکتا
یہ فصلِ بہاری کا فیضِ قدم ہے
ہوا فرطِ فرحت سے سرسبز صحرا
بنا مثلِ ساغر ہے ہر گلِ چمن میں
نظر آتا ہر سرو ہے شکلِ مینا
مے ناب ٹپکے ہے انگور سے اب
میتر کہاں یہ شرابِ مُصفا
ہوئی ہے جو ہولی کی اب آمد آمد
بنا حال دیکھو عجائبِ ہر اک کا
ہر اک طرح کا یاں ہے ساماں مہینا
یہ بزمِ طربِ راجہ صاحب کی دیکھو
کہ دم بھر میں ادنیٰ کو کرتے ہیں اعلیٰ
سری ڈونگر سنگھ ایسے راجہ سخی ہیں
گلِ سُرخ ہر شخص کو ہے بنا یا
شفق کی طرح چہرہ رنگیں بنا کر
تو ہے راجہ اندر کا گویا اکھاڑا
پریر و حسین ہیں یہاں منتخب جو
مہیار ہے یوں ہی ساماں خوشی کا
رہیں راجہ صاحب ہمیشہ یہ قائم
لے سر پہ خادم کے دستِ میسا
جو دشمن ہوں اُنکے وہ پامال ہوویں

تاریخ وقات خان بہادر دیوان امین محمد صاحب دیوان ریاست بکائیر

(۱۱ اکتوبر ۱۸۸۸ء)

امین محمد نے یانی وقات ریاست کے دیوان تھے اور خیر خواہ

ہوا اُن کے مرنے کا وہ رنج و غم
ملا خاں بہادر جب اُن کو خطاب

کہ جس کی نہیں حد خدا ہے گواہ
اُسی دن سے سب اُج تھا خیر خواہ

ہوئی فکرتاریخ جب ذرہ کو

تو بولا وہ ہاتھ غم مرگ آہ

انتخاب کلام توقیر

مطلع دیواں میں ہر رنگ برے دلخواہ کا
لن ترانی کا ہے رتبہ نصیرہ جانکاہ کا
جس نے دیکھا تجھ کو آئینہ ہی چاہے دیکھ لے
تابع امر شرف ادنیٰ سے ہر اعلیٰ ملک
مت ہوس کعبے کی رکھ زاہد ذرا کر چشم دا
صورت قبلہ نما رہ اُسکی جانب ایک سو
کیا سخن میں اضطرابِ دل کا مضمون خبط ہی
کیوں نہ دل سیپارہ ہو میرا بہر صورت صنم
تابع اسلام ہوں بندہ ہوں اُسکی زلف کا
جب اٹھا یا سر کو تب پاؤں تلے رو بند گئے
کر رہا دامِ گنہ سے مجھ کو لے عیسے مسیح

جوں ہلالِ عیدِ قرباں مد ہے بسم اللہ کا
کیا عجب لیتا عصا موسیٰ جو میری آہ کا
صاف ہے وحدت میں کیا نقشہ دل آگاہ کا
مرتبہ برحق تو ہے یاں پر گدا و شاہ کا
مرتبہ بُت خانہ دل کو ہے بیت اللہ کا
دل ترا مسکن ہی گر طالبِ سجدہ گاہ کا
برق سے لڑتا ہی مصرعِ نالہ جانکاہ کا
ہے رخ پر خط ترا صفحہ کلام اللہ کا
جوں خطِ قرآں ہی سبزہ عارضِ دلخواہ کا
گلشنِ عالم میں ہی اپنا تو رتبہ گاہ کا
تو ہی تو بخشندہ برحق ہے خلق اللہ کا

بارِ غفلت دور کر توقیر بس ہو چل سُبک

قافلہ جاتا ہے کر لے تو بھی ساماں راہ کا

زمین سے نور پہ آدم کو انتخاب کیا
یہ تو نے خاک کے ذرے کو آفتاب کیا

لیے ہیں پانچ جو جیتے تھے شرط دس پوسے
 فلک کے ہاتھ سے ناچار ہو گیا ازبس
 یہ ایک نعرے میں گر جاتا اسپک گردوں
 دل اپنا ہو کے پریشاں جو کچھ بکھرتا ہے
 اب اسکی لہر میں ہر دم تو موج مارا کر
 کہ جس نے شورسا دریا تر حباب کیا
 رہی نہ مہر و فا ذرہ دہر میں تو قیر
 فلک نے روئے زمانہ کو انقلاب کیا

کبھی جو دیکھا ہے چشم پر آب میں پانی
 ہمیں تو ہو گئی جوں یوسف و زلیخا اب
 میں بوسہ عرق آلودہ رخ کا ہوں تشنہ
 گھٹائی آبرو رونے نے ابر کی یاں تک
 نہ چھڑا بلکہ دل کو پھوٹ جاوے گا
 صفائی آپ کے دنیاں کی دیکھ اہل صفا
 مریض چشم کو طوفان کا ڈر ہے گر یہ سے
 جو پانی پانی ہوا جائے ہی یہ دل شاید
 صدف میں دُر ہی نہ دُر خوش آب میں پانی
 غنیمت اس سے ملاقات خواب میں پانی
 پلاؤ مجھ کو ملا کر گلاب میں پانی
 بھرا یا رشک سے چشم سحاب میں پانی
 حباب پانی میں ہی اور حباب میں پانی
 گرنے آب میں لی دُر ناب میں پانی
 گرے پلنگ سے دیکھے جو خواب میں پانی
 ملا کے لایا تھا ساقی شراب میں پانی

لوئس پیرک لیزوا توفیر

کئی بار دیکھا تمہیں شیخ جی
 وہ ملنے کو آتے ہیں تو قیر سے
 حلقہ زلف مجھے آنکھ دکھا کر بولا
 درمیکدے سے نکلتے ہوئے
 خراماں حراماں ٹہلتے ہوئے
 جب میں جانوں مریخ بندے سے بچاؤں



George Puech Shore.

لے لیا سوتے میں بوسہ یہ خیال اُنکا ہے
 حشر میں بھی نہ کرونگا کبھی دعویٰ اُن سے
 مجھ سے ناراض ہیں بجا یہ ملال اُنکا ہے
 دل جگر جو ہے مرے پاس یہ مال اُنکا ہے
 گالیاں کھانا خونِ دل پینا
 گروہ روٹھے ہیں ہم سے جانے دو
 ذائقے ہیں یہ دل لگانے کے
 ہم نہیں اُن کو اب منانے کے
 اس پر بھی اُنکی نہیں چھوڑتے الفت تو قیر
 کیسے کیسے وہ تمہیں صدمہ غم دیتے ہیں

یہ رعبِ حُسنِ کالے عبرتِ مسترِ چچا یا
 ہے بزمِ عشقِ کالے شمعِ رویِ دستور
 کہ ہر دو ماہ بھی تم پر نگاہ کرنے سکے
 چلے و صورتِ پردانہ آہ کرنے سکے
 وہ اپنی بزم میں غیروں کے خوف سے تو قیر
 ہماری سمست کرم کی نگاہ کرنے سکے

انتخابِ کلامِ شورِ میرٹھی

(دیوانِ اول)

اس طلسماتِ جہاں میں موت کس کو یاد ہے
 صاحبِ خانہ رکھا ہے نام ہر مہمان کا

لبِ نگیں پر اُس کے جبے دیکھی پان کی سُرخ
 لہو تک خشک غیرت سے ہوا لعلِ بدخشاں کا

آباد ہے جہانِ بتاں سے دلِ خراب
 افسوس تھا جو کعبہ وہ بُت خانہ ہو گیا

کیونکہ باندھوں میں کہاں پاؤں کہاں لاؤں
 کیا زمانہ ہے کہ عاشق ہیں رومال کے سب
 جب کہ مضمیوں کمر یار کا عفتا ٹھہرا
 دوست ٹھہرا وہی جس پاس کہ پیا ٹھہرا

جا بھی سکتے تھے نہ کوچے میں تریبے حکم ہم
پر تصور کی بدولت اب تو رستہ کھل گیا

ناکار جنس ہوں میں وہ بازارِ عشق میں
یہ اثر دیکھا جذبہٴ دل کا
جس کی طرف کوٹھنہ نہ خریدار نے کیا
اٹھ گیا آپ پردہٴ محفل کا

آرزوئے خاکِ پانے مجھ کو حیف
ہاتھ آیا جب نہ مضمونِ کمر
اس قدر پیا کہ سرمہ کر دیا
شاعروں نے اُس کو عنقا کر دیا
دیں لیا ایماں لیا اور جاں بھی لی
اتنا ہی تھا کہ پردے میں شب کے عیاں نہ تھا
ورنہ یہ سایہ ساتھ تمہارے کہاں نہ تھا
جز آفتابِ سر پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آئینہ کو کیا ہی دعویٰ اُس رخِ انور سے تھا
چشم نے دیکھا تھا تم کو اسیلے حیراں ہوئی
رو بہرِ حجب اُسکے آیا صاف اندھا ہو گیا
دل نے کیا دیکھا جو بخود اور شیدا ہو گیا
پھر وہی شور جنوں ہی پھر وہی حشت کا زور
فصلِ گل آئے ہی میں کتنا توانا ہو گیا

بھرا بیٹھا ہوں ہرگز چھپڑنا مجھ کو نہ ہم چمنو
اگر رویا تو پھر عالم میں اک طوفانِ ٹھانڈا ہو گا

دنیا میں کوئی مجھ سا بھی نا کام نہ ہو گا
گر ہو گا تو حسرت کے سوا کام نہ ہو گا

پر دے میں رازِ عشق جو رہتا تھا خوب تھا
بتیا بیوں سے دل کی وہ پنہاں نہیں ہا

ایک دم بھی دل وحشی کا نہ ارماں نکلا
گھر ہی یاد آ گیا جب تنگ بیاں دیکھا
ایک دن جان ہی جائیگی اس اندھیر میں ہاے
تجھ سے کہتے نہ تھے ہم اے شبِ ہجراں دیکھا

آہنی جان پہ سو بار جفا سے لیکن
کچھ زمیں ہی مرے گریہ سے نہیں ہو غرقاب
اُس کو عالم سے بے خبر دیکھا
وہی آیا نظر جدھر دیکھا
سُرخ پان کو تری دیکھ کے دل خون ہوا
دانت اس واسطے ہی بوسہ لب پر اپنا

خدا ہی ان دنوں حافظِ ہماہ چرخِ کالے دل
کیا ہی عزمِ نالوں نے مرے اب چاند ماری کا
بنے ہیں حضرتِ دلِ مالکِ یں ادا غوں سے
ملا تھا صرف انکو پیشتر منصبِ ہزاری کا

دیکھا جو اُس نے نیم نگہ سے کھلے نصیب
صدِ شکرِ بختِ خفہ بھی بیدار ہو گیا

دُھوکا شیشے کا مجھے پہلے تو غنچے نے دیا
چشمِ پھر گل پہ جو ڈالی تو میں سا غرِ سمجھا

جاگے نصیبِ یار کے مجھ سے بلا دیا
ممنوں نہ کس طرح ہوں بھٹلا اپنے خواب کا

ہم اپنی طرزِ وفا سے کبھی نہ باز آئے
خط پڑھا میرا غیر نے ہے ہے
ستم نے اُسکے کرم گو کہ بار بار کیا
تھا یہ تفتدیر کا لکھا صاحب
عقل و تدبیر سے سب رازِ حقیقت کے کھلے
نہ کھلی پر نہ کھلی عاشقِ دلگیر کی بات

گو اسکی تیغ سے ہوا گھائل ہزار بار ہوتا نہیں مگر مرا قاتل سے دل چاہے

اظہار بندگی بھی تو اُس سے ہوا عبث میں نے کہا کہ بند ہوں تیرا کہا عبث

زہے نصیب کہ بے وقار اٹھایا جب اُس نے تو میں نے دل ہی دیا پہلے مُنہ دکھائی آج

ساقیا شیشے میں دل کے وہ پری آئی نظر اک برانڈی کا دیا تو نے جو یہ پیا نہ آج
اک طرف سے شورِ طفلان اک طرف پتھر کی مار دیکھ کے کس دُھوم سے نکلا ترا دیوانہ آج

شورِ دامان تو کل کو پکڑے مضبوط
دل لگانے کا کچھ مزا پایا
ہم نہ کہتے تھے ایسا کام نہ کر
ایسے غم خانہ میں مقام نہ کر
نیش شاہ و گدا کی کبھی زہار نہ کھینچ
نفسِ تن کو چھوڑا بڑ روح
دل بیمار کی کیونکر نہ خبر ہو پیسہ
تار برقی یہ مرے اشک کا ہے تارِ مہنوز

اب دوا اور دعا کا بھی نہیں کام رہا دردِ فرقت سے یہاں تک تو ہوں بیمار کہ بس

حاجت بڑی بلا ہے پھرتی ہے در بدر ورنہ بھلا کسی سے کسی کو تھی کیا غرض

جو جو کہ انتخاب جہاں میں تھے ہائے ایسے وہ مسٹ گئے کہ نہیں ہی نشانِ تلک
عمر رواں کا کچھ نہ ملا آج تک نشانِ گوہم تلاش کرتے گئے لامکاں تلک

دل پر داغ ہے وہ گلشنِ حسرت میرا دیکھ جاتا ہے اسے سینہ فگار ایک

ہے نہاں یوں عشق سے میر دل مضطرب میں آگ
ہوتی ہے جس طرح سے آہن میں زور تھپڑ میں آگ
سمایا ہے ایسا وہ نظروں میں میری
نہیں دوسرا اس میں آنے کے قابل
مفلح سے بات بھی نہیں کرتا ہوں کوئی حیف
سر پر بٹھائے جاتے ہیں زردار آج کل

دولتِ دنیا سے مستغنی ہمیں اُس نے کیا جانتے ہیں خاکپاے یار کو اکسیر ہم

نہ آئی تھی موسے کو بھی تاب جس کی ہم اُس نور کو دسبدم دیکھتے ہیں

چشمِ حق ہیں سے جو دیکھا ہم نے یہ روشن ہوا دل خدا کا آئینہ وہ جلوہ گر آئینہ میں

اگرچہ خاک ہیں ہم بھی شکلِ سرمہ چشم نظر میں لوگوں کی پر اعتبار رکھتے ہیں

اب کفن کو تار بھی باقی گریباں میں نہیں کیا دکھائی ہے جنوں نے دستکاری اندوں

گر خدا دیوے تو پھیر بھاڑ کر دیتا ہے وہ پر لکھا ہے یہ کہ دولت بے ہنر ملتی نہیں

جینے کا منکر جان گھٹاتا ہے رات دن مرنے کا سیج جو پوچھے تو کچھ بھی غم نہیں

اوپر اوپر نہیں جائیں گی یہ نیچی نظریں ہم نہ ہونگے جو رہی شرم و حیا آنکھوں میں

اُمیدِ عفو تجھ سے نہ ہوتی خدا اگر ہم اتنے محو کا ہے کوہوتے گناہ میں

میں نے ہزار بار کہا غمگسار ہوں
نیکلا نہ اُنکے مُنہ سے مگر اکیبا رہوں
کبھی جو باغ میں اُس شکِ گل کا ذکر چلتا ہے
تو کیا کیا بھانکتے ہیں گلِ خجل ہو کر گریباں کو

آپ کا شور جہاں میں نہ ہو کیونکر اے شور
کہ فرنگی بھی ہو شاعر بھی ہو مشہور بھی ہو
یہ ہے اعجازِ زلفِ عنبریں کا
کیا اک لٹکے میں کافر جہاں کو
گراپنا بھلا چاہے تو کر سب کا بھلا تو
عالم میں کوئی شے نہیں احساں سے زیادہ
دے چکے ابدلے عشق میں دل
اب گئی جان انتہا ہے یہ

مٹا یا جان و دل جس نے کہ دیکھا
یہ خوبی ہے تمہارے نقشِ پاکی
عدم سے اسلئے گلِ زربفت آیا کہ دنیا میں
نہیں ممکن کہ کوئی کام بے دام و دیم بچکے

لے چرخ کیا جہان کا غم ہے مرے لئے
ہاں اتنا بوجھ دے کہ جو مجھ سے اٹھا کرے
گور کی منزل بنانی چاہیے
فائدہ کیا قصر کی تعمیر سے
جو بسا رہتے دنیا میں گئے سب آگے
رہ گئے پیچھے ہیں اپنی گرا نباری سے

وہ مراظرِ غم ہیکوں گانہ ہرگز میں کبھی
ایک خُم بھی جو برانڈی کا پلائے ساتی
کو چہ بُست میں روز دیکھتا ہوں
جمع ساری خدائی ہوتی ہے

جاسُ تن میں ایک تار نہیں
مغلی کو ملاحظہ کیجے

غنوار میرا غم ہی میں ہوں غم کا غمگسار
 ہم نے دنیا کو جب خیال کیا
 مجھ غمزدہ کو دیکھیے اور غم کو دیکھیے
 صاف تشبیہ خواب کی سی ہے
 ترک دنیا میں ہے ثواب بڑا
 یہ تو بستی عذاب کی سی ہے

جاں گئی پر نہ گیا دل کا غبار
 گردش افلاک نے پامال ہم کو کر دیا
 مٹی اعدا سے دلاتے ہیں مجھے
 دیکھیے کیونکر سنوار یگا خدا بگڑی ہوئی

اس چشم کی خونباری سے اب دیکھیے کیا ہو
 ہر وقت مجھے ہلے لے اس ٹپکے کا ڈر ہے

عمر رواں کو ڈھونڈھانہ پایا کہیں پتہ
 کیا جانے ہوا کی طرح وہ کدھر گئی

اشدری بخودی کہ خودی سے بکل گیا
 در نہ یہ زیست مرگ کی اپنی گواہ تھی

یہ جام بھی برانڈی کا کیا دور میں ہے واہ
 دیرا تیرا روز قیامت ہوا تو کیا
 پیٹے ہی جس کو سو جھتی ہے دُور دُور کی
 فرصت کسے ملے گی حساب کتاب سے

انتخاب دیوان دوم

عجب کیا ہوا نشان ایسا ہے دیوان سے اپنا
 کہ جیسے آئینہ سے نام روشن ہے سکندر کا

وہم و خیال کی ہواں تک سانی شکل
 کچھ عرش سے بھی آگے اُسکا مقام نکلا

یہ باتیں کہنے کی سب ہیں زاہد جو دیکھ پائے تو اُس صنم کو
 تو پھر تیغ کی اہل کیا ہے ترا و ضو بھی نہیں رہے گا
 جاتی نہیں ہو اُس کی کسک عمر بھر کبھی ہر دم کھٹکتی رہتی ہو دل میں نظر کی چوٹ
 انساں تو چیز کیا دل فولاد نرم ہو دنیا میں سب سے شور زیادہ ہو زر کی چوٹ

گٹکری بنکر ہوا میں کھائے گی چکر سدا گنبد گردوں میں گر لپٹی مرے نالے کی گونج

نہیں ہو موج کو اکٹم بھی جو قرار کہیں بھٹکتی پھرتی ہو دریا میں کیا حباب کی لوح

ہے وہ مثل کہ مان کا ہو پاں بھی بہت تحفہ کا ایک خوشہ بھی ہو لاکھ من کی شاخ

رنگیں یہ غزل جائے جو شمس لا مرا تک ہو جائے سخن مثل شفق تابہ دکن سرخ

شور صاحب اُس سے اب کیونکر بنگی آپ کی تم ہو عاشق حسن سادہ پردہ ہو زور پسند

سارے جہان میں ہو اسی کی جو روشنی اس واسطے خدا نے کیا روئے زر سفید

کسی نے اوڑھے دو شاے کسی نے ہی کبیل نہ چھوڑا تو نے نہ چھوڑا کسی کا پیچھا ٹھنڈ

نہیں ہو دشت نور دی سے ایک دم فرصت بنایا کس نے مرے پاؤں کا رکاب میں گھر

ہوس تھی زسیت میں مرنے کی بہر امتحاں ہو نہ دیکھا مر کے زیر خاک بھی آرام سو سو کو س

گلگیر نے دہان میں لی جب نے بان شمع پروانے جل کے ڈھیر ہو سب لگن کے پاس

تیرے آنے سے چمن کی اس قدر اٹھڑی ہوا پتیاں بکھریں ہوا دم میں گل تر پاش پاش

کبتک برنگ غنچہ ہے چاک چاک دل اے موسم بہار دکھا ایک بار عیش
سُنبل کو باغ میں بھی پریشانیاں ہیں روز پاتا بھی ہی جہاں میں کوئی سو گوار عیش

حیات پائے گی ہرگز نہ ایک شب کے سوا کرے ہی خندہ عبث ہستی شرار پہ شمع

ہے کریموں کے ہمیشہ وقف محتاجوں کے فیض کیوں نہونیاں کی بخشش سے صد گوہر بکف
گلّال ایسا اڑایا ہی اُس نے ہولی میں کہ تابدا من گردوں بنا غبار شفق
خلد کو جبکہ زمیں سے کیا آدم نے عروج بوسے قدسی کہ کہاں پہونچی ہی تقدیر سے خاک

صوفی کو وجد و حال میں لانا ہی کیا کمال سبزہ کو جبکہ صحن چمن میں ٹٹے راگ

رُوسے زمیں سے جو کہ سوے آسماں گئے آئی نظر نہ ایک کے نام و نشاں کی شکل

اپنے جامے میں نہیں پھولا سمانا اُس گھڑی جب نظر آتے ہیں ٹوپی پر مجھے اُس مس کے پھول

ہم کو بھی دل کے قید میں رکھنے کا ہی خیال تارِ نفس سے اپنا بناتے ہیں دامِ ہم

ہم تو دونوں کی دِلا خیر ملتے ہیں مُدام نہ تو کچھ کفر پہ رکھتے ہیں نہ اسلام پہ نام

اک دن نہ چین تو نے زمیں پر دیا فلک کس جاگہ پھینک دیں تجھے سر پر اٹھاکے ہم
گھر بیٹھے جب خدانے دیا ہم کو صبر و شکر ہرگز نہ پاس جائینگے شاہ و گدا کے ہم

مرزا پر شک اپنے بے سبب آکر نہیں تھمتے گراں قیمت جو گوہر ہیں ہٹکتے ہیں ترازو میں
رواں ہوتی نہیں سے انتظار اُس بُت کا ہی شاید صُراحی ہچکیاں لیتی ہے اور شیشہ ہی اچھو میں

جو خدائی میں سُبُوں کی لائے شک تو یا خدا ٹوٹ پڑو سر بسر اُس بدلتی پر آسماں

دیا ہے رتبہ خدا نے یہ سر جبینوں کو کہ دیتے چاند سے نسبت ہیں سب جبینوں کو

اُس نے گوچہ سے پس عمر اٹھایا ہم کو بل گیا دیس میں پر دیس نکالا ہم کو

جس جگہ بیٹھے وہی دیکھ کے جلوا اٹھے فخر کعبے کو نہ تزلزل ہی بُت خانے کو

حرم میں دیر میں گرجے میں ہی ایک یہ بھیداہلِ دہائی پر کب عیاں ہو

دکھائی کس نے وہ چشم میگوں کہ ہوش جاتا رہا ہے میرا

پڑا ہوں غش میں خبر نہیں کچھ شراب چھڑ کو شراب چھڑ کو

رہائی قیدِ علاق سے زندگی میں نہیں ابھڑ رہا ہی ہر آفات کے طناب میں پانواں

جانے ہے کون دردمرا اُس کے عشق میں کچھ دم شماری کہیں قضا و قدر گواہ

اللہ سے شوق دید کہ سایہ کی طرح سے ہم ساتھ ساتھ اُنکے رہے وہ جہاں چلے
جس میں رہے نہ طاقت رفتارِ ضعف سے مثل غبار کیوں نہ پس کارواں چلے
ہوئی خلق عاجز و فاکرتے کرتے نہ تنگ آئے یہ بُت جفا کرتے کرتے

بھر ہستی ہی جبے واں دن رات ایسی بستی میں کیا قیام رہے
جبے باں پر ہو بُت کے مرگ و زبیت پھر خدا نی میں کیا کلام رہے
ہماری کیا ہی حقیقت جو بُت پہ مرتے ہیں خدا بھی دیکھے جو اُسکو تو خود خدا ہو جائے

نہ پانی کو چہ مقصود کی راہ ایک دن ہم نے سیرِ جاوہ رہے جو نقشِ پا محروم منزل سے

شاطرِ ایام کے منصوبے رہ جائیں گے سب جب بڑھیکا مہرہ اپنا مات ہی رہ جائے گی
چاہیے تقسیم کرنا وقت کا ہر کام میں ورنہ دل میں حسرتِ اوقات ہی رہ جائے گی
شورِ صاحب کیا بھر و سازندگی کا سچ یہ ہے سب فنا ہو جائیں گے وہ ذات ہی رہ جائے گی

تدبیر کر لو آج ہی کل ہو سکے گا کیا ہے وہ مثل کہ مار کے پیچھے سنوار رہے

جب آئے تھے تو کیا لائے تھے ہم ہستی فانی میں اور اب جانے کو ہیں تیار پھر سو عدم خالی

جُز و داغِ بلا کچھ بھی نہ الفت کے شجر سے اس باغ میں ہم لینے کو یہ ہی ثمر آئے

کچھ تو ہی بنی جان پہ اس دل کی بدولت
 نہ آئی اگر بن کے معشوق تو
 زمیں سے نہ اٹھیں گے طفل سرشک
 جو ٹھانی ہے دلیں کریں گے وہی
 یہ فرق جیتے ہی جی تک گدا و شاہ میں ہے
 نشان مقام کا گم اور نہ رہنمائی کوئی
 گدا نے پھوڑ کے دنیا کو نقد دیں پایا
 پسند طبع نہیں اپنی چار دن کا بلا پ
 آنکھوں سے نکل آج جو سخت جگر آئے
 ترے ساتھ کب ہم اہل جائینگے
 اٹھایا تو فوراً محفل جائینگے
 گئے وہ نہ گر آج کل جائینگے
 وگر نہ بعد فنا مشقت خاک راہ میں ہے
 غرض کہ سخت اذیت عدم کی راہ میں ہے
 بھلا یہ لطف کہاں شہ کے عزد جاہ میں ہے
 مزا تو زیست کالے سیری جاں نباہ میں ہے

میں مریضِ عشق ہوں مجھ کو شفا ہوتی نہیں
 کیوں عیب شے جاتے ہو ہم شفا خانے مجھے

جس کو چاہا اے تو تم نے کیا اپنا غلام
 لیلیٰ شبِ ہنپتی ہے ککشاں کے ہار کو
 غور سے دیکھا تو ہی ساری خدائی آپ کی
 دیکھ لی ہے جسے زنجیرِ طلائی آپ کی

گر خوشی آج ہے تو پھر غمِ فردا کیا ہے
 دل میں جب کیفِ دو عالم کا بھرا ہی اپنے
 غنچہ کمنے سے تنگ ہوتے ہیں
 ہمارا ہوتا تو رہتا ہمارے سینے میں
 جس پہ ہو فضلِ خدا کا اُسے کھٹکا کیا ہے
 جستجوئے حرم و دیرِ کلیسا کیا ہے
 گل کہا تو گلے کا ہار ہوے
 یہ دل بنا تھا تری چشمِ فتنہ زاکے لیے
 جفا کو چھوڑ دیں ہم آپ کی وفا کے لیے
 کہا جو میں نے وٹا کر تو ہنس کے فرمایا

ہم ہوشیار ہو گے ہوے در بدرِ خراب
 غافل ہی جو جہاں سے وہی ہوشیار ہے

واعظ ڈرانے کو کوئی فقرہ سنا اب اور
محشر تو ایک فتنہ رفتاریا رہے
کیونکر بسر اوقات کریں اپنی جہاں میں
جینے کی ہے اُمید نہ مرنے کی خبر ہے

زباں سے تری جب نہیں ہو چکی
تو جینے کی صورت وہیں ہو چکی
تمام اپنی جان سز میں ہو چکی
کرو اب بھی ہاں کچھ نہیں ہو چکی

اپنے گناہ پر ہمیں کیا کیا ملال تھے
پرسن کے خوش ہوئے کہ وہ نکتہ نواز ہے

تابِ نظارہ نہ ہو نقشہ مانی بگڑے
کھئے کس شکل سے پھر آپ کی تصویر رہنے
مجھ کو بلا میں ڈالا بچی آپ بال بال
یہ چال سر بسر تری زلفِ دو تا کی ہے
کیونکر نہ ہوں عزیز یہ داغِ جگر مجھے
سوچی ہوئی نشانی مرے دلربا کی ہے
پیتا ہوں صاف کر کے مے پر تگال کو
الفت جو میرے دل میں کسی پار سا کی ہے

اشکباری کے سبب محروم ہوں دیدار سے
بند آنکھیں ہو گئی ہیں آنسوؤں کے تار سے
ہوں کر سچن پر مجھے ہند بچہ سے عشق ہے
چاک دامن میرا سی دورِ شستہ زُتار سے

شفا مرض سے نہ بخشے گا کس طرح سے مجھے
کہ وہ خدا بھی ہی شافی بھی ہی طبیب بھی ہے
گدا کو شاہِ جواک دم میں کر دکھاتا ہے
عجب طلب ہم یہ انسان کا نصیب بھی ہے
وہ چھوٹے کس طرح پایا ہو جس کو جاں کھو کر
اگرچہ میرا عدو ہے ولے حبیب بھی ہے

تڑپا کیئے ہم بے خبری میں تڑپے بہشت
جب یاد ترے رخ کو کیا ہم نے سحر تھی

شیشہ دل ہوا وبالِ حیات
 جو پوچھا میں نے کیوں مجھ کو فیہیں شک کے مدے
 آگیا بال اس میں ہل ہل کے
 شوق نے کی جو رہری دل کی
 تو بڑے ہنس کے اس ترکیبے الفت بڑھائی
 جان پر اپنی اسے کیوں بنتی
 منزل عشق طے ہوئی دل کی
 دور ہم سے ہیں وہ تو کیا ڈر ہے
 بات جو مانتے کبھی دل کی
 اک نظر نے کیا ہے کام تمام
 پاس ہے اپنے آرسی دل کی
 جب جوانی گئی چھڑا کر ہاتھ
 آرزو بھی تو تھی یہی دل کی
 بیتاب مجھے دیکھ کے بیتاب ہے بکلی
 اُس پہ پیری نہ کچھ چلی دل کی
 نالوں کی مرے طرزِ پیہے نے اُڑائی

کوک کول کی کہیں شور پیہے کا کہیں
 مور بولے ہیں کہیں دیکھ گھٹا سادن کی

ریا کے سجدے کا دھبہ دھلے وضو سے خاک
 مٹانہ داغ پہ زاہد کی شستِ شو نہ گئی

کوئی اکیر نہیں اس کے مقابل ہر گز
 دیکھو آئینہ نہ دیکھو میں کہے دیتا ہوں
 خاکساری سے میتر مجھے دولت ہوگی
 روزِ محشر ترا دیدار ہوا بھی تو کیا
 آپ سادیکھ کے اُس میں تمہیں حیرت ہوگی
 بھڑ میں دیکھنے کی یاں کسے فرصت ہوگی

انتخابِ دیوانِ سوم

دل صاف کر آلائشِ دنیا سے کہ یہ بھی
 آئینہ سکندر کا ہے اور جام ہے جم کا

کھلے گر دیدہ عرفاں نظر آئیں نے جلوے
 تماشا دیکھے پھر انساں ہر اک جا اسکی صنعت کا

قدم آیا ہے جس دن سے زمیں پر ناگہاں پنا
دکھلتے آنکھ میں تارے عُدے آسماں اپنا

اُٹھ اُٹھ کے خاک گوشہ دامن نہ چھو سکے
اتنا مرا غبار کبھی نہ تو اں نہ تھا

کر کے طے منزلِ دنیا وہ تھکے ہیں رہرو
گوں میں سو کے نہ کروٹ بھی بدلتے دیکھا
تمام عمر عذاب و گناہ میں گزری
میں پھر خدا سے اُمیدِ ثواب کیا کرتا
سب جگہ اُسکا ہے جلوہ تو کہیں پوچھیں ہم
دیر کس کا ہے حرم کس کا ہے گر جا کس کا

بات کرتے نہیں پھر دعویِٰ خدائی کا بھی ہے
ہر عجبِ تنگ بتوں کی بھی خود آرائی کا

بوسہ ہائے لبشیریں کا صلہ کیا دیکھے
نہ سمرقند ہوا پناہ نہ بجنار اپنا
پوچھتے کیا ہو دل کی ویرانی
یہ ہمیشہ سے گھر خراب رہا

راہ کعبے کی نہ پانیِ شیش نے
وہ حرم میں جا کے نامحرم رہا
اشک گر ہوتا تو بہ جاتا نہ وہ
پارہ دل تھا مژدہ پر تھم رہا

عمر رفتہ نہ پانی ڈھونڈھے سے
دل سدا درپے سُرِ غ رہا
نارسائی طالعِ ناکام کی کام آگئی
کل طبیعتِ شوخ کی جدمِ خفا تھی میں تھا

ہماری آہ کو ان صدمہ ہائے دُنیا نے
ہوا کے گھوڑے پہ ہر دم سوار ہی رکھا
باغباں نے بنا بنا کے چمن
کھیل کی طرح پھر بگاڑ دیا

تھے دلاور جہاں میں ہم بھی بہت
صدرِ عزم نے پرچھاڑ دیا
حشر میں آپ نے صورت جو دکھائی ہم کو
شکوے سب بھول گئے جو نہ کچھ یاد آیا
عالمِ عیش و طرب میں نہ کیا اس کا خیال
جب یارِ پنج بتوں نے تو حسدایا دیا

زندہ ہو جاتا ہر جامِ بادہ سے ہر مُردہ دل
یہ عرقِ ہوسا قی کوثر کا کھنچوایا ہوا
دل تو حاضر ہے دے افسردہ و پژمردہ ہی
آپ کے کس کام کا یہ پھول مُرجھایا ہوا

خدا کو عجز سے رغبت ہے اُس کے بندوں میں
نیا ز جس نے کیا وہ نیا ز مند ہوا

کچھ تو ہو خوفِ خدا کچھ تو ہو دنیا کا لحاظ
فرضِ انسان کو ہے صاحبِ یاں ہونا

روزِ عیشِ صدا زار سے لب پر توبہ
فائدہ ہم جسے سمجھے تھے وہ نقصاں نکلا
کیا تحبلی رُخِ روشن کی ہے اللہ اللہ
بلوہ حُسنِ نقابوں میں بھی عُریاں نکلا

نکر بے فائدہ بے سود تر دُور ہر دم
بس ہی ہو گا کہ جو تیری رضا نے چاہا

گر یہ جلنا ہی نصیبوں میں مگر تھا لکھا
شمعِ بکر ترے آگے سب محفل ہوتا

زاہد و جاؤ ہوا کھساؤ بڑا دن ہے آج
میکشواؤ کہ وہ ساقی کلف نام آیا

ہم جائیں کیا خیال کو بھی روکتا ہوا شک
غیروں کے اختیار میں بزمِ بُتاں ہے اب

ہے خانہ اجل میں تمنائے جاں وہی گھر ہے رقیب کا وہ سیجا جہاں ہوا ب

مجھ کو خود شوق اسیری کھینچ کر لایا یہاں کچھ نہ اندیشہ کریں ب سیر بال پر سے آپ

رُخ پر نقاب اُنکے پڑا ہے سبب نہیں دیتے ہیں سہیں شربت دیدار چھان کر

جل کر کھڑی رہے گی جو اک سے پارات بھر باقی سحر تک نہ رہے گا نشانِ شمع

بس داد کی اُمید تو ابُن سے ہو چسکی رکھتے نہیں وہ کان بھی فریاد کی طرف
اُردو کی جو زباں تھی ہوئی میر کو نصیب شاعر ڈھلے ہوئے ہیں اسُتا د کی طرف

زندوں کا ترے عشق میں ہی چاک گریا مُردوں نے کیا غم میں ترا اپنا کفن چاک
کس کو دیکھیں آنکھ سے مثلِ حباب آپ ہی دم میں مٹے جاتے ہیں ہم
جتنی چادر دیکھتے ہیں ہم نشیں پانوں بھی اُتنے ہی پھیلاتے ہیں ہم
غمدہ ہے شور اس دنیا کا نام اسیں کیا غم کے سوا پاتے ہیں ہم

ادھر ہے کعبہ اُدھر ہے مندر یہاں ہی تقویٰ وہاں ہی رندی

کبھی یہ کھینچے کبھی وہ کھینچے عجب طرح کے عذاب میں ہوں
گل تو کیا ہی کہتے ہیں ہوا کے جھونکے چٹکیوں میں بھی غنچوں کو اڑا سکتے ہیں

اس حُسن کی بہار پہ دل کو فدا کروں غنچے کی طرح دیکھ کے ہر دم کھلا کروں

اک دم کی زندگی پہ ہوں کیا شاد ہم پیا
مثل حباب ہاتھ میں ہر دم فنا کے ہیں

صدقے تمھارے حُسن کے قربان ناز کے
تم سا کوئی جہاں میں طر حدار ہی نہیں
ملنے سے اُسکے ایسی شفا ہو گئی مجھے
گویا کبھی ہوا تھا میں بیمار ہی نہیں
روئے فرشتے نامہ اعمال دیکھ کر
مجھ سا تو ہو گا کوئی گنگار ہی نہیں

ناخن تدبیر کے عقدہ کھلا اُسکا نہ جب
پنچہ قدرت کے آگے رکھ دیا تقدیر کو

اک نظر دیکھ مجھے اس میں ترا نام بھی ہو
عین ہو لطف ترا اور مرا کام بھی ہو

مست شراب عشق نہیں آتا ہوش میں
غافل کبھی نہ جانے اس ہوشیار کو

پہلے تو خاک ہوئے پھر اُٹے ہم باد کے ساتھ
تھی لکھیں ویرا زل سے ہی تقدیریں دو
ہزار شکر کہ مجھ پر خدا کو رسم آیا
دگر نہ عصیاں تھے میرے شمار ہونے کو
ہم کو کافی ہے فقط اُسکی عنایت کی نظر
آنکھ بدلے ہی زمانہ تو بدل جانے دو

دوئی جاتی رہے گی انقلابِ ہر سے جس دم
تو اک ہو جائیں گے دیر و حرم آہستہ آہستہ
عجب کیا ہو اُڑا دے سوے وحدت یہ اگر ہم کو
کہ رم ہوتے ہیں اب ہم پی کے رم آہستہ آہستہ

بیجا ہے شور و ولت دنیا کی جستجو
دام و درم نہ جائے گا کچھ اپنے دم کے ساتھ

کیونکر نہ فخر مجھ کو ہزاروں میں ہو نصیب
 تنگی سے ایسا وقت گذرتا ہے آج کل
 حاجت نہ پائے بوس کسی کی پڑے گی پھر
 نام خدا یہ اپنا تو کل ہے رات دن
 دولت سے دو جہان کی کر دیوے تو غنی
 چلیں گے کیونکر اٹھاکے سر پہ ٹلے گا دل سے یہ بار کیونکر
 رکھتے ہیں جبکہ سر پہ سرے چار بار ہاتھ
 آتا نہیں ہے اب تو کہیں سے اُدھار ہاتھ
 رکھے گا سر پہ میرے جو پروردگار ہاتھ
 جوڑیں کسی کے آگے نہ ہم بار بار ہاتھ
 دینے کے لے کر یم ترے ہیں ہزار ہاتھ

کہ ہے گناہوں کا بوجھ بھاری الہی توبہ الہی توبہ
 ہوئے تھے پی کر ہم ایسے غافل کہ خوفِ عقبی رہا نہ لے دل
 کیا تھا کیوں شغلِ بادہ خواری الہی توبہ الہی توبہ
 خدا سمجھے کہیں اس بکسی اور نا تو انی کو
 کہ ساتھ اب کارواں کا ہا پھوٹا جلے ہر ہم

کھلا نہ روز نے گل تو آبلہ پانی پا
 دکھانہ روز شگونے تو نوکِ خار مجھے

خدا نے اپنے جلوے کو دکھایا جسمِ نوری میں
 ہوئے کون مکانِ روشن کھلی قسمت کہاں میری

آج خدمت میں تمھارے جان زار آنے کو تھی
 کیسے غنچے کیسے گل کیسی صبا لے عندلیب
 لے گئی موت اُسکو یہ اُمیدوار آنے کو تھی
 وہ چمن ہی مٹ گیا جس پر بہار آنے کو تھی

ہم نے بھی اس توقع پہ تو اپنی جان دی
 وعدہ ہے روزِ حشر کا دیدار کے لیے

کیوں خاک میں ملنے کو عدم سے یہاں آتے
 پہلے سے ہیں ہائے کسی نے نہ خبر کی

جب سے دل جانبِ عقبیٰ یہ ہوا ہی راغب
پھر کسی چیز پہ دنیا کی نہ رغبت آئی

با و صبا کے ہاتھ سے ہوں اس قدر نہال
سر سبز ہو رہا ہوں نہالوں کے سامنے
ایسی ہوا زمانے کی بگڑی کہ آج کل
قدرِ شریف کم ہو رہا لوں کے سامنے

جلوہ ہوشِ با جبے ترا دیکھا ہے
اپنے بیگانہ کی دانشِ خبر کس کو ہے

روئے پر مرے نہیں کے نکپاشی اُس نے کی
تجھ کو مرے یُفت کے سخت جگر ملے

با و خزاں کے چلتے ہی غنچہ رہا نہ گل
گردش نے اس فلک کے یہ کیا گل کھلا دیے
دیکھ کر آج بتوں کا جلوہ
اک خدائی بختِ دلوٹ گئی
پانی پانی ہوا جاتا ہے اسی فکر میں دل
اپنے اعمال کی اک دن جو سزا پانی ہو

مہر خاموشی لگی بزم میں آتے ہی ترے
تابِ تقریر کسی کو سرِ محفل نہ رہی

بہتر نہ اس سے تھی کوئی دلبستگی کی جا
تجویزِ دل ہوا ترے مسکن کے واسطے
کافی ہیں دل لگی کو ہمیں یہ بستانِ ہند
لندن کو جائیں گے نہ فرنگن کے واسطے

پرسشِ جو رہ نہ ہو حشر میں تیری مجھ سے
کہ خدا جانے وہاں مُنہ سے مر کیا نکلی

زمین میں سو نہپ کر آیا خبر لینے نہ پھر کوئی
صدا آتی ہے یہ اکثر مجھے گورِ غریباں سے

جو مستبول اپنی دعا ہو گئی تو ہر دردِ دل کی دوا ہو گئی
 توقع نہ تھی مجھ کو یہ روح سے لگایا جو مُنہ زاہدوں نے اسے
 غصے میں اُن کا رنگ نکھرتا ہے اور بھی دُراشک میرے یہ ہیں منتخب
 دکھایا زمانے نے کیا انقلاب جب تلک ہوش ہوا ناں کو کرے یا دِ خدا
 تو ہر دردِ دل کی دوا ہو گئی کہ وہ دم کے دم میں ہوا ہو گئی
 تو بنتِ لعنہ پارسا ہو گئی ہم سے بگڑ بگڑ کے وہ کیا کیا سنور گئے
 کہ خاک آبرو سے دگر ہو گئی کہ معدوم قدر ہنس ہو گئی
 پھر دم نزع یہ اوسان ہے یا نہ رہے

غرض نہ دیں سے مجھے کچھ نہ کام دنیا سے فقط ہے تیری عنایت کی آرزو باقی

عجب دکھایا زمانے نے انقلاب ہیں کہ جو جو اپنے تھے وہ آجکل پرلے ہوئے

نیستی سے اوج ہو اس ہستی ہو موم کو زندگی پیدا خدا نے کی قضا کے واسطے

چمن کا رنگ بگڑا دیکھ کر کہتا ہوں بلیں نہ امیدِ وفا رکھنا کبھی تو بھول کر گل سے
 بتوں کی سرد مہری کا ہوا معلوم یہ باعث کہ آج گل ہوا انکی خطہ کشمیر و کابل سے

بھید سے تیرے خدا وندا نہیں واقف ہو صانعِ قدرت ہی کیا شرط تھی انصاف کی
 بارہا عالم بنے بہتر بنے بدتر بنے دل مرا شیشہ بنے اُس بُت کا دل پھر بنے
 پھر کہو اُن کے لیے کس چیز کا زیور بنے جبکہ لچکے پھول کی بدھی سے وہ نازک کمر

انتخاب دیوان چہارم

وائے نادانی ہوا یہ دمِ آخسر ظاہر ہائے تنہا ہی چلے کوئی نہیں تھا اپنا

جب گھر میں یار ہی تو پھراتا ہی کیوں مجھے حیراں ہوں میں کہ اس دلِ ناداں کو کیا ہوا

نہ پوچھو وحشتِ دل کی حقیقت مختصر یہ ہے کہ سنائے میں گردش تھی تحیر میں بیابان تھا

اسی خیال میں نِ اِت میں تڑپتا ہوں تمہیں سدا رہی دگے جو بے قرار کیا

لے شیخ نہ مست عے پندار دہائی ہو کعبہ ہے اگر اُسکا تو بُت خانہ ہی کس کا
دل بادہ تو حید سے لبریز ہے اپنا لے زاہد کج فہم یہ پیمانہ ہی کس کا

ہماری اشکوں کی قیمت کو کب پہنچتا ہے جگر چھپا کرے غم سے ہزار موتی کا

صد شکر کاشکاش سے چمن کی کیا آزاد ممنون نہ کیونکر ہو نہیں بے بال و پری کا

عشرت کدہ دہرے محشر ہمیں بہتر پردہ تو دہاں زیب رخِ یار نہ ہوگا

حیرت میں بھی ہے آئینہ گر غور کیجیے اُسکا نشان ہی اس میں کہ جسکا نشان نہ تھا
حضرتِ دل نہ کسی پر مریے مرتے مرتے یوں نہیں مر جائیے گا
اب تک مجھے معلوم نہیں اپنی حقیقت بوں کون کہاں آیا ہوں ہی قصد کہاں کا

دنیا میں بجز گور کے کیا خاک بناتے
 کچھ نام کی خواہش تھی نہ ارماں تھا نشان کا
 حصارِ روس ہے گر کوہِ فرسا
 نہیں پر قلعہ کا بل سے اونچا
 ہم نہ کہتے تھے کہ تم ثابت لاؤ گے کبھی
 اب کہو طور کا جلو تھا یہ موسے کیسا
 رضا کہتی ہے روزِ بالیں پہ آکر
 ٹلے گا نہ روزِ معسین کسی کا
 پیری نے آکے لطفِ جوانی مٹا دیا
 اپنا بھی اس سے پہلے کچھ اچھا زمانہ تھا

طبیعت میں صفائی گر نہیں تو خود نمائی کیا
 کوئی آئینہ سازی سے سکندر ہو نہیں سکتا

کیسی تقسیم کی قسامِ ازل نے ہے
 کہ بیا بیاں ہے مرا اور گلستاں اُن کا

پہن کر کوٹ اور پتلون بلبس نہیں بیٹھے ہیں
 مٹایا نامِ جنٹلمین بن کر کیا دو شالوں کا
 دیکھ کر اُس صنم کو میں بُت ہوں
 خاک سے بن گیا ہوں پتھر کا
 دشمنی دوستوں نے کی مجھ سے
 شور لکھا تھا یہ مفتِ زار کا
 کیا کیا تھی آرزو شمرِ نخلِ عشق کی
 یہ پھل ملا کہ دل بھی پھپھو لوں سے پھل گیا

تمام عضو ہیں بیکارِ ضعفِ پیری میں
 رہے جو ایک دوا باقی وہ کس حساب میں دانت

یہ بختِ دل ہے کسی سبز بخت کا ظالم
 عقیق کا ہے جو تکہ سر گریاں مُرخ

یہ گھٹنے بڑھنے کا جب نقص پڑ گیا اس میں
 تو مہِ جبینوں سے پھر کر گیا کنارہ چاند

ہے یقین مجھ کو یہ تاثیرِ سیہِ بختی سے سر سے پاتک نہ مرے بال ہوں نہ نارِ مفید

ہجر میں دیکھ چکے اُسکی بھی تاثیر کو ہم اپنے مشرب میں جو ممنوع تھا گنڈا توینہ

پختگی کرنے ہو الفت میں تو کچھ لطف نہیں کبھی دیکھا نہیں ہم نے شرِ خام لذیذ

مرنا در شیریں پہ تھا لازم تجھے ناداں پتھر پڑیں سرِ باد تری کو کہنی پر

تو وہ یوسف ہے کہ اندھوں کو بصارت دیدے داغ دیکھیں گے تجھے دیدہٴ بینا ہو کر

مر کر ہیں اس گریہٴ طفلی کا کھلا حال انجام کی آواز تھی آغاز کی آواز

جب آنکھ بند کی وہ تصویر میں آگئے کیا کیا ہی مجھ کو خانہٴ وابستہ در سے فیض
شاگرد تیرے شورِ جہاں میں ہیں جا بجا جاری سخن کا خوب ہوا تیرے گھر سے فیض
دل ساعزِ زیرِ رکھ نہ سکے جبکہ پاس ہم پھر اُن کے آگے کیا کریں اس جاں کی احتیاط

گلشنِ گیتی میں ہم بھی رنگ دکھلاتے ہزار مثل گل کے کاش ہوتے ہم کبھی جو زرِ کف

اہلِ صفا کا عرش سے رتبہ بلند ہے آتما ہے زیرِ آبِ نظرِ آسمان صاف

رسانی کیونکہ ہو نظارہ گاہِ یار پر اپنی کہ جاسکتی نہیں بیکِ تصور کی نظرواں تک

کیا پوچھتے ہو سکھ میں تو اپنا پر ایک ہے
 خبر عسرواں کی کچھ نہ پائی
 چمن کی بے ثباتی جبکہ دیکھی
 جسے کہتے ہیں شیطان وہی ہے
 کسی سے چھڑ کسی سے منہی کسی سے مذاق
 پر دکھ میں ہم نے پائے بہت لوگ کم شریک
 رہا برسوں ہی اُسکو ڈھونڈھتا دل
 بشکل غنچہ سر بستہ رہا دل
 بُرائی کا ہے بیشک سر غنا دل
 بڑھا پا بھی ہے ہمارا شباب میں داخل

خدا کے نور کا ہوتا نہ اس میں گر پر تو
 تو بت کے سامنے سجدہ کیا نہ کرتے ہم

بس نا صحا دماغ پریشاں نہ کر مرا
 آفت میں ہوں تو میں ہوں کچھ آفت میں تو نہیں

کیا کوئی فرشتہ ہوں کہ بے رزق ہوں چرخ
 شاید ترے نزدیک میں نساں نہیں ہوں

پیش جاتی نہیں آنکھوں کے آگے شوخی
 شادی و غم ہیں دم کے ساتھ ساتھ رہیں گے تاملات
 یہ وہ آہو ہیں کہ دنیا کو چرے بیٹھے ہیں

بے ہنر کر نشیمنی سے نہ ہوگا باہنر
 شبِ فرقت قیامت سے نہ تھی کم
 یکساں مال کا رہے شاہ و گدا کا یاں
 خاک اڑائیں گے بار کے در پر
 دیکھی میری ترپ جو مقتل میں
 آئے تھے ہم یہ سوچ کے سکھ پائینگے یہاں
 شیر قالیں صورتِ شیر ببر ہوتا نہیں
 گھٹا کی روح اور آہیں بڑھاکیں
 محتاج بادشاہ بھی دو گز کفن کے ہیں
 کیوں رہیں مثلِ فیس جنگل میں
 چھپ گئی برق جا کے بادل میں
 دنیا تھی پوٹ دکھ کی وہ ہم سے اٹھی نہیں

غیر کی آنکھوں میں ٹپکتی ہیں شعاعیں مہر کی
ہیں وہ شاید میری آہ چرخ رس کی تیلیاں

گرچہ ہیں خاموش پر ہی لو لگی اسکی طرف
نہ نکلا کچھ بُتوں سے کام اپنا
خدا جانے کہ کیا ہو جائیں ہم کیا مرتبہ پائیں
چلے ہیں بارِ عصیاں سر پہ لے کر
بُت بھی ہیں مصروف بُت بن کر خدا کی یاد میں
بس اب میرا خدا ہے اور میں ہوں
ترا لے بُت سے جتنا ڈر اگر اتنا خدا کا ہو
ہماری بار برداری تو دیکھو
ان گنہگاروں پہ کچھ تیری ہی رحمت ہو تو ہو

رشتے کیا درِ نایاب ہو پانی پانی
گر پڑے چشم سے گر ایک زمیں پر آنسو

دل سا عزیز پہلے ہوا نذرِ ناز کی
اب جان لڑ رہی ہو مری اُس نظر کے ساتھ

ہماری آنکھ کے آنسو زمیں پر گر کے کہتے ہیں
بلندی ہو جسے حاصل اُس سے اک دُستی ہے

عقل و حواس و ہوش تو کھو ہی چکا تھا میں
باقی رہی تھی جان سو وہ بھی نشانہ کی

نہکایا جس نے اسیا زباں اسی نہ آنکھ اسی
غنیمت اور اقلیموں سے ہر ہنستاں پھر بھی

دیا بتوں کو جو دل آخر آدمی ہی تو تھے
گل سا چہرہ کبھی تو دکھلاؤ
فرشتے ہوتے تو کاہے کو ہم خطا کرتے
جو ذرا دل کی بے کلی سے نکلتے
مدعا کھل گیا یہ مجھ پر آج
تم مری جاں کے مدعی سے نکلتے

بیشک نہیں نکلتے ہو پردے سے تم مگر حسرت بھی میرے دل کی بڑی پردہ دار ہے

میں جانتا تھا جو یہ میرے ہی ساتھ ہیں غیروں کا حال دیکھ کے صبر آ گیا مجھے

اے شبِ تار نکل بھی کہیں کا لا مُٹھ کر اب تو ہونے لگا سایہ بھی گریزاں ہم سے

سچ اگر پوچھو تو ہے جینا ہی دشوار اسے در نہ مشکل ترے بیابان کو مرنا کیا ہے

ہماری عقدہ کشائی فقط دعا پر ہے بتوں کے بندے ہیں لیکن نظر خدا پر ہے

ڈال کر سو ڈا برانڈی میں یہ ساتی نے کہا دیکھ لو جس نے نہ دیکھا ہو سنہرا پانی

ہاے نیکی کیوں نہ کی ہم نے کہ ہوتے سرخرو اس بدی سے روزِ محشر سخت سوائی ہوئی

نذر کو تیری فقط دم ہی لگا رکھا ہے اور کیا پاس مرے اس کے سوار کھا ہے

انتخابِ دیوانِ خجسم

مرے ساتھ سُلوکِ قضا نے کیے مجھے زسیت کی فکر و الم نہ ہے

مرے بارگنا ہوں کے ہلکے ہوئے کوئی رنج و عذابِ رانہ رہا

داغِ دل پر میرے اعمالوں کے لاکھوں ہیں گواہ اس لیے میں اپنا محضر آپ لکھ کر لے چلا

رُکے ہے آمد و شد میں نفس نہیں چلتا
 ہوا کے گھوڑے پہ رہتا ہی وہ سوارِ مدام
 گزشتہ سال جو دیکھا وہ اب کی سال نہیں
 نہیں ہی ٹوٹے کی بوٹی جہان میں پیدا
 ہر ایک بات پہ بن بن کے وہ بگڑتے ہیں
 رکھا ہے وقت ہر اک کام کا خدا نے بھی
 یہی ہے حکیمِ اکہی تو بس نہیں چلتا
 کسی کا اُسکے برابر فرس نہیں چلتا
 زمانہ ایک سا بس ہر برس نہیں چلتا
 شکستہ جب ہوا تا نفس نہیں چلتا
 کسی کا اُن کی طبیعت پہ بس نہیں چلتا
 ہزار فکر کرد پیش و پس نہیں چلتا

خدا نے راہ بنائی ہے صبر کی مضبوط

پر اُس پہ شور کبھی بوالہوس نہیں چلتا

میں اپنی سزا پانے کو سو فخر سمجھتا
 اے طفلِ شک کو پہ میں اُسکے نہ تو محیل
 دامن سے داغِ خون کا دھویا تو کیا ہوا
 گر میری طرف ایک بھی الزام نکلتا
 آخر کو پھر کسی سے اٹھایا نہ جائے گا
 پردل سے اُسکا نقش مٹایا نہ جائے گا

تمھارے عشق میں کیا کیا نہ اختیا کیا
 اسی خیال میں دن رات میں تر پتا ہوں
 کبھی فلک کا کبھی غیر کا دستار کیا
 تمھیں قرار بھی دو گے جو بہتار کیا

پیک خیال بھی ہے عجب کیا جہاں نما
 اُس ماہر وہ پہ آنکھ کسی کی نہ پڑ سکی
 دیتے نہ دل جو تم کو تو کیوں بنتی جان پر
 ذرہ کی طرح خاک میں پا مال ہو گئے
 آیا نظر وہ پاس جو اپنے سے دور تھا
 جلوہ تھا طور کا کہ سرورہ نور تھا
 کچھ آپ کی خطا نہ تھی اپنا قصور تھا
 وہ جن کا آسماں سپر پر غرور تھا

بل بے اے جوشِ شہادت خون تھمتا ہی نہیں
 ہو گئے قاتل کے دونوں ہاتھ اور شمشیر سُرخ

کہتے ہیں جس کو شفق یہ سب خیالی باتیں ہے کسی کے خونِ ناحق سے یہ چہرہ پر سُرخ

مشتبک گر جگر اور دل ہو ہیں تیرے مزگاں سے رہیں دُریں پر پرِ یزادوں کے یارب جالیاں ہو گزند

روح تھی صاف بگولے میں کسی وحشی کی کھاتے ہیں اُڑ کے پہاڑوں سے جو چکر پتھر
کھل گئی آج شرارتِ بُتے رحم کی شور یہ جو پھولے ہیں اس نے مرے گھر پر پتھر
ٹھکانے لگی آج مٹی مری ٹھہرا ہے روزِ حشر کو گو وعدہ وصال
کھڑے وہ رہے گور پر دیر تک پر انتظار موت کی حالت سے کم نہیں

نہ اپنے حال کا غم اور نہ کچھ مال کی فکر بھینسے ہیں اہل جہاں کس بلا کے ٹھنڈ میں
نصیب بامِ تنقا پہ ہو رسانی کسیا نہ ہم میں تابے تو اں اور نہ ہم پر ندوں میں
تھائے شور سے ہوں شور کیوں حود نہ داغ کہ فنِ شعر کے ہو تم بھی سر بلندوں میں

خدا کی شان آتی ہے نظر یا طور کا جلوہ وہ جدم روپ بھرتے ہیں نور تے ہیں نکھرتے ہیں

ہوں محو ایسا دیدہ میگوں کے عشق میں پیما نہ دیکھتا ہوں میں ہر روز خواب میں

مجھ کو وہ قتل کر کے لگے خوں کو سُونگھنے اس شہم سے کہ اس میں تنکا کی بو نہ ہو

ترجی نظروں سے جو دیکھا تھا عدو کو میں نے وہ خفا ہو کے مجھے آنکھ دکھانے آئے

جورِ صیاد سے اور شوقِ رہائی سے بچے
لطف کچھ قید ہی میں بے پُر بال چھا ہے

جیتے فراق میں جو ہے بھی تو کیا ہوا
پس ماندوں کو سپرد خدا کے کیا ہے شور
ایک سُننے نہیں کسی کی وہ
ہم خاک ہوئے خاک بھی برباد ہوئی ہائے
سُن لینا ایک دُور کہ بے آئی مر گئے
اپنا نباہ جیسے ہوا ہم تو کر گئے
شکوہ پھر بار بار کون کرے
اور پھر بھی ترے دل سے کدورت نہیں جاتی

عمر بھر گردش میں گزری پر نہ پایا کچھ سُراغ
لو ذرا برق اٹھا دیکھ دکھا دیکھ جمال
گزاریں گے ہر حال میں عسمر ہم
نہ نکلے گا گر کام تم سے کوئی
میں وہ پروردہ غم ہوں کہ ازل سے مجھ کو
جامِ ہستی کا اب پنا ہوا شاید لبریز
منزلِ مقصود اپنی ہائے قسمت دُور ہے
آپ کی چشمک تجلی میرا سینہ طور ہے
گزرتے گزرتے گزر جائے گی
قضا تو مرا کام کر جائے گی
نہ ملی تھوڑی سی فرصت کبھی غم کھانے سے
آج خالی جو پھر آتے ہیں میخانے سے

کیا کہوں کس سے کہوں اک سخت حیرانی میں ہوں
دل میں لاکھوں لو لے ہیں پر زباں معذور ہے

(دیوانِ ششم)

وہ بھی غوغا سُن کے آئے دیکھنے کو بام پر
دیکھ کر اُس کو خموشی سب کے مُنہ پر چھا گئی
تھا دلِ مضطر کا نقشہ نقش اک تصویر کا
ہے غضبِ حیرت فزا عالم تری تصویر کا

تھی گل و شبنم کی صحبت وقتِ رخصت صبح دم
ہنس کے جانا اُسکا میرا چشم تر سے دیکھنا

انصاف فی زمانہ تو عنقا صفت ہوا
بارغِ معاش کیوں نہ ہو خشکابِ جہان میں
نہ ملا کچھ نشانِ عسبرِ رواں
یہ خدا سے جدا بھی کرتا ہے
نیکلی عدالتوں میں وہ رد و بدل کی شاخ
نخلِ ملازمت میں لگی ہو مڈل کی شاخ
مٹ گئی اپنی عمر بھر کی تلاش
ہو زیادہ نہ سیم و زر کی تلاش

غمِ دنیا ہے اور فکرِ نجات
حُسن پر تم کو عشق پر ہمیں ناز
دردِ دل کس سے کہوں داد میں کس سے چاہوں
جب خدا ہی نہ اسکے دل میں ہو
دوستی میں جو دشمنی کر جائیں
دیکھا بغور کوئی نہیں اپنے میل کا
ان سے بڑھ کر ہے کیا جہنم میں
فرق پھر کیا ہے تم میں اور ہم میں
میری سنتے بھی نہیں شکل دکھاتے بھی نہیں
چاہ کر بت کو کیا کرے کوئی
اُن سے پھر کیوں ملا کرے کوئی
جز خاک کون اپنے میں ہم کو ملا سکے

اثرِ سوزِ جگر کا قیس کے ہے غور سے دیکھو
تکے شرم سے ٹوٹے ز میں پر
کہ اب تک پھرتے ہیں ہر ایک صحرا میں ہرن کالے
جبیں سے تیری جبِ فشاں جھڑی ہو

(نظم معرفت)

عدمِ ہستی میں جب ہم آئے نہ کوئی ہمد ساتھ لائے
جہاں میں رکا ہو کارخانہ نہ کوئی اپنا نہ ہو گیکانہ
جو اپنے تھے وہ ہو پائے اب سرا ہے تو بکیسی کا
تلاشِ دولت میں ہی زمانہ خدا ہی حافظ ہو مفلسی کا

دل میں اپنے آرزو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں
 ہے تلاش و جہاں لیکن خبر اپنی کسے
 اک خیال خواہیے لے شور یہ بزم جہاں
 لے جان کام اس نے ہمارا کیا جو ہا
 لے شور تو نہ چھوڑنا دامن سچ کا
 دو جہاں کی جستجو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں
 جیتے جی تک جستجو سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں
 یا را در جام سب کچھ ہی اور پھر کچھ نہیں
 یہ کام آج تک نہ کسی سے ہوا کہیں
 ایسا نہیں ہوا ہی کوئی رہنا کہیں

بنا سب دن سے نورانی بڑا دن
 سیحانے قدم دنیا میں رکھا
 کہ رشکِ باہ و خور بیشک ہوا دن
 بزرگی سب نے پائی سر چڑھا دن

دلار ہے گی نہ یہ جان اور نہ تو باقی
 غرض نہ دین سے مجھ کو نہ کام دنیا سے
 کدھر وہ بزم گئی شور اور اہل سخن
 کوئی چیز ہوتی جو پراثر تو ہر ایک کھتا عزیز تر
 جہاں میں نام رہیگا فقط نکو باقی
 فقط ہی تیری عنایت کی آرزو باقی
 کہ ہی نہ تیرے سودا نہ آبرو باقی
 نہ کسی کے کام کے بکھے ہم نہ کسی مرض کی دوا ہو

تخمیں غزل ظفر

کچھ نہ کی تیری بندگی ہم نے
 جب عبادت میں کی کمی ہم نے
 عمر صنایع کی مفت ہی ہم نے
 خاک دنیا کی سیر کی ہم نے
 یہ تو اک بو نہیں خواب سا دیکھا

تخمیں غزل سفیر

تری فرقت میں جیتے ہیں ہم شرمندگی یہ ہے
 ہلا لے پاس اپنے اتھائے دلی یہ ہے

چلیں دنیا دوں سے سب کی نظروں میں بُری بیجا محبت میں تری ہم مرٹیں بس زندگی یہ ہے
 کسے کہتے ہیں مرنا موت کیا ہے اور قضا کیسی
 لگتا نہیں ہے دل جو یہاں پر کسی طرح نقشہ بگڑ گیا ہے کچھ اس کائنات کا

سبب اس بدوش کا ہوا معلوم یہ ہم کو
 جو آیا عالم فانی میں جائیگا وہ پھر اک دن
 ہر انسان کو دنیا میں کیا چاہیے
 میسر ہو گر خاک پائے مسیح
 خدا کا کرم اور سیحاکا فیض
 چلو شور اب تم بھی اپنے وطن
 سیر گل کو چمن دہر سے آنکھ ملے تھے
 مسافر خانہ ہی دنیا پھر اس میں ہی وطن کس کا
 خوشی کس کی کریں ہم اور یہاں بُج و محن کس کا
 شبِ روز یا دِ خدا چاہیے
 نہیں ہم کو پھر کمی چاہیے
 نہ کچھ دولت اس سے سوا چاہیے
 نہ پردیس میں اب رہا چاہیے
 یہ نہ سمجھے ہمیں گل سینے پہ کھانا ہوگا

رباعیات

گر جا میں گئے تو پارسانی دیکھی اور دیر میں جا کے خود نمائی دیکھی
 جب چھوڑا خودی کو غور کر کے لے ثور دیکھا تو ہر اک سمت خدائی دیکھی

کعبہ میں تو صدق اور صفا کو پایا بُت خانہ میں ناز اور ادا کو پایا
 حاصل نہ ہوا کہیں سے دل کا مقصد جب خود ہی میں ٹھونڈھا تو خدا کو پایا

کچھ تیرا شرنے لے جوانی پایا سرماز دہ باغ زندگانی پایا
 جی خاک لگے شور کہ اس گلشن میں جو پھول کھلا اُسی کو فانی پایا

ہر شخص دیکھتا ہے ہمیشہ مال کو اس واسطے میں دیکھ رہا ہوں ہلال کو

کچھ کام نہیں گبر و مسلمان سے ہمیں ہے کفر سے کچھ بحث نہ ایمان سے ہمیں
سہنے کے لیے دیر و عزم ہیں یکساں اک و ز سفر کرنا ہی پھر یاں سے ہمیں

جب تک ہے شباب سازگارِ دولت ہر قصر میں سو نقش و نگارِ دولت
پیری آئی تو شورِ صاحب پھر کیا سب خاک میں ملگئی بہارِ دولت

دولت نے معاودت جو کی تو کیا کی طالع نے مساعدت جو کی تو کیا کی
پیری میں نہیں فائدہ کچھ بھی لے شور دنیا نے موافقت جو کی تو کیا کی

پیری میں خاک زندگانی کا مرزہ دانے کا ہی لطف اور نہ پانی کا مرزہ
وہ میکشی دزدون کہاں ہو لے شور تا مرگ نہ بھولیں گے جوانی کا مرزہ

کیا وصف لکھوں لطفِ سیہ کی لٹکا ہر بیچ میں اک دل کو لیا ہے لٹکا
لے شانہ زہے قسمتِ عالی تیری کیا خوب ترے ہاتھ لگا ہے لٹکا

شہری شور

(غدرِ شہر - دہلی)

بیاں ایسے فتنے کا کیونکر کروں جگر تھا مومن یا چشم کو تر کروں
یہاں تک کہ انگریز مارے گئے حکومت کے جھنڈے اُتارے گئے

سُنی یہ خبر ہوش پڑاں ہوئے
 پھری فوج اور پھر رعیت پھری
 کیا قلعہ اور شاہ کو پھر خراب
 ہوا حال دہلی نہایت تباہ
 گھسے گورے کشمیری دروازہ سے
 ہوا حکم پھر فوج کو لوٹ کا
 کر و شکر حاکم کہ دل شاد ہے
 قیامت کے آثار و ساماں ہوئے
 شہ وقت کی دم میں نیت پھری
 ہوا نام گم تخت کا بے حساب
 لڑائی رہی رات دن پانچ ماہ
 کیا حملہ سب نے اک اندازہ سے
 تو خوب اُس نے دہلی کو غارت کیا
 نئے سے دہلی پھر آباد ہے

(جے پور)

گئے سیر کو ہم جو جے پور کی
 وہ جلوہ ہے پیدا پرستان کا
 وہ بُت خانہ چیں بنا ہر مکاں
 جو بازار ہے وہ ہی چوہر کا ہے
 جو دیکھے وہ دل ہار دے بر ملا
 وہ مینار بازار میں ہے بنا
 ہوا محل ہے ایسا محراب دار
 اور اُس کی ہو ایسی فضا اور ہوا
 وہ دروازے ہیں شہر کے ہر طرف
 بلند اور چوڑے ہیں وہ دکشا
 اُسے دیکھ کر دل کو فرحت ہوئی
 کہ دل شاد ہو جن و انسان کا
 جو دیکھے وہ بنجائے بُت بیگیاں
 وہاں لطف یہ اک نیا دیکھا ہے
 ہر انساں کے چپکے چھٹیں ایسی جا
 کہ گردوں کو ہو رشک اُس پر سدا
 بنا بر محل ہے وہ سب حلقہ دار
 دلِ مُردہ ہو دیکھ تازہ سدا
 کہ جنت کے دروازوں پر ہی شرف
 کہ تنگی نہیں نام کو بھی ذرا
 (گوالیار)

کسی وقت میں ہندو جنس میں تھا
 ہے اک راج یہ بھی عجیب پُر ہمار
 یہی راج مالک تھا اُس ملک کا

وے پٹا جب چرخ نیلی نے رنگ
نظر آیا پھر وقت کا اور ڈھنگ
رعایا بھی سب انکی خوشحال ہے
بڑا بندوبست اور اقبال ہے
بنائی ہے کوٹھی وہ جنت نشان

(پھول باغ)

ہے مشہور نام اُسکا جو پھول باغ
تو بے دیکھے اُسکے مُعطر دماغ
مکانِ اسمیں وہ ہیں رشکِ ارم
ہشتی بہشتوں میں پائیں گے کم
وہ کوٹھی میں ہے جلوہ رشکِ طور
مہ و خور بھی ہو منفعل بالضرور
چھتوں میں طلائی وہ نقش و نگار
کہ مانی و ہزار اُن پر نشان

(موتی محل)

بنا اور موتی کا ہے اک مکان
فرشتوں کی صناعی اُس میں عیاں
رکھایوں ہے موتی محلِ سکا نام
وہ موتی کہ دُرُ درکھے صبح و شام
صفائی جو اُسکی سی موتی نہ پائے
جگر رشک سے کیوں اپنا چھداے
سرِ پا چمکتا ہے وہ اس قدر
چھپاتے ہیں مُنہ اپنا شمس و سمر
نظر کس کی لاؤں جو ڈالوں نظر
نظر میلی ہے وہ صفا سرِ سر

(بازار)

کروں حال بازار کا بھی رستم
کہ جولانیوں پر ہے میرا قلم
ہیں بازار خوشرو بنے نگ کے
ہر اک رنگ کے اور ہر اک ڈھنگ کے
دوکانیں و رو یہ ہیں سنگیں تمام
ہر اک جنس کا کر لو سودا دارم

(رنگریزی)

وہ رنگریز نگت میں مشہور ہیں
اسی رنگ میں اہلِ مقدور ہیں
رنگا ہو جو ہر رنگ میں کچھ بشر
وہی قدرداں اُسکا ہے سرِ سر

کہ ہر رنگ سے دل لیا کرتے ہیں
 تو ہو رنگ فق اور مُنہ کو چھپائے
 اُسے دیکھ سوا بھی سر سبز ہوا
 اُسے جان دل سے کرے وہ تلاش
 وہی قدر اس رنگ کی جان جائیں
 کہ ہے گرم دیوں کو اُس سے سرور
 نہ رنگ جائے دھو بی کو دھبیہ لگے
 ملے خاکاروں میں اُس کو وقار
 تو فیروزہ بھی رشک سے ہیرا کھلے
 اثر اُس کا شربت سے بڑھ کر رہے
 جو گھر میں بلا ہو وہ کا فور ہو
 کہ ایسے نہیں ہیں کہیں دہر میں

وہ رنگین کپڑا رنگا کرتے ہیں
 اگر چہ رخ نیلی اُنھیں دیکھ پائے
 وہ سوا کہ سب رنگ سے ہے سوا
 وہ ماشی کہ جس کو ہو تھوڑی معاش
 وہ ہے سُرمی جو کہ سُرہ لگائیں
 وہ ہے سردی خوشنما بالضرور
 وہ لاکھے کہ لاکھ اُس کو دھویا کرے
 وہ خاکی کہ لے اُس کو ہر خاکسار
 وہ فیروزی ہے کہ گر دیکھ پائے
 وہ ہے شربتِ دل کو ٹھنڈا کرے
 وہ کا فوری دل جس سے سرور ہو
 غرض رنگ سب نامی ہیں شہر میں

(وقائع حیرت افزا)

خود بخود ساری خدائی ہی خدا بگڑی ہوئی
 ہم سے شاید ہی ہماری اب قضا بگڑی ہوئی
 چھوڑے خواہی یہ یادِ صبا بگڑی ہوئی
 آگئی کچھ اس چمن میں پھر ہوا بگڑی ہوئی
 رہتی ہے اُس سے دوا بھی اور دعا بگڑی ہوئی
 تھی طبیعت اُسکی کچھ ہم سے سوا بگڑی ہوئی
 پیش صاحب تم سے تھی زلف و تا بگڑی ہوئی

جب سے ہیبت کی نظر ہم سے ذرا بگڑی ہوئی
 آجکل ہم سے ہی جو اُسکی رضا بگڑی ہوئی
 پہلے تو گل کو کھلاتی پھر بستاتی ہے ہوا
 اب تو باہم بلبل اور گل کے چٹکنے جو لگی
 ہو شفا کیونکر مریضِ عشق کو تیسرے بھلا
 آتے ہی فصلِ بہاری ہو گیا دل چاک چاک
 مار کہتے ہی لگے مُنہ مارنے با بیچ و تاب

نہ تو کفر سے مجھے ہے غرض نہ ہو دینداری کی کچھ طلب

مرا حامی ایک سچ ہے فقط اُسکے نام سے کام ہے

کبھی قتل کرتے وہ ہر بلا کبھی زندہ کرتے وہ لب ہلا

یہ سب آپ ہی کا ہے شعبہ میاں عشق تم کو سلام ہے

کبھی ذکرِ عیش جو چل پڑا تو ہزار شرم سے یہ کہا

ہمیں یاد اُسکی سے کیا غرض فقط اپنے کام سے کام ہے

کبھی وہ بھی دن تھے کہ اے صنم مری جان دل پہ نہ تھا الم

یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم نہ وہ چین ہے نہ آرام ہے

کہوں سحر اس کو تو ہے بجا کہا شاعروں نے بھی مر حبا

ہوا چرچا اُسکا ہے جا بجا نیا شور کا یہ کلام ہے

نمونہٴ نشر

۵ مئی ۱۸۵۷ء۔ اُس روز حسب معمول مستمرہ کلکتہ دروازہ کی سمت ہر لب دریائے جمین

ایک سیلا البیلا ایسا ہوتا تھا کہ جس کی خوبی بیان سے باہر ہے خاصٹمام پر اسکا سماں ازارض

تاسما ابتک ظاہر و باہر ہے۔ دوستوں نے ترغیب سیر اُسکی مجھ پریشان خاطر کو دلائی۔ دیکھتا ہوں

کہ چاندنی چوک سے لگا کرتا بہ سلیم گڈھ لب جمین ہجوم مخلوقات سے سر پر تھا لی پھرتی ہی اور نظر ناظرین

جھوک کھا کر گرتی ہی۔ ہزار کشتی دھینگا دشتی اُس سیر گاہ میں پہونچا جہاں قدرت خدا کی نظر آتی

تھی بہشت بریں شرماتی تھی۔ دیکھا کہ ایک طرف شہزادہ و سلاطین و روسائے پرتگیزی صفت اسکا

وفیلاں پر پہونچا کمر صغ و صورت مرقع سوار ہیں آگے اُنکے ماہی مراتب و زریں عصا بڑا رہیں۔

بازار دورویہ ہر ایک اشیائے نفیس کا اس صفائی و تماشا سے لگا ہوا ہے کہ نظر پھسلتی ہی طبیعت ہر ایک

شے پر چلتی ہی۔ ہزار اک طرف دکان پارچہ کھولے ہوئے ہر ایک کو واسطے خریداری کے پرچلتے ہیں

دوسری طرف علوائی بیٹھے ہوئے اپنی شیریں کلامی سے بٹھاتے ہیں میٹھی بات کے سوا اور نہ بات سناتے ہیں۔ ایک سمت تنہولی اپنی بولی میں سُرخ روئی اپنی دکان کی جتا ہے ہیں اور چبا چبا کر باتیں بنا رہے ہیں کہتے ہیں کہ خریدار آؤ کیا خوب پانوں کی دھوئی ہے ابھی ابھی کھوئی ہے جو کوئی ایک بیڑا کھائے گا اُس بیرا کا مُنہ جنم بھر کو لال ہو جائے گا۔ ایک سُرخ مالین مالی بوضع زالی ٹوکرے گلوں کے آگے رکھے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ بیٹے کے پھول ہار پڑ بہا رہی صاحب شوق دایلیہ کیلئے تیار ہیں۔ جا بجا بھشتیوں کے کٹوروں کی جھنکار ہے پانی آبدار ہے۔ جو کوئی کٹورہ چار کوڑی دے کر پی جاتا ہے آپ زمزم کا مزہ اُسکو آتا ہے۔ آبکار نا بکار ایک طرف اپنی لن ترانی سنا رہے ہیں اچھے بُرے کا مزہ چکھا رہے ہیں کسی کو چلو میں اُتو گردیتا ہے کسی کو قدح اپنے قدح کی خیر میں بھر دیتا ہے۔ اپنی اپنی طرز و شان سے رتہ و بہلی پالکی میں بیٹھے ہوئے ماہ چہارہ نظر آتے ہیں۔ بیک نگاہ کام ناظرین کا تمام کر جاتے ہیں جسکو مہربانی سے دیکھا نہال ہو گیا جس پر غضبناک ہوئے پیٹ پکڑ کے پاہاں ہو گیا۔ اس سیدے تھیلے سے جب آگے بڑھے تو دریائے جمن اپنی لہروں سے ہکنا رہا تھا۔ اور زور و شور اُسکا عجب پڑ بہا رہا تھا۔ آگے آگے گوہر بے بہا صدقے سیر دریا کے شتیاق میں باہر نکل کر سطح آب پر بہا آتا ہے پیچھے اُسکے دریا دلوں کا دل اُسکے بکف لانے میں حسرت سے ڈوب کر رہا جاتا ہے۔ الغرض بات اس بحرِ ذخار کی پانی مشکل دیکھ کر وہاں سے موج طبعیت درکنار ہوئی۔ دید گھرِ غاں پھر گلے کا بار ہوئی۔ یہ سیر تماشا تا غروب آفتاب ہمراہ احباب بخوبی دیکھ کر نقدِ لطف اٹھایا کہ بہشت بریں کو دل سے بھلایا۔

دیوانِ فرنگ (فارسی)

ز دل گر پردہ بردار و محبت شرابِ برق دیدارِ لیست گویا

بے لے گلِ چو سُرخ تصویرم در چین زار سے نوازی ہا
دست کوتاہ و دامن تو بلسند واسے ہر حالِ نارسائی ہا

جان و هزار غم دل و صد گونه آرزو اینست در زمانه تو کار و بار ما
دیوانگی گل چسبن شوق ماست شور شد سنگ کودکان شمر شاخسار ما

مرد میدان حقیقت چه کند کعبه و دیر یک جهت باش ازین هر دو خدا را دریاب
سر عشاق معدن سودا است دل دیوانه مخزن راز است
چشم مست یار را همشیا کردن خوب نیست فتنه خوابیده را بیدار کردن خوب نیست
خموشی مست کار شهید و چشمست به سر یاد بیدار ما را چه نسبت
رنگ هستی نبود قابل نظاره ما بوی گل خواستن از غنچه تصویر عبث

راستی از گنبد گرد و صحرای جوئے کن ازل داشت معمار قضا بنیاد این دیوار کج
این دانه کشد بدایم آحر دهنسار مشو شکار تسبیح

دل بر بے گنا همیاری است کشت مارا پی حسود آں شوخ
جاں بدو شور بد در تاشیر شکر در دتراشنود آں شوخ

هم تو بیدار می توانی کرد هم تو دل شاد می توانی کرد
هم تو خواهی اسیر کرد مرا هم تو آزاد می توانی کرد
مشت خاک مرا بدم زدنی هم تو برباد می توانی کرد
دل شوریده حال شور ببین وحشت آباد می توانی کرد

از فتنه چشم پر خمارش صد خانه دل خراب باشد

بے حیرم و گناہ قتل عاشق در مذہب او ثواب باشد

لذت مرگ ہر کہ می داند جستجوے روفنا دارد

از سکداں ہی رسد لطف نام مرہم ز بزم بسمل دور

عشق و بدنامی بود خطِ جبیں
دوستاں باحسَن تدبیرم چہ کار
مژہ اش بر سر جنگ نگش تیغِ فرنگ
شورین باختہ ام صبر و قرائے کہ میرس

تو گبر باش کہ تر ساد یا مسلمان باش
بہر طریق کہ باشی درست ایماں باش
ہزار پیر ہن رنگ رنگ کن تیار
بہ نو بہار جنوں را تو میرسا ماں باش
ترا کہ تو شتر اعمال نیک در کمرست
بمرگ خویش کن گریہ شاد و خداں باش
تو این قدر بہ گنہ مرتکب مشو اے شور
ہر آنچہ رفت ازان باز آپشیاں باش
جہانے را برقص آورد در قصت
کے کم دیدہ باشد این چنین رقص

بہر سو شمع با از داغ روشن
بگر می ٹھیل شاہانہ دل
عجب ستریت مستور اینکہ اسرارش نمی دانم
نمی دانم کہ از آتا ر ملکوت تم کہ انسا نم
نہ از بوم نہ از رنگم نہ از نامم نہ از سنگم
چہ گویم راز پنهانی کہ من آنم کہ من دانم
نہ من فرہاد و مجنوں نم نہ من خرم نہ محزونم
نہ از خود دور و بید و نم چہ میگویم چہ میخوانم
شدہ در شیشہ دل جلوہ فرما آں پری پیکر
بکن اے زاہدِ غلوت نشیں سیر پر تا نم

امیدوار بر سر راست نشستہ ام
خوردی غم دو عالم و گشتی شدم نہ سیر
ننگ داری ز نام ما اکنوں
شود سالک ز بند غم رہا آہستہ آہستہ
رنجہا دادہ ورنجہا دیدی
چوں سرمہ تا بدیدہ کشم خاکپای تو
لے دل ناز و عشق غضب اشتہای تو
چشم بد دور میرزا شدہ
روداد دست چوں رنگ حنا آہستہ آہستہ
چہ خط باز گو ز من دیدی

رباعی

ہر چند بدل صد ہوس خام گذشت
زین عمر دوروزہ کہ دادند افسوس
در چشم زدن شورے و جام گذشت
کاسے نگر فیم و بنا کام گذشت

ہاں ز روش خلق جدا می گریم
یک بہر پر گر بد و یک بہر پسر
گر بد نہ کسے چناں کہ مامی گریم
بر غفلت این دآں بسامی گریم

انتخاب کلام ولیم (ولیم جوزف برویٹ) (جوہر فرنگ)

اٹھے ساون کے بادل باندھ تو بھی ترا شکوں کا
ہی لے چشم تر موقع ہی تیرے آزمانے کا

دن رات تر پتا ہوں میں اب بھر میں اُسکے
ہر فصل میں گرمی ہو کہ جاڑا ہو کہ برسات
افسوس کوئی بھی نہیں گیسرندہ خبر کا
ٹوٹا نہ کبھی تار مرے دیدہ تر کا
جب جن و ملک یا ر ملک جا نہیں سکتے
کس طرح وہاں پر ہو گذر جنس بشر کا

پھر اے دل نام تو نے لے لیا اُس جی کے دشمن کا
دل بتا ہے عاشق کا یا باجہ ہے ارگن کا
ہوا ثابت کہ چاندی پر ملتے ہے یہ کُندن کا
نہ کعبہ شیخ کا ہو اور نہ بُت خانہ برہمن کا

نہیں بچتا کوئی تار کا ہوا اُس شوخ پُر فن کا
صدائے آہ سے ہر طرح کی آواز آتی ہے
مُرخ سادہ پہ اُسکے ہر چمک کیسی دھمک کیسی
پرائے گھر کی خاطر مفت دونوں بحث کرتے ہیں

ہنس کو خلعت ملا ہی موتیوں کے ہار کا
گرم ہنگامہ جو ہوتا حشر کے بازار کا
ہو گیا دشوار چلتا راہِ نالہ ہموار کا
ہو گا جب موقوف جھگڑا کا فرو دیندار کا
دھیان آیا خدا پرستی کا
رنگِ تاتل کی تیز دستی کا
بچ ہے کارِ حسانہ ہستی کا
دل میں آیا خیالِ پرستی کا
ہے نشانِ کچھ پُرانی بستی کا
نہ رہنے کی ہے خوشی اور نہ غم ہی جانے کا
یہ مال و زر نہیں ہمراہ کچھ بھی جانے کا

اس دلِ وحشی کی خاطر چشم تر ہے اشک ریز
جنسِ عصیاں بچتے ہوتی سبکدوشی نصیب
دیکھ کر پست و بلند ہر گھبرا تا ہے جی
اس دُعلیٰ سے بچل کر اک طرف ہو جاؤ نگا
گھٹ گیا زور جب کہ مستی کا
سر میداں ہے دیکھنا منظور
ہم نے چشمِ حباب سے دیکھا
جب طبیعت ہوئی بلند اپنی
ٹوٹی قبروں کو دیکھ لے و کیم
فراقِ یار میں بیکار جانِ عاشق ہے
عبث ہے دولتِ دنیا کی منکرانساں کو

چھپتا نہیں ہے فوج میں ہاتھی نشان کا

آہِ رسا سے ہے دل پُر دُودِ نامور

ہر دم خیال رکھتے ہیں ہشیار موت کا
طالبِ خدا سے ہو دلِ بیمار موت کا

کھٹکا گھڑی گھڑی ہے ہر بار موت کا
کب تک اٹھائے صدمہ دردِ سزا کو

مکن نہیں کہ جان چھپانے سے بچ سکے خالی نہیں گیا ہے کبھی دارموت کا
دیکھ کر شکل صنم کی نہ رہی صبر کی تاب..... اڑ گیا آنکھ سے خواب

رنگ حیرت کا یہ چہرے پہ نمودار ہوا..... نقش دیوار ہوا
دل کی یا جان کی جس چیز کی خواہش ہو وہ..... آنکھ تر چھی نہ کرے
بے سبب مجھ پہ خفا کس لیے دلدار ہوا..... کس دن انکار ہوا

نہ جھپکی آنکھ اک دم رات بھرتائے گئے ہم نے
اگر آئینہ وحدت میں دیکھے آدمی مٹنہ کو
پیمبر بھی نہیں خالی ہے سودائے الفت سے
اُس کے احساں کا بار ہے سر پر
دوست میرا وہ بٹے ظاہر میں
چل بسے ہائے کیسے کیسے دوست
گرے تسبیح کے دانے مٹا زُتار کا رشتہ
عبث کھوتے ہو نقدِ عمر و تلم خواب غفلت میں
نہ کچھ پوچھو احوالِ قصرِ صنم کا
خدا سے کوئی اُسکے اسرار پوچھے
دریارسے میں نہ اٹھوں گا ہرگز
فقیری مبارک مجھے اے سکندر
حباب لب بکر کا ماجرا ہے
بارِ عصیاں سے تھی بھاری میری لاش

خیال آیا جو رشکِ شاہ کی ماتھے کی افتاں کا
سے باقی نہ دل میں فرق ہند اور مسلمان کا
سنا ہو حال اکثر میں نے بقیس و سلیمان کا
کبھی جس نے اُتارا اک تنکا
جانے اللہ حالِ باطن کا
کن کی یاد آئے بھولیں غم کن کا
مسلمان کا لیا کافر نے دین ایمان ہند کا
مسافر بندہ پر در راہ میں سو یا اگر چو کا
نہیں اتنا رتبہ ہے دیر و حرم کا
بڑا ہے بہت رتبہ اہلِ مسلم کا
وطیرہ یہ سیکھا ہے نقشِ قدم کا
میں خواہاں نہیں تیرے جاہ و چشم کا
جہاں میں میں ہماں ہوں صرف ایک دم کا
ہائے کا ندھا چھل گیا و حیا کا

سردیا ہے مجھے خالق نے تو دے سودا بھی
ہے محبت سے جو خالی تو یہ سر کیا ہو گا

منموزیرِ زینِ دفن جو ہو جاؤ گے رہ کے پھر گنجِ زر و سیم و گھر کیا ہوگا
بارِ یابی نہیں ممکن ہے فرشتوں کی جہاں اُس جگہ اس دلِ ناداں کا گذر کیا ہوگا

استدر بوجہ جو عصیاں کا نہ ہوتا بھاری دوشِ یاراں پر جتنا زہ مرا ہلکا ہوتا

حسابِ پاک کیا کچھ سمجھ کے داور نے ہمارے جرمِ خطا کا شمار کیا ملتا

کس طرح کسی غیر کو کر لیتے ہیں اپنا یہ علم تو ہم کو نہیں آتا نہیں آتا
سب چھپڑتے ہیں اپنی مصیبت کی کہانی دُکھ درد کوئی پوچھنے والا نہیں آتا

پاہ زنجیر کیا تارِ نفس سے ورنہ اب تلکِ وح سے زنداں میں ہا کیوں جاتا
لے خدا شاہ و گدا دونوں ہیں بند تیرے شاہ کے پاس ترے در کا گدا کیوں جاتا
وہ نہ الفت کریں تو زور نہیں اپنے دل پر ہے اختیار اپنا
اُسے دنیا میں اتفاق سے ہم کیا گذر ہوگا بار بار اپنا
رزق دیتا ہی وہی اور وہی لیتا ہے خبر شکر اللہ کہ ہر دم ہے نگہباں اپنا
فیضِ اُستاد سے انضالِ خدا سے وِ لیم تھوٹے ہی دن میں مرتب ہوا دیواں اپنا

اُس کی خست ہی نے مٹی میں ملایا اُسکو ورنہ قاروں نے تو پایا تھا خزانہ اچھا
دولتِ علم سخاوت سے فزوں ہوتی ہے جو پڑھے آپ وہ اوروں کو پڑھانا اچھا

طفلی میں بھی بتوں کی محبت سے میل تھا ہر روز و شب پسند کھلونوں کا کھیل تھا

حوصلہ سب پست قاروں کا ہوا
 روتے روتے فرقتِ فرزند میں
 اشک پر رکھنا توجہ اسے زمیں
 اس زمانے کے امیروں کو نہیں ہرگز پسند
 غیر ممکن ہے جو لے ولیم نہ ہو انسان سے
 دیوانگانِ عشق کا پُر مغز ہے کلام
 دیکھ توجہ عنایت سے کبھی لے صادقِ چشم
 جھک گیا جب بر تصور میں ہوا حالِ نعاس

بل گیا مٹی میں زر رکھا ہوا
 آخرش یعقوب نابینا ہوا
 ہے یہ لڑکا ناز کا پالا ہوا
 فیض یا دریا دلی یا سیرِ شہسی یا سخا
 جرم یا تقصیر یا بے اعتنائی یا خطا
 سمجھے گا ان کی رمز کوئی بے شعور کیا
 عشق میں میمِ دہن کے تیرے میں نوں ہو گیا
 دانہ خال لبِ محبوب اونیوں ہو گیا

کوئی کہتا ہی تجھے خوب کوئی مُنہ سے بُرا
 مذہبِ عشق سے انکار نہ ولیم نے کیا
 دوستِ مطلب کے سب نظر آئے
 میں نے کیا آپے اٹھا رکھا
 ہائے جن کی عمر خوش پوشی میں آخر ہو گئی
 تو نے پیدا کیے ہیں گبر و مسلمان کیا کیا
 اُسکو سمجھاتے رہے گبر و مسلمان کیا کیا
 غور سے میں نے جب خیال کیا
 جان دی سب نثارِ مال کیا
 کال اُنکے واسطے دو گز کفن کا ہو گیا

کیا تعجب ہے کہ گل کو مہرباں کر دے خدا
 چھوٹنا مشکل قفس سے جان دینا کیا ضرور
 کر کے فریاد اپنی قسمتِ زمانے عندِ لب
 صبر کر کے پانی پی لے دانہ کھالے عندِ لب

کس سے کروں بیانِ مصیبتِ فراق کی
 ہے صفائی ہماری طینت میں
 افسوس ہے کہ کوئی نہیں رازِ داں قریب
 آپ سمجھے ہیں دوسرا مطلب

شیخ جی سیکرے کی بھول گئے بن کے اب بیٹھے پارسا ہیں آپ
 راہِ دشتِ جنوں میں حضرتِ دل آپ ہادی ہیں رہنما ہیں آپ
 ہم تو پرے میں آ نہیں سکتے کیا خبر ہے کہ کرتے کیا ہیں آپ
 فراقِ یار میں عاری ہوں زندگانی سے میں دیکھوں آئے گی کس دن مریٰ فات کی رات

کٹ جائے گا گلا کسی برد کے عشق میں میں دیکھتا ہوں خواب میں خنجر تمام رات

کی اُس نے کڑی بات مردل پہ لگی چوٹ اس آئینہ صاف نے پتھر کی سی کی چوٹ

دولت و حشمت نہیں جائے گی ساتھ حرص اُس کی لے لے گئی دنیا عبث
 کام دنیا کا نہ عفت ہے کا بنا سچ تو یہ ہے میں ہوا پیدا عبث
 کچھ نہیں رہ جائے گا محشر تلک ہائے دنیا پھر ہوئی پیدا عبث

حشر تک بھی نہیں اُمید رہائی کی ہیں بیچ میں آگئے اُس زلزلے و تباہی کے باعث

میرے حق میں گوشہ مرقدِ عدالت ہو گیا دو فرشتوں نے لیا اک شخص کا اظہارِ آج
 تم تو کہتے تھے کہ پرے میں مہلا میں کس طرح پھرتے دیکھا آنکھ سے تم کو سرِ بازارِ آج

دل مانگتے ہیں سب یہ تماشا تو دیکھیے دیتا نہیں ہی کچھ ہمیں کوئی سوا سے رنج
 ہجرِ صنم میں ایسی مصیبت اٹھائی ہے محشر تلک بھی دل سے یقین ہی نہ جائے رنج
 مر مر گئے ہیں لوگ گلے کاٹ کاٹ کے لے جانِ جاں خدا نہ کرے دل میں آئے رنج

آشنا آنکھیں چُرا لیتے ہیں سُنکر احتیاج
 اُن کو کیا پروا مرے کوئی پریشاں ہو کوئی
 غیر لوگوں سے بیکل جاتی ہو اکثر احتیاج
 بے زروں کی سُنستے ہیں کب صاحبِ راحتِ احتیاج

روشن بیانِ باں سے مری مثلِ شمع ہے
 الفت میں ہم سے بڑھ کے زلیخا چلے گی کیا
 رونق ہو میری ذات کے بزمِ سخن کے بیچ
 ہے فرق آسمانِ زمیں مرد و زن کے بیچ

دل تو انگر ہے نہیں ہی مجھے زر کا لالچ
 کعبہ و دیر سے کیوں اسطہ رکھیں عشاق
 ہے اگر کچھ تو فقط کسبِ مہر کا لالچ
 دل میں اپنے ہے مگر یار کے در کا لالچ
 ہم سے کیوں جھپٹتے کچھ اور نہیں طالب ہیں
 چشمِ جاناں سے ہی بس ایک نظر کا لالچ

دل کا خدا کو علم ہے ولیم کو کیا خبر
 ظاہر میں لوگ کہتے ہیں دیندار کی طرح

کارِ دنیا سے ہو مسک کو فراغت کیونکر
 اپنے فعلوں کے ہم ہیں خود مختار
 ہے گرفتارِ حسابِ رُودینار میں رُوح
 بحث کرتا ہے ہم سے کیا ہے شیخ
 تجھ سے بیکارہ پائیں گے جنت
 جا کہیں کر خدا خدا اسے شیخ
 ایک ہی شخص کے بنائے ہیں
 رند و میخوار و پارسا اسے شیخ
 دل کی گردن اگر نہیں جھک سکتی
 کیا ہے پڑھنا نماز کا اسے شیخ
 گنتے گنتے ہزاروں دانوں کو
 آج بھی کچھ تجھے ملا اسے شیخ

غیر نے کر دیا تجھے بدنام
 اس میں میری خطا نہیں اے شوخ

حشر میں ہونگے نیست ارض و سما
کچھ نہ ہوگا اس انقلاب کے بعد
آئینہ روئے یار کا دیکھا
ہم ہیں حیران کل سے خواب کے بعد
چپ ہوئے روتے روتے فرقت میں
صبر آتا ہے اضطراب کے بعد

کھل گئی بے اعتنائی یار کی
آرزو کس کو ہے اور کس کو اُمید
دل نہیں سکتا ہے لے جانِ حزیں
اب دلِ گم گشتہ کی تو کھو اُمید
دو دن کی زندگی پہ کرے کوئی کیا گھمنڈ
مٹی میں ایک وزیہ مل جائے گا گھمنڈ
سجدے تمام عمر کے بیکار ہو گئے
شیطان کے نکلنے کا باعث ہوا گھمنڈ
دیکھو نہ آسمان کو دیکھو زمین کو
کرتا نہیں پسند کسی کا حسد اگھمنڈ
آئے گی باغِ حُسن میں اک دن خزاں ضرور
ناحق ہی گل سے چہرے پہ لے دلربا گھمنڈ
اس قدر جوشِ ندامت نے بہائے آنسو
تر ہوا نامہ اعمال کا سارا کاغذ

موجود نقدِ جاں ہی اٹھاؤ مگر نقاب
لیتا ہی مالِ مولِ خریدار دیکھ کر

در پردہ دل ملا نہ ملا وہ علانیہ
شرمِ حیا ہوئی بُتے شکستہ سر کی آڑ
کچھ شانِ الٰہی میں نہیں دخلِ بشر کا
جب خوب نہیں جانتے ہیں لوح و قلم راز

تم سلسلہ دل کو مرے کمر نہ سمجھنا
لندن کو خبر دیتی ہے اس تار کی آواز
مُننے سے شفا ہوتی ہی بیمار کو اک دم
دنیا میں ہے بے مثل مر یار کی آواز

ہے مجھ کو اشکِ فشانِی کے وقت پر افسوس
کہ مُفتِ خاک میں مل جائیں گے گہرا فوس

دردِ اخیر مردن تیرے در کی چوکھٹ پر
خدا کے گھر میں جلاؤں چراغ میں گھئی کے

فقط یہی ہے ترے جاں نثار کی خواہش
جو پوری ہو دل امیدار کی خواہش

ذی عقل بھی ذی فہم بھی تھے ہم مگر دل

اب مل گئے ہیں خاک میں سب بعد فنا ہوش

صورت گردابِ حکیمیں ہی برگشتہ نصیب
لے بُتِ قاص ہوں کیونکر نہ قربانِ خدا
دل بھڑک جاتا ہوا اپنا بزمِ حالِ قال میں

کیا میں دیکھوں جا کے بزمِ شاہِ دریا دل کا رقص
دیکھتا ہوں بزم میں تصویرِ آب و گل کا رقص
وجد میں لالتا ہے ولیمِ مردم کا دل کا رقص

نہ بلو مردم دنیا سے خطا پاؤ گے

پھر میں کہتا ہوں کہ ولیم ہی زمانہ ناقص

کس درجہ اُنھیں نشہِ دولت نے کیا چور

سُننے نہیں ردار جو کرتے ہیں گدا عرض

دنیا میں ہے فقط مجھے دلدار سے غرض
ولیم ہمارا یار ہے پردے میں جلوہ گر

کافر سے واسطہ ہے نہ دیندار سے غرض
یوسف کو ہو گی شہرتِ بازار سے غرض

مطلوبِ میرے دل کا ہولے جان تو فقط
لے طفلِ اشک اسکی بھی تجھ کو تلاش ہے
باقی نہیں امید کسی سے بھی اے مسیح
نہہ کیسا ہے کہاں کا تقوسے
لال کی آنکھ جو میخواروں پر

دنیا میں ہے اگر تو تری جستجو فقط
سب کھوکے باقی رہ گئی اک آبر و فقط
روزِ جزا شریکے ولیم کا تو فقط
پی مے ناب کا جام اے واعظ
کیا نہیں غصہ حرام اے واعظ

اس میں پھنس جاتے ہیں تاں اکثر
تیری تقریر ہے دامنِ اعظم
اک ذاتِ کبریا ہی کو زیندہ کبر ہے
جو بندہ خدا ہیں انھیں ہے غرورِ منع
ولیم نہیں ہر قدر کلام و سخن انھیں
کرتے ہیں شاعری سے مجھے بے شعورِ منع

دو دل میں دجلہ میں ہیں لے گلے ارداغ
سینہ ہے تیرے عاشقِ محزون کا چارباغ

جنت کو بھی نہ جاؤنگا اس در کو چھوڑ کے
ایسا گماں نہ لاؤ گنگار کی طرف

کچھ چھلاو اساتما شاسانظر آتا ہے
آنکھ پھیلا کے اگر دیکھیے دنیا کی طرف
دیکھتے چشمِ تصور سے نہیں ہم آزاد
حشمتِ دولتِ اسکندر و دارا کی طرف
لذتِ ظاہر و باطن ہی نصیبِ ولیم
دل ہی خالق کی طرف آنکھ مسیحا کی طرف
اس جہاں سے ہر سفر کا اشتیاق
بعدِ مدت کے ہے گھر کا اشتیاق
مارِ گنجینہ بنی مسک کی روح
بعدِ مردن بھی ہے زر کا اشتیاق
دل گیا خوبیِ تقدیر سے اچھا معشوق
مثل رکھتا نہیں دنیا میں ہمارا معشوق
عشقِ صادق کی بلندی کو نہیں ہر پستی
تادمِ مرگ مرے دل سے نہ اتر اے معشوق

بر باد کیا عمر کو سمجھے نہ ذرا خاک
لے اہل ہوس حرص سے ہاتھ آئیگا کیا خاک
تقدیر میں ہر وقت کی تکلیف لکھی ہے
عاشق کی طرف بھریں آئیگی نصِ خاک

اجی ٹھہرو کہاں جاتے ہو کیوں عاشق بنایا تھا
نہ چھوڑو نہ گنا نہ چھوڑو نہ گماں دامنِ دوزخِ شراب
کھڑا ہو اک کناکے بیٹھنے کی جا نہیں ملتی
اگر تقدیر سے پونچا بھی مفلس صاحبِ زرتک

پہل نخلِ محبت کے لگانے کا نہ پایا
مر جائے تہی دست تو ادروں کی بلا سے
زندگی سمجھے ہیں اپنی کب تک
دونوں کے پتلے ایک ہی مٹی کے ہیں بنے
حُسنِ مُبتاں میں پاک نظر کر کے بار بار
پہونچا نہ کبھی دستِ دعا اپنا اثر تک
دنیا کی محبت سے فقط دولت و زر تک
کرتے ہیں آپس میں کیوں تکرار لوگ
میری نظر میں ایک ہے شاہ و گدا کا رنگ
وَلیم نے دیکھا آنکھ سے شانِ خدا کا رنگ

لاتا ہے یار قابو میں اپنے پر اے دل
اب کہو کس سے کریں فسریا دہم
داغِ دل اپنی نشانی دے چلے
کسی کو ڈھونڈھنے کس سمت کو روانہ کروں
عاشقِ پیکار تے ہیں سدا ہلے ہلے دل
ہجرِ جاناں میں ہوے برباد ہم
عمر بھر تم کو کریں گے یاد ہم
کہاں گیا ہر وہ ہو کے خفا نہیں معلوم

نیک نامی نہ سہی کم نہیں کچھ بد نامی
کس پہ دعوے کریں قسمت کا سنے کوں سکھو
جانتا کون نہیں تیرے گنہگار کا نام
مجھ کو معلوم نہیں دل کے خریدار کا نام

دن رات مجھ کو چین تیرا سماں نہیں
آنسو نکل ہی آتے ہیں جوشِ فراق میں
وَلیم قمر کے گرد ستاروں کا ہے ہجوم
دردِ فراقِ یار کا ممکن بیاں نہیں
رہتا کسی کا حالِ محبت نہاں نہیں
چیچکے داغِ یار کے رُخ پر عیاں نہیں

اللہ دہری حرارتِ جوشِ شبابِ یار
مانو نہ مانو فعل کا اپنے ہے اختیار
ہم زندگی میں خاک لپیٹے رہا کیے
گردن میں ہارِ پھولوں کے کھلائے جاتے ہیں
اپنی طرف سے ہم تمہیں سمجھائے جاتے ہیں
مردے بھی غسلِ خانہ میں نہلائے جاتے ہیں

ولیم ذرا تو صبر کر و تھوڑی دیر میں تم جن کے منتظر ہو وہ خود آئے جاتے ہیں

خدا کے واسطے اے شمع و نگاہِ کرم تجھی سے اپنی ہم اب لو لگائے بیٹھے ہیں

کس طرح رابطہ دلدار سے اور مجھ سے بڑھے
آبرو کا بچا نا مشکل ہے
عہدِ سابق کا حال کیا معلوم
لوگ کیوں اُنکلیاں اُٹھاتے ہیں
جب بے تم تو رنج بھول گیا
سر کا اثر نہیں ہے تو بجا غرور ہے
دل شاعری پہ جم نہیں سکتا کسی طرح
وہ شہِ حُسن ہے اور بندہ بے زریں ہوں
تیغ کا سامنا کمال نہیں
حُسن میں اب تری مثال نہیں
جسمِ لاغر مرا ہلال نہیں
تم کو ہو گا مجھے خیال نہیں
ناحق ہوا بھری ہے کلاہِ حباب میں
ولیم نہیں ہے فائدہ ترکِ شراب میر

حشر تک ہو گا نہ مرنا دیکھ کے مُنہ یا ر کا
شکرِ رازق پھر تمنا سے دلی حاصل ہوئی
آبِ حیا کا اثر ہے شربتِ دیدار میں
چھوٹ کے ولیم ملی اب نوکری سرکار میں

فرقت میں ضبطِ عاشقِ بیدل کا دیکھیے
شور و فغاںِ زباں پہ نہیں چشمِ خم نہیں

خدا نے سوچی اُسے حبیبِ خاص کی تحویل
نہ چھیڑ بھول کے اے شیخِ خاکساروں کو
بیانِ روئے کتابی ہر اک سے نا ممکن
اکیلے کھایا تو کیا لطفِ سچ اگر پوچھو
نہیں ہی دخلِ بشر فقر کے خزانے میں
نہیں ہی خیرِ فقیروں کے آزمانے میں
تمیزِ چاہیے قرآن کے پڑھانے میں
مزدہ زیادہ ہی کھانے سے کچھ کھلانے میں

دیکھیں کب تک وہ ہم کو کتے ہیں
لب کوثر بھی وہ ترستے ہیں
پہلے مھنگے تھے اب توستے ہیں

استحاں کی کچھ انتہا بھی ہے
میکشی سے جو رہ گئے محروم
کال وِ لیم ہے قدر دانوں کا

آپ کو میں آپ میں پاتا نہیں
کچھ وہ میرے حق میں فرماتا نہیں
پاجی سے التجا کا نہ دیکھے نصیب و ن
مرنے کے جانتا نہیں کوئی قریب و ن
کیا تمھارے سامنے میں کہہ سکوں
وہ نور حشر تک بھی نہیں آفتاب میں
فصل بہار آئی ہے عہد شباب میں

شکل جس دم دیکھتا ہوں آپ کی
بارہا عرض مطالب ہو چکا
ہوتی ہے بد گھر کو کہیں مستدرِ آبرو
سب کو خیال زیست کا وِ لیم ہو حشر تک
کچھ حیا کچھ شرم کچھ ڈر کچھ ادب
ہے جس قدر تمھارے رُخ لا جواب میں
ہم سے تو ضبط ہو نہیں سکتا شراب کا

پونچکر تم وہاں دم تو ذرا لو ہم بھی آتے ہیں
وہ ناحق جبر کر کے صبر میرا آزماتے ہیں

عدم کے جانے والو کوئی دم کا رنج فرقت ہے
قیامت تک آنیگا زباں پر حرف شکوے کا

گردش میں وز و شب بھر و شام میں بھی ہوں

اے مہر و مہ تمھاری طرح جو بہ چرخ سے

خاک ایسی زندگی پہ جو گزرے غبار میں
لطف وصال دیکھتے ہیں انتظار میں
نایاب ہے یہ جنس ہمارے دیار میں

کیونکر غبار کہئے دلِ خاکسار میں
شکر خیالِ یار ہے دل سے زبان سے
صبر و شکیب کا کوئی وِ لیم نہ نام لے

نیکی کی نیک اور بری کی ہے بد جزا
 دخل کیا دنیا کے کاروبار میں
 مُنہ سے دینے کو نہیں کہتے امیر
 جانِ جہاں کو رکھوں نہ کیوں اپنی جان میں
 جن کا کھلا ہوا تھا زمانے میں دستِ فیض
 کرتے ہو تم بُرائی جو ہم سے بھلا نہیں
 ہم کپڑے آئے ہیں یاں بیگار میں
 کیا مٹھائی ہے زرد دینا میں
 اہل جہاں کو جان ہو پیاری جہان میں
 وہ آج کوڑی مانگتے ہیں ہر دوکان میں

میرے یاروں نے نہ کی طولِ سفر پر کچھ نگاہ
 کوئی سچا زباں کا یار نہیں
 ہے محبت ہر ایک لوح کے ساتھ
 داغِ دل کے سوا نہیں کچھ پاس
 زادِ رہ بانڈھا ہے دامنِ کفن میں کیوں نہیں
 ہم کو دنیا کا اعتبار نہیں
 کون دنیا میں دلفگار نہیں
 کیا میں دوں تم کو مالدار نہیں

کج روی کی دوا کروں کیونکر
 پھر یہ چلتا ہے چال کیوں ٹیڑھی
 حکیمِ خدا سے بُت کی پرستش ہوئی قبول
 ہو مروت بھی حیا بھی جن میں
 ہے مثل یہ کہ دوا ایک کی دو
 کیا کیا لے عشق تو نے کیا تجھے حاصل ہوا
 ان بتوں کے عشق نے کی عاقبت میری تباہ
 راست ہوتا یہ آسمان نہیں
 اب تو پیرِ فلک جو ان نہیں
 کعبے سے اٹھ کے آئے ہیں ہم سونامی میں
 دیکھیں اس طرح کی کستِ آنکھیں
 دل کو کرتی ہیں مسحِ آنکھیں
 خاک میں تو نے ملا یا مُفت مجھ پر باد کو
 کیا غضب ہے دل سے بھولا ہوں خدا کی یاد کو

نا توانی سے کوئی اہلِ سنہ سناتا نہیں
 رہنے والے چار دیواریِ الم سے ہوں رہا
 آسمان تک میری لے دل کیا سا فریاد ہو
 یہ مکانِ عشق دنیا میں اگر برباد ہو

ظاہر میں رنج ہجر ہے باطن میں لطف وصل
نزدیک میرے دل سے ہوا نکھوسے دور ہو
فضلِ خدا پہ چاہیے انسان کو بنگاہ
کچھ فائدہ نہیں ہے جو دل ناصبور ہو

جو دونوں پاؤں نقاہت کے ڈلگوانے لگے
کبھی ہے حشر کا کھٹکا کبھی ہے قبر کا خوف
قسم خدا کی سنبھالا جریب نے مجھ کو
ستا یا فکرِ بعید و قریب نے مجھ کو
وہ رحم کھا کے یہ ولیم کے حال پر بولے
کہ دل سے پیار کیا اس غریب نے مجھ کو

کیونکر نہ چشمِ مردم دنیا پر آب ہو
گناہوں میں نہیں ہوتی کمی کچھ
جب زندگی کا حال مثالِ حباب ہو
قیامت کی بڑی دہشت سے مجھ کو
قناعت نے فراغت کی عنایت
غیمِ دنیا سے اب فرصت سے مجھ کو
آرام گاہِ خاک نشینوں کا عرش ہے
سمجھے وہ اس کو جو کوئی عالی مقام ہو
دل گناہوں سے ہوا کتنا سیاہ
نامہ اعمال ہے میرا سیاہ
شیخ جی سمجھو اُسے مکارِ تم
جس کی پیشانی پہ ہو گھٹا سیاہ
خط اس طرف بلا مجھے جان اس طرف گئی
قاصد مرا پھرا بھی تو پیکِ قضا کے ساتھ

نہیں کچھ بولتا گویا ہے وہ تصویرِ تپھر کی
بتوں کو پوجنے کوئی نہ جاتا دُور سے چل کے
صنم کے دل میں پیدا ہو گئی تاثیرِ تپھر کی
اگر ہوتی نہ منظورِ خدا تو تپھر کی

کیا تعجب ہے کہ میری بکسی کو دیکھ کے
رنج اور راحت برابر ہو تو کچھ کچھ صبر ہو
مہربانِ حالِ مضطر داوِ محشر بنے
چار دن گزرتے زمانہ چار دن یا در بنے

لوٹتی بنی وہ مفت میں اپنے غلام کی یہ فائدہ ملا ہے زینحہ کو چاہے

کفن میں کیوں نہ چھپیں ہم گناہ گاری سے خدا کو حشر میں صورت دکھانیں سکتے
نہیں ہے پردہ نشینی پہ زور کچھ اپنا تلاش میں ہیں مگر اُس کو پا نہیں سکتے

دنیا کی حشمتیں تو محد میں نہ جائیں گی کیا ہاے چھوڑ دیجئے اور کیا اٹھائے
مد سے زیادہ ہم کو خوشامد نہیں پسند وِکیم کسی کا ناز نہ بے جا اٹھائے

اقربا کو پسِ مُردن ہوئی کتنی نفرت جلد اٹھایا مجھے ایسا کہ کفن بھول گئے

اپنی آہ بے اثر سے کچھ نہیں مجھ کو اُمید کار گر کیا تیر ہو گا جبکہ پیکاں دُور ہے

ناز کیا خاک ہو انسان کو تنِ خاک پر اصل میں دیکھئے تو نقشِ کفنِ پاکیا ہے

حضرت دلِ ہم سے کہئے آپ گھبراتے ہیں کیوں عاشقی کی ہر تو ناز اُن کا اٹھانا چاہیے
کسی کو نہ گھر میں سنا دفن ہوتے مکیوں سے چھوٹے مگناں کیسے کیسے
لحد کھد گئی چُپک گئیں ہڈیاں سب مٹے ہیں ہمارے نشاں کیسے کیسے

تھُل کرے صدمہ غم کا کب تک صنم دلِ مرا رنگِ خارا نہیں ہے
ہوئی جان سے آخرش بیوفائی جسے اپنا سمجھے ہمارا نہیں ہے
فقط رکھو وِکیم خدا کا بھروسہ کوئی اس جہاں میں تمہارا نہیں ہے

ہوتی نہیں دعا کی رسانی وہاں تلک
جنت میں رک ٹوکے پھر جاؤں ب کہاں
دیوارِ قصرِ یار کی کتنی بلند ہے
تقدیر سے مری درِ جاناں بھی بند ہے

اس سے بڑھ کر اب کہاں جائیگا میں حیران ہوں
کھٹکوں نے ہجر کی شب میں تاجا صبح تک
عرش تک تو نالہ دل کی رسانی ہو چکی
خون سے رنگین و نیم چار پائی ہو چکی

دیر و حرم میں بھی نہ ملا یار کا نشان
اب بے چلے گائے دلِ وحشی کہاں مجھے

محشر کے دن کا ڈر ہی ہر آدمی کے دل میں
واللہ دردِ فرقت ہوتا نہیں گوارا
اے روزِ ہجر جاناں ترسہ ترا بڑا ہے
صفیہ دل پر اپنے عاشق نے
جی سے ہیں تنگ لیکن قابو میں کب قضا ہے
ٹھیک نقشہ ترا اُتارا ہے

بندگانِ خدا تجھے پوچھیں
نکر عقبے کی کہئے کیونکر ہو
یہ بھی اے بُتِ خدا کی قدر تھے
کارِ دنیا سے کس کو فرصت تھی

چار دن کی حیات پر اے یار
نہیں آپس میں خوب ناراضی

بے ملامت گیا نہ جنت میں
شعر کہتا ہوں سادہ اے ولیم
واہ کیا آن بان ہے میری
بھوٹ کہتے ہیں کہ ہندو سے مسلمان دُور ہے
بے تکلف زبان ہے میری
آفریندہ اگر شیخ و برہمن کا ہے ایک

عمر بے فائدہ کیوں کھوتے ہو تم اے ولیم
جیسے دنیا کے ہو یوں پیرو دیں کیوں ہو
احسان مناسب ہے مری بھیری پر
بہتر کوئی مجھ کو خبر یار کی لا دے

عقدہ راز غیب ہے لا حل
آدمی کمتر آپ کو جانے
ہماری لاش ہے عصیاں سے بھاری
اٹھانے والوں کا کا نہ صاف چھل جائے
صدمہ آہ سے یہ پھٹ نہ پڑے
لے فلک تیری چھت پُرانی ہے
ترکے کس طرح ہو اے ولیم
جوش پر عالم جوانی ہے
نہ کھلا یہ کسی ہم پر سے
اپنے چھوٹے بڑے برابر سے
اٹھانے والوں کا کا نہ صاف چھل جائے
لے فلک تیری چھت پُرانی ہے
جوش پر عالم جوانی ہے

جو بلا نوش کیا سکر بڑھا
جو سے کچھ کام نہ کچھ گندم سے

عدم کی راہ میں چلنا پڑے گا
زمانہ کس طرح کا آگیا ہے
رضائے حق پر راضی ہیں توکل ہو قناعت سے
بشر کو فکر واجب ہے سفر کی
نہیں ہے قدر اے ولیم ہنر کی
نہ ہم کو خوف و زخ ہو نہ ہم کو شوق جنت ہے

ہیں اس مقام پہ کوڑی کے مول خالی دست
فما حسانہ دنیا میں کھیل زر کا ہے

انتخاب کلام ولیم (ولیم برویٹ)

جب کبھی ناز سے تر چھی وہ نظر کرتے ہیں
ایک پل میں وہ جہاں زیر و زبر کرتے ہیں
بوسہ زلف و رخسار میں بھی ہو نصیب
التجارت سے ہی شام و سحر کرتے ہیں

سے زمیں فرش تو غم کھانا ہر پوشاک سے خاک
اُن کی بدنامی سے ہر آپ کی بھی رُسوائی
یوں ترے در کے فقیر اپنی بسر کرتے ہیں
آپے فائدہ عشاق سے شر کرتے ہیں

قابو ہیں آئینہ دل پر نہیں ملتا ؛
ہر ایک کو تو بخت سکندر نہیں ملتا

حضرتِ دل مائل زلفِ دووتا ہونے لگے
گر خراماں ناز سے وہ خوشا دا ہونے لگے
کس طرح مُنہ سے نکلتا میرے بوسہ کا سوا
جہہ سائی پر مری کہتا ہے وہ بُت ناز سے
بتلائے آفتِ رنج و بلا ہونے لگے
ہوتے و بالا جہاں محشر بپا ہونے لگے
آپ تو پہلے ہی سے مجھ پر خفا ہونے لگے
اب تو وِکیم بھی ذرا کچھ پارسا ہونے لگے

چشمِ ساغرِ غم ہے شیشے کو بھی ہے ہچکی لگی
بانوں میں ہی اُنکے مہندی خون ہوتا ہی مرا
تم سنبھل کے چلو خدا کے لئے
کچھ لگائے مری طرف سے نہ غیر
عشقِ بتاں میں جس کا ٹھکانا کہیں نہیں
کس کے خرامِ ناز نے محشر بپا کیا
عاشق کو دردِ ہجر میں تکلیف تھی بہت
ہے کھلو نا یہ میرے قاتل کا
صبح کے وقت یار جب اُٹھا
سہتے سہتے سراق کا صدمہ
مرضِ عشق ہو گیا وِکیم
میکدہ بے ساقی گلِ رو کے ماتم خانہ ہے
جان جاتی ہی یہاں اں نازِ معشوقانہ ہے
مردے چونکیں تر زمیں نہ کہیں
یار کو اس کا ہویستیں نہ کہیں
دل ایسا مجھ غریب کو کیوں اے خدا دیا
سوتے سے مجھ کو قبر میں کس نے جگا دیا
جھکڑے سے موت نے اُسے آکر چھڑا دیا
دلِ نمونہ ہے مرغِ بسمل کا
ہو گیا گلِ چراغِ محفل کا
ہو گیا پستِ حوصلہ دل کا
غیر ممکن علاج ہے دل کا

بے جا ہے گماں یار کے ہاتھوں میں حنا کا سُرخ ہے بہت اُس نے ملا اور ہی کچھ ہے

مجھ کو مسجد میں تو جانے سے نہیں کچھ انکار
وقتِ آخر میں نہیں اس کے سوا اور علاج
لے کے پریشہ دل زیرِ غسل جاؤں گا
یار آجائے گا اس دم تو بہل جاؤں گا
عاجز آکر مراد لکھتا ہے مجھ سے وِکیم
تنگ آکر ترے سینے سے نکل جاؤں گا

جوش اسکا سا کبھی اس کو میسر بھی ہوا
بخت بیدار یہ کہتا ہے جگا کر مجھ کو
چشمِ خوبا ر مری کہتی ہے دریا کیا ہے
یار آیا ہے تری قبر پر سوتا کیا ہے
میرے خط کا کبھی لکھتا ہی نہیں یار جواب
حالِ دل وِکیم ناشاد کہے کیا تجھ سے
تیرے ملنے کے سوا اور تنہا کیا ہے

انتخابِ کلامِ عاشق (بھوپال)

(شبتان عالمگیری)

محوِ نظارہ ہوا کس کی نظر کے تیر کا
یار کی چین جبین کے عشق میں سرگشتہ ہوں
طاہرِ دل پر گماں ہے طاہرِ تصویر کا
دوستو مارا ہوا ہوں گردِش تقدیر کا
اشک کے دریا ہے یہ یادِ زلفِ یار میں
آج میخانہ میں اعطاب کے پتے ہیں شراب
نگے سے بھی سخت سے ہر دل اُس جیسے پیر کا
ننگے سے بھی سخت سے ہر دل اُس جیسے پیر کا

نہیں کچھ آسماں پر ابر میں یہ برقِ تاباں ہے
چمکتا ہی دوپٹے میں ترے موبان گیسو کا

و حشت میں جسکے عشق کی آہو کی شکل ہوں
 یارب ملے گا مجھ کو وہ رعنا غزال کب
 برنام کر دے نشت میں عاشق کو یوں کوئی
 اہم کو ہوا نصیب کسی کا وصال کب

رحم آتا ہے مجھے دنیا میں دکھلاؤں کسے
 داغ دل ہے آفتاب و زحشر کا جواب
 حق ہے عاشق مدحت نواب عالمگیر خاں
 دیکھو عالم میں کہاں ہی اس سخنور کا جواب

عشق نے جس کے کیا سینے میں گھر آپ کے آپ
 وہ بھی آجائے گا آنکھوں میں نظر آپ کے آپ
 کیا ہوا کس نے کئے دل کے جگر کے ٹکڑے
 خون ہوتا ہی مرادیدہ تر آپ کے آپ
 بند آنکھوں کو جو دنیا سے کروں گا عاشق
 دل میں آجائے گا میرے وہ نظر آپ کے آپ

کیوں بھاگتے ہیں عاشق خستہ جگر سے آپ
 واقف نہیں ہیں نالہ دل کے اثر سے آپ

تمام دن مجھے رونے سے کام رہتا ہے
 بجائے دیدن سراق صنم میتر ہے
 سر اٹھایا ہے یادِ جاناں میں
 یہ روزِ حشر سے کچھ کم نہیں ہماری رات
 دیکھو دنیا اسی کو کہتے ہیں
 اب تو ہو جا تو رہنا قسمت
 ہوں کلیسا میں گاہ کعبہ میں
 یاں ہے سب کی جدا قسمت
 مہرباں پھر ہوئے وہاں عاشق
 رہنے دے گی نہ ایک جا قسمت
 جذبہ شوق شہادت کے بہت ہوں بیتاب
 دیکھئے اب دکھائے کیا قسمت
 مبتلا اُس پہ نہ ہو جائے کوئی راز شناس
 قتل کرنے میں مرے کرتے ہوتا خیر عبث
 کی جیس سائی تو واں روزِ در بند ہوا
 لے پھرتا ہی دلا یار کی تصویر عبث
 آگے تقدیر کے ہے رخسہ تدبیر عبث

منمو کرتے ہو اب دہریہ میں تعمیر غبٹ
دل کو ہے اضطراب کیا باعث
چشم ہے پر خار کیا باعث
دل ہے آئینہ وار کیا باعث
نگہ انتظار کیا باعث

کشتہ ہوں آج کل ہے مجھے زر کی احتیاج
خواہش ہے باغ کی نہ گل تر کی احتیاج
کاغذ کی ہے تلاش نہ مسطر کی احتیاج
کیونکر نہ ہوئے مجھ کو پیسہ کی احتیاج
معجز بیاں کو کہے سخنور کی احتیاج

آجکل دیکھو تو آثار قیامت کی بنا
نہیں ملتا وہ یار کیا باعث
شر سے یار کو تو نفرت ہے
گر نہیں ہے وہ یار عکس سنگن
خون روتی ہے دمدم قاتل
اک سیمین کے عشق میں سیلاب وار ہوں
پیش نظر مرے چمن حسن یار ہے
تصویر یار خود ورق دل پہ ثبت ہے
ادنیٰ سا اک غلام ہوں اُس فوج پاک کا
عاشق کلام اپنا تو خود سن گویش جاں

رہ رہ کے ستاتا ہے مجھے درِ جگر آج
جب تو آجاتا ہے آجاتی ہے روح
ڈھونڈھنے تم کو نکل جاتی ہے روح
کھڑا ہوں کبے میں دیکھو گناہگار کی طرح
وہ بے خبر ہوں کہ رہتا ہوں ہوشیار کی طرح
گر تو بجائے کسی ن مجھے تنہا اے شوخ
کہ جس کے پر تو رخ سے ہے مہر تاباں سُرخ
باقی جو رہا بھی تو رہا گور و کفن یا د
اس طرح کون تجھ سے بھلا دل لگائے نیند
عاشق مثل یہ سچ ہے کہ سولی پہ آئے نیند

دل چیر کے پہلو سے وہ کہے کیا قاتل
جان جاتی ہے ترے جانے سے یار
جسم کو بے جاں ہمارے چھوڑ کر
خطا ہوئی جو تمہیں دل دیا معاف کرو
وہ بادہ کش ہوں کہ صوفی ہوں درحقیقت میں
حال تنہائی کا اپنی میں کچھ اظہار کروں
پرستش اُس بُت کا فر کی کرتا ہے عاشق
گل کس کو چمن کس کو کہے سرو و سمن یا د
خواب دم دکھاتی ہی اک پل میں آن کر
باندھا تصورِ مستِ جانناں تو سو گیا

گورکن چاہیے تعمیر ابد تک قائم
قبر عاشق سے قیامت ہے جو سر کا تعویذ

نامہ سوزِ دروں یار کو کیونکر لکھوں
آہ کے ساتھ ہی رہ جاتا ہے جل کر کاغذ
لکھنے بیٹھا جو میں اُس آئینہ رو کو نامہ
خامہ حیران مرا ہو گیا ششدر کاغذ

گر بو نہی ہے خانہ دل میں یہ الفت کی بنا
گھر بنا بیٹھیں گے اک دن عشق کی بنیاد پر
جوش و حشت میں اپنا جا سرتن
رہ گیا تن میں دھجیاں ہو کر
سے چل اُس بحرِ حسن تک لے ابر
میری کشتی کا بادیاں ہو کر
دہن ز حسنم دیکھ کر خنداں
تیغِ قاتل چلی زباں ہو کر
تم چپکے ہی چپکے نہ بنایا کرو باتیں
گو پاس ہوں سنتا ہوں دے دور کی آواز

یوں تپیدہ ہی جگر اپنا دل زار کے پاس
جیسے بسل ہو تر پتا کوئی بیمار کے پاس
کفر سے باندھا ہے اسلام کو اک شے میں
پہنا تبیج کو کافرنے جو زُتار کے پاس
ایک نظارہ سے بسل تو ہوا ہے عاشق
سیڑوں تیر ہیں اُس ترک تمگار کے پاس

ہے بجا اگر تو صنم مائل خود بینی ہے
ترے آئینہ رخ سے ہے سکندر بیہوش
تابِ نظارہ ہیں کبے ترے رخ کے حضور
طور پر تھے ترے جلوے سے پمیر بیہوش
تاقیامت نہ منہ سے بولوں گا
کیا کہا کیوں ہو بے سبب خاموش
جب سے اُس بے دہن کا عشق ہوا
بے زباں ہوں میں وز و شب خاموش
وہ نہ سمجھیں کہ اس کو سودا ہے
دل بچو دو بے ادب خاموش

روشنی ہے ترے رُخ کی ہر سو کیا بنا سرو چراغاں عارض
ہوانہ حیف میں رفتار سے پا مال قلق یہ ہے مجھے کیوں اس میں با محفوظ
ہم اپنے رنج و مصیبت کو بھول جاتے ہیں جو دیکھتے ہیں تمہیں تم ہو مر حساب محفوظ

دفن دل کے ساتھ ہر اک رو روشن کا خیال ہو سر مدفن مرے روشن نہ اب نہار شمع

منتشر کیے ہمارے شوخ پُرفن کا دماغ نگہت گل بن گیا اُس رشک گلشن کا دماغ

ایذا نفس کی دل سے جو منظور ہو تو چل لے مرغ روح خانہ نصیاد کی طرف
دیوانہ کر گئی مجھے گل کی نسیم بو ہوش اڑ چلے ہیں نکست بیمار کی طرف

ناصحایار سے ملنے کو مجھے منع نہ کر کس طرح اُلفت گل دل سے اٹھائے بلبل
وصل کہتے ہیں اسے باغ جہاں میں عاشق بس میں بلبل کے ہو گل گل کے حوائے بلبل

جب سے یہ دل ہی تری شکل پہ ماں قاتل نہیں نظروں میں سماتا سرِ کامل قاتل
ہر رگ تن تری تلوار کا دم بھرتی ہے مرتے دم بہر خدا مجھ سے گلے بل قاتل

جب سے مجھ عاشق کو وہ بھولا ہوا ہی ہونا اس لئے ہر وقت کرتے ہیں خدا کی یاد ہم

وہ کون شے ہے جس میں کہ تو جلوہ گر نہیں کس دل میں تیرے عشق کا لے جاں اثر نہیں
مجھ کو بہا کے اشک نے پہونچا یا یا رہا تک باقی رہا جو نالہ دل میں اثر نہیں

بیان عشق محبازی کی کیا حقیقت ہو
 نہ دیکھے غیظ سے عاشق کو پھر کوئی واعظ
 نزع میں جب اُس نے پکارا مجھے
 ہو کے تصدق میں مستدم چوم لوں
 گناہگار سے آتی ہے پارسا کی بُو
 بسے دماغ میں گر چشم فتنہ زاکا کی بُو
 ہو گیا جینے کا سہارا مجھے
 سن کے ہوا دل جو مرا شاد شاد
 گر کہیں بل جائے وہ پیارا مجھے
 کس نے بتاؤ یہ پکارا مجھے
 سوزنِ عقل نے گو بخیہ گری دکھلائی
 دستِ وحشت نے مگر جامہ وری دکھلائی

جرمنی نسل کے شعراء

(۱) نواب ظفر یاب خاں - صاحب

(۲) فرانسس گادلیم کوئن - فراسو

(۳) جان اسمٹ

صاحب (نواب ظفر یاب خاں)

خفا کیوں ہم سے ہی تو لے بیٹھے پیر کیا باعث
مٹا دو اب تجھے لوح دل سے تم حرفِ کدورت کو
ہوا ہی غرق دریا آشنائے زلفِ مہرویاں
جگر اور دل کے میرے سلسلے دونوں نشانے ہیں
یہ وہ آہِ جگر ہے موم کر دیتی ہے پتھر کو
سبک موسم گل ہو یہ دیوانوں کو لے ہم
سبب موجب گنہ، کچھ واسطہ، تفصیر کیا باعث
خط آئے پر جو خط کرتے نہیں تحریر کیا باعث
نہ پوچھو موج کیوں پانی پہ ہی زنجیر کیا باعث
لگتا کیوں نہیں ظالم نگہ کا تیر کیا باعث
ترے دل میں نہیں پرستش و تاثیر کیا باعث
جنوں ہوتا ہی کیوں میرا گریباں گیر کیا باعث

کسی آئینہ رو کو آج دیکھتا ہے کہیں صاحب

جو تو حیراں ہے شکلِ طوطی تصویر کیا باعث

بیٹھے ہیں غیروں میں مرے دلبر کے آس پاس
ہے زلفِ حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس
سخت جگر نہیں ہیں نمایاں مژہ کے گرد
صدقے ترے اسیر نہ کر دامِ زلف میں
پردانہ جوں نثار ہو فانوس شمع کے
جوں خار و خس و ش کے گل تر کے آس پاس
یا اژدہا ہے فوجِ سکندر کے آس پاس
بسل پڑے ترپتے ہیں خنجر کے آس پاس
نئے چھوڑ مرغِ دل کو پھر اس کے آس پاس
پھرتا ہوں اس طرح سے ترے گھر کے آس پاس

صاحب نے آرزو مرے دل کی یہی امداد

میر ہوئے آستانہ دلبر کے آس پاس

دیکھی جو قامتِ ستم ایجا د کی طرح
گالی ہی بات بات میں بوسہ پہ جھڑکیاں
نشر لگائے ہو رگِ جاں میں ہر ایک پل
ہے صاف شکلِ آئینہ زانو وہ تیس پہ تھر
نظروں سے گر گئی مری شاد کی طرح
ارشاد کی وہ شکل یہ امداد کی طرح
نوکِ مژہ سے چشم وہ فتاد کی طرح
روئیں عیاں ہیں جو ہر فولا د کی طرح

دل کیوں بنے نہ رشک پرستان کہ جلوہ گر
گر چہ ہوئے ہیں عاشق و معشوق یاں بہت
ہم تم بھی فیضِ عشق سے مشہور ہو گئے
یاں ہے خیالِ دوست پر یزاد کی طرح
یعنی ہر ایک سے ہی ہے ایجاد کی طرح
لیلیٰ و قیس، شیرین و فرہاد کی طرح
صاحبِ چمن میں کس کے تماشے کو دیکھیے

بن کر کھڑا ہے یہ آزاد کی طرح

بام پر بیٹھا تو ہے توہن کر پوشاک سُرخ
بہ گیا دل خون ہوا آنکھوں کو چھانٹنے پھر
بھر خون ہوا سقد رشتوں کا تیرے موزن
اشک گلوں کے نہیں قطرے یہ ہم نے بہل
کب نمایاں ہو شفقِ بلبیل یہ ہے جوشِ بہار
اشکِ خونیں ماتمِ شبنم میں گرتے ہیں کیا
ہو نہ خونِ عاشقاں سے دامنِ فلاح سُرخ
جیٹ داماں کیوں تیرا عاشق غناک سُرخ
مثل سرخابِ لبِ نظر آتا ہے یہ پیراک سُرخ
چشم کے پتھرے میں پائے ہیں بتِ بیباک سُرخ
عکسِ گلشن سے ہوا آئینہٴ افلاک سُرخ
ہے گلے میں میرے یہ تسبیحِ خاک پاک سُرخ

کس کو گلگشتِ چمن کی ہی ہو اصحاب کہ اب

ہے برنگِ تختہ گلِ سینہٴ صد چاک سُرخ

کیوں تو رکھتا ہے بھلا جانبِ گلزارِ نظر
کیا ہی ابرو کو چڑھا کی ادھر لے یاں نظر
خوب لگتی نہیں نظروں میں شعاعِ خورشید
دے ہو تشبیہ میاں تیغِ صفا ہانی سے
مردماں سمجھو نہ تم اشکِ مسلسل کا تار
نا تو اں حسرتِ دیدار سے ایسی ہے کہ آہ
نخستِ دل کی مرے یوں نوکِ مژہ پر ہو نمود
دل کو میں تذکرہ کروں اپنے سراسر صاحب
اپنے بکھرے پہ کر آئینہ میں اسے یاں نظر
مُرخِ دل کی ہی دلِ مُرخِ منظر پاں نظر
جب سے آیا ہے ترا طرہٴ زرتارِ نظر
جس کو آئے ہی تری ابرو سے خمدارِ نظر
پہنے سے عشق میں اُس بُت کے یہ زُتارِ نظر
بن عصا سے مژہ اُٹھتی نہیں لے یاں نظر
آئے ہے جیسے کہ منصور سردارِ نظر
آئے گراں کی جھے پھر وہ مرا یاں نظر

عارض پہ تیرے خط نہیں لے مہ جمال سبز
 آوے چمن میں اوڑھ کے گرسر پہ شال سبز
 کیونکر نہ اُس کا طائرِ حُسن آہ صید ہو
 ہر رنگ میں ہے اُسکی ہی نیزنگیوں کا رنگ
 اپنا ہی ایک خشک ہے نخل اُسید آہ
 کچھ بدر کا ہی دیکھ تجھے مُنہ نہ ہو سفید
 لایا ہے پر یہ طوطی حُسن اب نکال سبز
 ہو رو برد نہ ایک بھی اُس کے نہال سبز
 رو کے لے ہے آئینہ جو ہر سے جمال سبز
 ہے ایک پیش اہل نظر رنگ لال سبز
 ورنہ ہوا ہر ایک شجر اب کی سال سبز
 ابرو کے رو برد بھی نہوے ہلال سبز

سر سبز ہوئے کیونکہ نہ صاحب مری غزل

ہے دل میں خط سبز کا اُس کے خیال سبز

ہے میرے بُت کی نامِ خدا یہ ستم تراش
 خط لکھنے کو اُسے نہ دلا تو تسلیم تراش
 ترکاں چشم تو لیں جوئے کے نگہ کی تیغ
 فرہاد سے ہو کوہ کنی کب نہ وہ اگر پا
 بن جائے دیکھ کر بُتِ آذر صنم تراش
 درکار کلک آہ کو ہے کیا تسلیم تراش
 کیونکر نہ فوجِ صبر کے ڈالیں علم تراش
 شیریں سی رکھے رو برد و شکل صنم تراش

ہو جائے لطف کی نظر اے حاضرِ کیج

صاحب کے دل کے صفحہ سے حرفِ عالم تراش

دیکھے ہم نے ترے رشکِ میرِ تاباں عارض
 ہو خریدارِ زینچا کی طرح شوخی سے
 ہمنشیں پوچھوں میں کیا وجہ اب اسکی کہ ترے
 عندلیبِ دل عاشق کے سبق لینے کو
 اب چھپاتا ہے عہدِ توترا داماں عارض
 دیکھے اُس ماہ کے یوسف جو عزیزاں عارض
 یعنی کیوں خط سے مخطوط ہیں یہ جاناں عارض
 بوستاں ایک ہی ہے اور گلستاں عارض
 ہم نے جانا کہ ہیں اچھے ترے جاناں عارض

دل کو کیا صبحِ دُطن یاد رہے اے صاحب

شانہ زلف سے ہے شامِ غریباں عارض

دم ہے آنکھوں میں نہیں قاتل تجھے تاخیر شرط
بن لڑائے آنکھ پر دانے سے رہنے کا نہیں
دل ہر گر لینے کی خواہش لطف کا مت چھوڑ دھیا
تا وہ حیرانی کو میری دیکھ کر ملکِ حم کھائے
تا نہ عالم میں لگا ہے پھر کسی سے کوئی دل
ہوں میں دیوانہ کمر پر اس گلِ خوبی کے آہ

صد پہل کو ہے ترکِ چشم کی تکبیر شرط
شمع کے سر کو ہے رکھنا شبِ تہِ گلگیر شرط
یعنی پاس اپنے ہی رکھنا دامِ ماہی گیر شرط
اُس کے در پر ہے لگا دینی مری تصویر شرط
لاش کو میری ہے کرنا شہر میں تشہیر شرط
ہے رگِ گل سے صبا کرنی مجھے زنجیر شرط

لگ گیا تو تیر صاحبِ رہ نہ پھر ٹپکتا تو ہے

پھینکنا ایک اسکی جانب آہ کا ہی تیر شرط

کیا عزمِ سفر اس مہ نے کیا کہہ کر خدا حافظ
خیال اس کی مثرہ کا ایک پل دل سے نہیں جاتا
کہیں سیلاب سا اڑ نہ جائے بھیراری سے
یوں ہی گرا شک کے قطر و نہیں نختِ دل کا آنا ہی

ہوا گردش میں طالع کا مرے اختر خدا حافظ
لگا دیوانہ رکھنے ہاتھ میں خنجر خدا حافظ
نکالے طائرِ دل نے ہیں بال پر خدا حافظ
تو چشمِ دل کا مردمِ بچ چکا اب گھر خدا حافظ

نہیں کچھ دل میں ڈر صاحب کے ہونگے حشر کو میرے

مرے حامی مریا دور وہ پیغمبر خدا حافظ

گر پریر سے کیا چاہے ملاقات شروع
متبسم ہوئے غنچے تجھے کیا باغ میں دیکھ
ناصحو میں تو کروں وصل کی تدبیر اور تم
چشمِ مستِ بُتِ کافر کا دلا چھوڑ خیال
دل کو رکھنے لگیں بس ہجر کی راتیں مشکل
نان و قلیہ کے لئے شیخِ حبی لاتے ہیں یہ حال
دیکھ کر یہ کو مرے خلق کہے ہے صاحب

کر دلا کچھ عملِ حُب کی تو آ یا ش شروع
چشمِ زکس نے کئے گل سے اشارِ ش شروع
قصہ و پند کر و قبلہ جا ش شروع
تو نے بے وجہ یہ کی سیرِ خرابا ش شروع
ہوئی یہ وصلِ دور و زہ کی مکافاتِ ش شروع
برٹ کے واسطے کی زورِ کرا ش شروع
اُس کے موسم سے ہوئی آگے ہی برساتِ ش شروع

پاتا ہے کون آپے عیار کا دماغ
خوشید رو کے ذرہ نہ دل میں اثر کیا
آہستہ آہستہ سے کچھ مرے گزر
ٹلک سیر کو گیا تھا ادھر رشک گل مرا
خوف ورجا میں تابہ کجا رہیے اب تو یاں
کرتے ہیں مردمانِ صدف پر گہر یہ طعن
ہے ان دنوں کچھ اور ہی سرکار کا دماغ
گو ہے فلک پہ آہ شرر بار کا دماغ
نازک بہشتی، اس دل بیمار کا دماغ
جسے ہے اور ہی گل و گلزار کا دماغ
اقرار کا دماغ نہ انکار کا دماغ
ٹلک دیکھو یہ چشم گہر بار کا دماغ

انساں تو چیز کیا ہی نہیں پاتے قدیاں

صاحب غلامِ حیدر کزار کا دماغ

بغیر تیرے کرے اُسکا کوئی کیا انصاف
قبا تو واکرے ہر گل کی بلبلیں کھولیں
وہ بعد مرگ بھی آیا نہ دستبر میری
میں داد خواہ ہوں کس سے ہیں سب اُسکی طرف
تو عاشق اپنے کا کراہے دلربا انصاف
یہ کیا روش ہے تری تو ہی کر صبا انصاف
کریں ہیں مہیڈ کے بالائے بوریا انصاف
ہو انا مجھ سے بے آئے یدِ قضا انصاف
مرے تو حق میں ہوں سارا جہان نا انصاف
مری بھی داد دنانے دے لے مرے صاحب
کہ تم سے چاہتے ہیں شاہ اور گدا انصاف

خدمت کریں یہ چشم کی بھی مردماں تلک
اُس بُت کے تیغ ابرو کی ثانی نہ دیکھی تیغ
آیا نہ بعد مرگ بھی تڑست پہ وہ کبھی
تجھ بن صبا ہے کون ہوا خواہ جس کا ہاتھ
چھاتی ہے کس کی جو تری محرم سوا کوئی
میں کیا کروں اثر ہی چڑا جائے جی اگر
اُسے وہ شوخ چشم جو میرے مکاں تلک
کی جستجو میں ہند سے لے اصفہاں تلک
کھویا میں جسکے عشق میں دل ورجاں تلک
بھیجے خبرِ فتنے سے مری گلستاں تلک
پہونچا ہے ہاتھ دھکدھکی اور عطرداں تلک
پہونچی کند آہ بھی شرب لامکاں تلک

معنی ہر ایک مصرعہ سے روشن ہیں کیا ترے
صاحب نے جس کی دُھوم خطِ کہکشاں تلک

گر وصفِ زلفِ یار کے موہوتِ سلم
ہے فصلِ گل و بال نہ صنادیدِ سر پہ لے
نظروں میں یار کے رگِ گل کی لگی ہے تیج
لکھنے جب اسکو بیٹھوں ہو نہیں وصفِ دل کا حال
مے اسکو کیونکہ نامہ مرا جا کے نامہ بر
ہو جائے یکِ قلم یہ مرا مشکبوتِ سلم
مرغِ چین کے سر کو نہ کر دیکھ تو قلم
وصفِ کمر لکھوں میں اگرے کے موتِ سلم
کاغذ گرے ہے ایک سوا اور ایک موتِ سلم
ڈرتا ہے سر کرے نہ کہیں تند خو قلم

صاحب اُسے نہیں غمِ محشر اگر تو پھر
کاغذ پہ کیوں یہ روتی ہو رکھ رکھ کے قلم

بیٹھ اک دم یار کے دل کو گوارا ہونہ ہو
کیا گیا ہے کوہن چھاتی پہ رکھ کر کوہِ غم
دیر قاصد نے لگائی اور چلی جاتی ہر رات
گوشتِ ابروئے قاتل ہلتے ہی میں نے کہا
آہ و نالے کی چلا ہے فوج تو لے ساتھ تیس
صاحب اُسکے زلف کے حلقہ میں دیکھو خال کو
مرغ میں ہوں دیکھئے ملنا دو بار ہونہ ہو
بات عالم میں یہ اُس کی نقشِ خارا ہونہ ہو
دل دمطر کتا ہے کہ گھر میں وہ پیارا ہونہ ہو
یعنی میرے قتل کا ہے یہ اشارا ہونہ ہو
دیکھئے ملک جنوں کا پر احبارا ہونہ ہو
جلوہ گرا برسیہ میں یہ ستارا ہونہ ہو

لگ کر سینے سے واطک کر کے محرم کی گرہ
دیکھ مژگاں کی ترے جنبش تھمے کیونکہ نہ اشک
سے دل شامت نہ وہ از بس اسیرِ ناتواں
شکلِ آتش ہونہ سرکشِ آبرو چاہے اگر
عاقبت جانا ہی خالی ہاتھ یاں سے منعو
تا کھلے میرے دل پر دردِ پُر غم کی گرہ
پنجرِ خورشید ہی کھولے ہے شبِ بزم کی گرہ
کھولیو آہستہ شانہ زلف پر خم کی گرہ
بندہ رہی ہے باد سے اُس خاکِ آدم کی گرہ
باندھ کر رکھتے عبث ہو دام و درہم کی گرہ

کس روش کھوے ہی صاحبِ نکر بادِ نسیم
صبح ہر تارِ رگ گل سے یہ شبنم کی گرہ

نظر آیا مجھے شبِ بام پہ پیارا اپنا
شمع کے چہرہ پہ یوں پچاں ہے ہی موجِ دُود
ہے امامِ پاک کی تجھ کو قسم مت چھوڑ جان

بائے اب کچھ ہی بلندی پہ ستارا اپنا
جس طرح مُنہ پر لٹوں کو کوئی جو گن چھوڑے
ٹوٹ ہی جائے گا ڈورا دیکھ سُمرن چھوڑے

قصید در مدح نواب ظفر یاب خاں بہادر صاحب من تصنیف مکرم الدولہ بہادر
بہادر بیگ خاں غالب

(راز انتخاب)

جو شخص اہل فضل ہیں اور صاحبِ کمال
از بسکہ اس کے دور میں ہے سفلہ پروری
دے ہے جواب صاف یہ آئینہ فلک
دشمن تو خلق کا ہے یہ گرد و نِ دوں دے
کیا قدر و قیمت اپنے سخن کی ہو اب انھیں
تھی بسکہ مجھ کو شکوہ دُوراں سے گفتگو
سُننے ہی اسکے و وہیں خرد نے کہا خموش
یہ بات کہ درست جو کہتا ہے تو وے
ہے نکتہ رس جہاں میں چنانچہ بس ایک شخص
نواب قدردانِ ظفر یاب خاں ہے وہ
ہر چند ہو جہان میں اہل کرم کوئی
از بسکہ اُسکے عہد میں ہی عیش و طرب

گرد وں کو اُنکے ساتھ ہوت جنگ و جدال
محتاجِ جگ میں اہل ہیں نا اہل ہیں نہال
نادان ہے وہ جو کوئی اس سے کرے سوال
اہلِ کمال کو یہ رکھے ہے شکستہ حال
نزدیک جسکے ایک ہے یاں گوہر و سفال
کرتا تھا بے تمیزی عالم سے یہ مقال
ناداں گیا ہو اب تراکس طرف کو خیال
جو قدردانِ اہلِ سخن ہیں سو خال خال
وابستہ جسکی ذات سے ہے فضل اور کمال
بخشش نے جسکی ابرِ منط کر دیا نہال
لیکن عدیل اُسکا ہو کوئی سو کیا مجال
نے خاطر شکستہ ہے نے دل پر از ملال

وہ اُسکا دستِ جو دو کرم ہے گہر نشاں
رفعت کو منزلت کی میں اُسکے کہوں سو کیا
نیاں بھی جسکے سلسلے کھینچے ہے انفعال
ہے چاکروں میں جسکے یہ خورشید اور ہلال
مطلع ثانی

اے وہ کہ تیری مدح کی اب یاں کسے مجال
ہمت تری کرے نہ کبھو اس پہ اکتفا
محتاج پھر ہوا نہ کسی کا تمام عسر
دریادلی پہ آئے جو دستِ کرم ترا
حدِ ادب کے آگے تو غالب خموش رہ
کرتا ہوں میں کلام یہ یعنی دعا پختہ
جو آرزو سے دل ہو سو وہ کامیاب ہو

(بیاض فراسو)
قصیدہ در مدح نواب ظفر یا خاں بہادر صاحب من تصنیف شاہ نصیر دہلوی
(از انتخاب)

جہاں میں مین قدم سے ترے برت غفور
سرور و عیش و مینا رہے چہار طرف
کرے ہے رقص فلک ہوز میں پہستانہ
سب و بدوش ہے کیا باغ و ہر میں غنچہ
بلند دست مژہ کیوں نہو کہ ہے ہم چشم
برنگ غنچہ ہوئی ہے شگفتگی حاصل
تری جناب میں نواب آفتاب سریر
رقم کردوں ہوں تری مدح میں یہ اک مطلع
ہر ایک طرف ہوئی محفل نشاط و سرور
نسلے بر ربط و قانون و نعمت و طنبور
صدائے کوس طرب کیاں تلکے شور
کہ گل ہو کثر شیش بنم سے رشک جام بلور
ہلال عید سے ابروئے ساقی محنت سہور
دل فرہ مرا بھی غرض ہوا مسرور
قصید اب مجھے لکھنا یہاں ہوا ہے ضرور
کہ جس سے مطلع خورشید میں دو چند ہو نور

نگاہِ لطف و کرم ہو کہ مطلعِ ثانی
 بیانِ وقتی یہ ہے کہ عہد میں تیرے
 ہما پہ سایہ فگن ہے ترا جو ابرِ کرم
 نگاہِ لطف سے رکھتا ہے تو محیطِ سخن
 سدا ہے خلقِ نمک خوارِ مطبخِ سرکار
 دکھائے جنبشِ ابرو اگر تری شمشیر
 عنانِ عزم کو کیا کوئی تیرے موڑ سکے
 رقم میں کیا ترے سرنگ کی کروں تعریف
 شکوہِ نیل بھی کچھ کم نہیں ہے کوہ سے اب
 عرقِ نشاںِ وہ نہیں ایسے جوشِ مستی سے
 زبانِ خامہ ہے فرسودہ دیکھ طولانی
 صلہ میں اسکے ہی نواب آج خلعتِ دُور
 نصیر ختم دعا پر کر اس قصیدے کو

پڑھوں ہوں یعنی میں اب ہو کے بارِ یا حضور
 کم از نگینِ سلیمان نہیں ہے چشمِ نور
 ہوا پہ اپنی ہوا آج باندھتے ہیں طیور
 دلِ فگارِ حلاق پہ مرہم کا فور
 کہ نانِ گرم بہ از مہرِ شکِ چرخِ تنور
 تو برقِ آنکھِ علای نے اُس سے تا مقدور
 ترے قدم پہ سراپا رکھے ہیں اہلِ غرور
 کہ جبکا دامنِ زیں مثلِ صبح ہے پُر نور
 جو نام لیجے تو ہو جائے ہے دہنِ ممور
 ستارہ ریزِ نظر آئے ہے شبِ دیور
 اب آگے چھڑے کس مُنہ سے اور کچھ نہ کو
 جو بخندے تو نہیں ہمت و کرم سے دُور
 کہ وصفِ جاہ و حشم کس سے ہو سکے محصور

جہان اور ظفرِ یابِ خاں بہادر ہو

نشاط و عیش رہے دستِ بستہ اُسکے حضور (بیاض فراسو)

انتخابِ کلامِ فراسو

دیوانِ غزلیات در صنعتِ تجنیس مکرر

رازِ پنہاں کو نہ کر خلق میں بے پروا دا
 کوئی بے ترس نہیں میرے بُتِ ترسا سا

شکوہِ یار نہ کر دل تو عبث ہر جا جا
 ایک بوسہ کو بھی وہ اب مجھے ترساتا ہے

منفعل آپ کے رخسار سے ہے گر گلِ سُرخ
دلِ پُر داغ سے اپنے بھی نخل ہے لا لا
بت کافر ترے کوچہ میں اگر آسکے
شیخ صاحب کا نہ ہرگز ہو کبھی بریا یا

تیرے مُنہ کے دید کی رکھتا نہیں متا تاب
دلِ مرا یوں حلقہ کاکل میں پھنس کر رہ گیا
سنگِ پردہ کے ترے سر کو ٹپک کر اپنے آج
شیخ بک بک کر مرید اپنے کی کھا جاتا ہے جان
اور لبوں کو دیکھ کر ہے منفعل عتاب ناب
جوں بادِ یوسے ثنا و رک کو کوئی گردِ اَباب
تیرا کھلواؤں گا میں اے ماہر و ہر باب باب
جب تاک و غن میں سالن کے نہو غرقِ تاب

دیکھ کر چل ہیں فراسو کے پڑے سختِ جگر

دیکھ پاؤں کے تلے مت یہ گلِ شاداب

قتل کا میرے ارادہ ہی اگر دل میں ترے
ککشاں ہی منفعل ایسی نہیں اے ماہر و
شیخ ہی کیا لے صنم طوفِ حرم کو چھوڑے
گبر مجھ کو دیکھ کر مائے بفرقِ لات لات
جرم کے قابل تو کرے پہلے کچھ اثبات بات
ہے تمھاری مانگ کے آگے رہِ ظلمات مات

لگ گیا جس سے فراسو دل وہی محبوب ہے

عشق میں کب پوچھتا ہی کوئی نیکو ذات ذات

مرد و شمع گل بہار ایک دو تین چار پانچ ڈ

چلتے ہیں تجھ سے گلے دار ایک دو تین چار پانچ

محنت و درد و رنج و غم اور اٹم یہ رات دن

کرتے ہیں مجھ کو خوار و زار ایک دو تین چار پانچ

نالہ و گریہ آہ و اشک اور فشاں ترے بغیر

میرے ہوئے ہیں دوستدار ایک دو تین چار پانچ

طاقت و تاب و خواب و خور اور شہر و پیش کشش

لایا ہوں اپنے اے نگار ایک دو تین چار پانچ

فہم و ذکا و جان و تن اور یہ دل مرے ہوئے

تیرے غلام میرے یار ایک دو تین چار پانچ

وحشت و ضبط اور جنوں داغ و آلم ہم اے صنم

دے چلے تم کو یاد گار ایک دو تین چار پانچ

عشوہ نگہ ادا و ناز اور بے عشرہ ہمرکاب

ساتھ ہیں تیرے شہسوار ایک دو تین چار پانچ

مینا و جام و آئینہ زر گشت و چشم جلد آ

کھینچے ہیں تیرا انتظار ایک دو تین چار پانچ

دولت و دین و مال و زر اور جہان تجھ پر سب

کر دیے ہم نے سب نثار ایک دو تین چار پانچ

پڑھ تو فرا سو اور غزل جلد رویت پھیر کر

بیٹھے ہیں گرد و غلہ سار ایک دو تین چار پانچ

کر کبھی تو دل ہمارا غیرت شمشاد شاد دے کبھی عاشق کی اپنے قاتل بیداد داد

منہ شتابی سے دکھا جا کھول کر دلدار دور	ور نہ جائے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر
دل کبھی میں نے نہیں ہرگز کسی بت کو دیا	کیوں مرے سر باندھتے ہیں آپ کی سرکار کر
حیف تیرے دل پہ کیا پتھر پڑے شیریں ہن	کو کہن کے غم میں پھوٹے ہی سر کسار سر
بزم میں مستوں کی جانکے تھے شاید کیا کہیں	درد میں کس لئے ہی شیخ کی دستار تر
لکھ بدل کر قافیے کو اے فرا سو شعر تو	ہو غزل جس میں تری مشور اب ہر کار کر

چاہنے والوں پہ کھینچے کیوں نہ وہ شمشیر شر
 دیکھ اُس لیلیٰ لبّش کی حُسن کی تو فرسند
 تھی ہمارے بر کو خواہش بد میں آئے سیمبر
 کرے گوشِ گل نہیں سُنتا کسی کی وہ فغاں
 خشک ہوں آنسو نہ کیونکر چشم میں اک مردماں
 ہو قدمِ رنجِ ہمار گھر کبھی خانہ خراب
 شیخ کو کہد و گدھی پر چڑھ حرم کو جاشاب
 قاتلِ عالم ہے اسکے حُسن کی تو فرسند
 مثلِ مجنوں ہی ہمارے دل میں بھی تدبیر بر
 پر نہ آئی ہر ہزار افسوس یہ تدبیر بر
 رونے شبنمِ عبثِ بلبل نہ کر تذکیر کر
 دل مرا سہا ہے کھا خونیں نگہ کا تیر تر
 بند رکھے کب تک اپنا دیدہ نفتد یرور
 خوش نہیں آتی ہو اب ندوں کو یہ تاخیر خر
 کر دیا آخر کو پائے دلبر سرکش کی نذر

اے فراسو اب بیاں کیجئے گا کیا تفسیر سر

ہم نے تدبیریں بہت کیں صلِ دہر کے لیے
 قصر گو مثلِ فریدوں ہے ترا تو کیا ہوا
 غارہ افشاں تیر مژگاں تیری برو ہی کہاں
 جاہ کی ہم کو ہوس نے خواہش تو نسیر فر
 حیف کس تدبیر سے اُس نے بنائی تھی بہشت
 خوبد کو چے میں تیرے ہو گیا ہی قتلِ عام
 اُس جواں نے تیرا راتھا کیونکر کو مرے
 بس کہ کیا کیجئے نہیں آئی کوئی تدبیر بر
 عاقبت جانا ہے اے مردم بنا تعمیر مر
 خون سے صیدِ دل میں ہی تیر مژہ کا تیر تر
 ہم گدا صحرانشیں ہیں ہے ہمیں تدبیر بر
 پر نہ کچھ معلوم تھی شہاد کو تقدیر ور
 تیرے کوچے میں نظر آئی ہیں تکسیر سر
 اب تک اچھا نہیں ہوتا وہ زخمِ تیر تر

کیوں نہ ہوں غنیم سے ہمِ اغیرت گلزار زار
 بزم میں اسکی نکل آنکھوں سے مست کر فاش بھید
 ہے مزاج از بسکہ نازک اُس گلِ شاداب کا
 پھیر لو اسکی رضا سے مُنہ نہ اے منصور تو
 ان نون میں ہو گئے تیرے بہت اغیار یار
 درہ پاوے گا یہاں تو دیدہ خونبار یار
 باندہ مست باتوں کا اُس سے صاحبِ گفتار تار
 واسطے تیرے کرے تیار گر دلدار دار

دیکھ مت کر اُس سے تو ہرگز زیادہ اختلاط
 کاکل بچا پ ہے اُسکی اسے دل بیمار مار
 لے فرا سو جو کہ ہیں درویش دل برداشتہ
 کرتے ہیں دنیا کا وہ سب از رو انکار کار

کھینچے نہ کیونکہ آہِ شرر بار بار بار
 آنکھوں نے میری آبروئے ابروی گھٹا
 تیری نگہ کی تیغ میں بُرتش ہے اس قدر
 خوبی دکھاتی ہے دہن و چشم کی ترے
 ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہیں ہے کل
 خوش آئے سیر گل اُسے کیونکر کہ تم بعنبر
 ہے دل فرا سو کا گل بے خار خار خار

کو کہن ہی نے نہیں پھوٹا سر کھسار سر
 ہم نہیں کہتے کہ ہم پر ہر کر یا ظلم کر
 پرورش کرتا ہے اشجار مرثہ کی تو عبث
 وصل اُسکا کیونکہ آئے عاشق مفلس کے ہاتھ
 زائد خشک آگیا تھا بیچ میں رندوں کے کیا
 لے خبر جلدی سے آکر اُسکی لے میرے سچ
 عشق کی آتش نے لاکھوں کر دیے فی النار نہ
 جس سے عالم میں بھلا کہوں تجھے وہ کار کر
 کچھ نہیں ملنے کا اس سے دیدہ خونبار بر
 مانگتا ہو ہر گھڑی جو غیرت گلزار نہ
 جو ہے مے سے آج تیرا جبہ و دستار نہ
 ورنہ جائے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر

خیر چاہے تو فرا سو اُسکی محفل میں نہ جا

لائے گا ناحق وہ مجھ سے دلبر سرشار شر

چشمِ شفا رہی نہ طبیبوں سے مردماں
 عالم سے جس نے دل تجھے بیگانہ کر دیا
 اُس چشم نے مجھے کیا بیمار مار مار
 ہوتا وہ کیوں نہیں بُت عیار یار یار
 ساقی شتاب آ کہ چمن میں ترے بعنبر
 ہے فصل گل میں بھی دل میخوار خوار خوار

فراد ایک ہو گیا حمت ال کوہ عشق
ور نہ کسی سے اٹھتا ہے یہ بار بار بار
گل کی طرح سے سنبھل کا کل کے ہجر میں
ہیں اپنے جیب دامن و دستا رتا رتا ر
غیروں کے سر کا طرہ نہ کر گلب دین کہ ہم
چھاتی سے ہیں لگے ترے جوں ہا ہا ہا ہا
جینے سے کیوں نہ ہا تھ اٹھاؤں میں اب لا
بیمٹھا ہے میرے قتل کو تیار یار یار
ابر و کو رشک مر کے فراسو جو دیکھ لے

اپنی ہلال پھینک دے تلوار وار وار

نخت دل بکھلے ہیں اب تو بار بار
زور لایا دیدہ خونبار بار
نالہ و زاری کر دوں کیونکر نہ میں
دل ہے میرا غیرت گلزار زار
تجھ کو لے شیریں نہیں معلوم کچھ
کو کہن کی جانے ہے کھسار سار
چشمہ خوبی ترے کھڑے پہ اب
پیتے ہیں پانی سدا ہم وار وار
اُسکی چھاتی پر فراسو ہا ر دیکھ

دید بادل ہم نے آخر ہا ہا ہا

ہے ترے مڑگاں کا تازہ دل میں خیم تیر تر
کھینچتا سپر ہے کیوں ابرو کی تو شمشیر شر
مثل مجنوں کے ہونہیں حیرت دہ لے دوستو
عشق میں لیلی و شوں کی ہو مجھے تدبیر بر
وصل تھا جب تو کھلے تھا اب سدا رہتا ہر بند
کھولتی ہے دیکھئے کب وصل کا قفس دیدر

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اسقدر
روتے ہیں ہم کھڑے سدا بازار زار زار
اُس رشک مر کے دانتوں پہ جس دن دانستے
ہوتی ہے چشم میری گھر بار بار بار
منصور جو خوشی سے سدا دار پر گیا
شاید کہ جانتا تھا وہ سدا دار وار وار

گلدستہ سی فراسو غزل میری دیکھ کر

ہوئے دل حدیث کر پڑھا رھا رھا

گر کریں افشا جہاں میں اسکا سبب ہم راز راز
 ہمدم اپنا اس طرح رہتا ہے نالہ دوستو
 ہو نیا زو عجز بھی میرا پذیرا گاہ گاہ
 پنجہ مڑگاں ہے کیا تیری نگہ کا سخت گیر
 عشق سے تو بھی نہ آوے عاشق جانبا ز باز
 جس طرح مطرب کا رہتا ہے سدا دما ساز
 یوں سدا لازم نہیں ہے دلبر طساز ناز
 صید سے دل کے نہیں آتی ہی یہ خونبا ز باز

شیشہ دل چور ہے اس غم میں اپنا دلربا
 گریو نہیں جاری ہے گی چشم میری ات دن
 یک قلم ہنسا ترا یہ دیکھ کر لے غنچہ لب
 پی نہ تو نے ایک دن بھی ہم سے باہم مل کے مل
 سیل یہ توٹے گی بحر بیکراں کے پل کے پل
 مٹھ بھی کلیوں کے گلشن میں گئے ہیں کھل کے کھل

جو فرا سو ناگہاں دلبر وہ آنکھ لے ادھر
 تو ابھی کھل جائیں عقدے سحر کی شکل کے کل

دیکھ کر گلشن میں ہر دم پیر دانوں کی دیک
 یوں مہر مڑگاں پر میرے سخت دل ہی جلوہ گر
 کل جو میں نے عرض کی اُس بات کی اُس شوخ
 مٹھ چھپایا ابر کے پرے میں مہ نے ہو نخل
 زخم دل پر ہی چھڑکتی بو ند شبنم کی نمک
 جیسے نیزہ پر نظر آتی ہے پرچم کی چمک
 پاس سے میرے گیا بتلا کے اک دھکی دھمک
 رات عین سے جو برق حسن کی چمکی چمک

راستبازوں کا فرا سو کیوں نہ وہ جی نہ ڈھال
 تھر ہے اُس تیغہ ابر سے پر خیم کی خیم

پی کے دہے مست بیٹھا ہی ہاں جی میں ہی
 یوں نظر آتا ہی مٹھ اوڑے دوپٹے کے ترا
 یہ نہیں شرافت کے کرتا نیا زوں کو قبول
 بھیجے مثل کباب تل کے دل کو اُن تلک
 جس طرح ابر سے جھلکے سورج کی جھلک
 اور اٹھاتا ہے سدا اسفل کے یاروں کو فلک

کیا پریشانی کہوں لب پنی میں بخت سیاہ
 بال ہمکے ہوئے دل کے بنے جنجال جال

گر نہیں دل میں کہ مجھ پر کیجئے مہر و کرم
سُن تو لیجئے جان تھوڑا سا مرا فی الحال

لعل و در میں اشک و سخت دل بھی ضائع نہ کر

اے فرا سو مفت میں ہوتا ہے یہ پامال مال

لگا کہنے میں کچھ اُن سے تو غصہ ہو لگے کہنے
کیا کر تو نہ مجھ سے آنکریوں آج کل کل کل
ارادہ میرے گھر چلنے کا مدت میں کیا تو نے
خدا کے واسطے کافر نہ یوں ہر دم پل پل پل

روز و شب بتا ہی مجھ کو عشق کا پیغام نسیم
اک جہاں نالاں ہی میرے نالہ شگیر سے
جب تلوکے دم میں دم کا ترے ہدم ہو نہیں
آبرو عشاق کی بجائے گی سب خاک میں
مدتیں گزری ہیں دل سے کر گیا آرام رَم
اب تو یہ جو روستم کیجئے بُت خود کام کم
غیر کی خاطر نہ مجھ کو سمن اندام دم
مت کہیں محفل میں ہونا دیدہ بدنام نم
کون ٹھہرا ہے فرا سو میکدہ میں یاں کے آہ

عاقبت جاتا رہا یاں چھوڑا اپنا جام جم

جسے ملتا ہی ہمارا وہ بُت خود کام کم
چشم میگوں نے صنم کی کر دیا ہی مجھ کو مست
غیر کے آگے نہ ہوئے دیکھیے افشائے راز
طاہر دل کوئی پھنستا ہے مرا اسے دوستو
روز کی وعدہ خلافی سے تری شیریں دہن
کر گیا ہی تب سے یاربے ل سے کچھ آرام رَم
ابر کا پیالہ لگے ہی مجھ کو تیرا جام جم
اُس کی محفل میں نہ ہو جو دیدہ بدنام نم
مجھ کو دیتا ہی عبث زلفِ سیہ کا دام دم
اب تو لگتے ہیں تمھارے قول و اقسام مہم

جبکہ ہم پاتے نہیں تم کو فرا سو گھر کے بیچ

باندھتے ہیں دل میں اپنے تب بہت اندام ہم

جب تلک دل کا نہوگا تجھ سے لے خود کام کام
دشمنی ہفتاد و وقت سے زندوں کو نہیں
تب تلک ہرگز نہ ہوئے گا مرا آرام رَم
شیخ جی کو بندگی تم کو بدھن رام رام

دل ہمارے لیا مژگانِ چشم یار نے
طائرِ دل کو ہوئی یہ شاخِ کج با دام دام
مطربِ خوشِ نغمہ ہے اور یارِ ہوا و رباع ہر
مے تو اب حجمِ حجم ہیں لے ساقیِ فرجامِ جام

بات میری بھی کبھی لے غیرتِ ایمان مان
میں فدا ہوں جانِ دل سے مجھ کو مستِ انجان جان
تیرے تارِ زلف سے ہم طالبِ زنتار ہیں
حسنِ کاہم کو تو اپنے دے نیا نادان مان
ہے بنایا تم کو لے دلدار اپنے نور سے
آج کل سے ہی بناے حق نے کیا انسان
آرزو ہی ایاں تری گفتا و شیریں کی سدا
غیر کی باتیں سنیں میرے یہ کیا امکان کان

غیروں میں اپنے مُنہ سے کہوں ہوشِ ہاں ہوں
مطلب کی بات آپسے کہیے کہاں کہوں
کیونکر میں آؤں تیرے سخن کی لپیٹ میں
جب تک کہ تجھ سے واقفِ از نہاں نہ ہوں
اغیارِ دوں کو یار کے کیوں پاس آئے دوں
چھاتی یہ ہو نگ کس لیے صاحبِ دلاں دلوں
مر جاؤں اُسکے ہاتھ سے ہو اسمیں آبرو
تیغہ کے نیچے اُسکے میں کیوں جا ہلاں ہلوں
پرے میں مانگتے ہو عبثِ دل مرا ا جی ڈ
سنے سے دل نکال دوں لے دلبر اں بُروں
مانگے جو اور کوئی تو لے دستِ داناں دوں
کیوں شیخ و برہمن کی کروں پیروی بھلا
ملت میں اُسکی کس لیے میں کا ملاں ہلوں
ٹمٹی کی اُوٹ کھیلوں فرسوسِ شکار کیوں
کیوں اُنکے اب طریق پہ جوں گمراہاں ہوں

کچھ مُرغِ دل ہی پناہیں زلف کا اسپر
دیکھے ہیں اُسکے اور گرفتار اک دو تین
کیونکر کروں میں خواہشِ وصل اُن سے یاں بھلا
اغیار میں لگے پس دیوار اک دو تین
بیمارِ چشم ہے تری نرس ہے یا ہیں ہم
بتلا دو اور بھی کوئی بیمار اک دو تین
دل داغ داغ آتشِ حسرت سے ہو گیا
ڈالے گلے میں شوخ نے جو ہار اک دو تین

عاشق تمہارا سایہ بال ہوا سمجھ
 بیٹھے ہیں آترے پس دیوار اک دو تین
 گل ہی نہیں شہید فقط تیغ یار کا
 دیکھے بخوں طہیدہ بہ گلزار اک دو تین
 دس میں سو پچاس سے ڈرتے نہیں ہیں ہم
 لڑنے کو گر فیتب ہیں تیار اک دو تین
 ملنے کا وعدہ کر کے تو پھرتا ہے دس دم
 اقرار کے بھی ساتھ ہیں انکار اک دو تین
 چشم امید رکھوں نہ اُس سے کبھی دلا
 اک بوسہ پر کرے ہو وہ تکرار اک دو تین
 انداز و ناز اُس کے فرا سو میں کیا کہوں

ہیں یوں تو پاس اور طر حدار اک دو تین

قسم ہو تیرے ہی سر کی میں سر دینے کو حاضر ہوں
 اگر دیوے مجھے قاتل یہ تیری تیغ ابرو رو
 تجھے دیکھا ہے سر و رواں گلشن میں جسد سے
 ہمیشہ سرور پر بیٹھی کرے ہیں قمریاں کو کو

ڈرے کیونکر نہ اُس سے پھر ہمارا اے فرا سودل

کہ عقل دل کے حق میں لو لوے گوش اسکا ہی لو لو

دوستو پاس مرے اُسکو بلاؤ لاؤ

کہ اجی آتش دل اسکی بجھاؤ جاؤ

جھوٹے وعدوں پہ تمہارے تو نہیں ہکو ہفتیں

قسمیں چلن سے ذرا منہ کو دکھاؤ دکھاؤ

ہم تصور سے پریرو کے فرا سو خوش ہیں

غم نہیں ہمکو ذرا بھی وہ نہ آؤ آؤ

تن کو کرے ماہ نو کی الفت جانکاہ کاہ
 منفلت بجید ہے تیرے سامنے کس طرح آئے
 خاک کو میری نہ ٹھکرا نخوت انداز سے
 سوز و درد و نالہ اشک و سخت دل کھتے ہیں ہم
 زینت تک ہم تو کرینگے اپنی چاہت سے نباہ
 روز و شب مسجود ہے ساری خدائی آپ کی
 تیرے ابرو سے جو ہو پردہ نشیں آگاہ گاہ
 بسکہ رکھتا ہی رخ پر داغ رشک ماہ ماہ
 دیکھ کر ٹپک تو چلا کرے بت گمراہ راہ
 جس طرح رکھتے ہیں اپنے پاس اہل جاہ جاہ
 تو نہ رکھے دل میں الفت لبر و خواہ خواہ
 جو گدا ہو آپ کا ہو جائے شاہنشاہ شاہ

صبح تک دیکھی فرا سونے تری رہ شام سے
کر کے وعدہ خوب آیا تو بھی بے پروا ہوا

قاصد کو بھیجے کہ صنم کو بلا لے لے
یعنی کہ اسکو روتے ہی گذریں ہیں ات دن
جاناں کی طرف سے ہی رہتا ہے غم مجھے
جانے نہ دوں گا اب تجھے جھوٹی قسم نہ کھا
دل ہم تو کر چکے ہیں گم اپنا ہر ایک طرح
قسمیں خدا کی خط کو ہمارے دکھائے کھائے
دوری میں تیری کیونکہ بھلا گھر سے ہائے
ایسا نہو کہ گھر سے کسی اور جائے جائے
معلوم کیا ہے پھر یہاں تو نہ آئے آئے
مختار اب زلف سے اسکی چھپائے پائے

کیوں نہ مغرور پھرے مجھ سے تو لڑکے لڑکے
دیکھ کو چے میں مجھے اُس نے جو کھڑکی سے کہا
وہی نہ ہر کے بھی پیالے کو پی لے
جو چاہے نخل ابر میں برق ہو لے
جھکڑا دکھاتا ہے جو محرموں کو
خلق کہتی ہے ترے روزا کر کے کر کے
کیوں کھڑا ہی تو یہاں آج بگڑ کے گڑ کے
تری زلف کے جو کہ کالے کو کیلے
ہیں کان میں جلد بادلے کو کیلے
تو انگیا پہ اپنی مسالے کو سی لے

انتخاب غزلیات فرا سو

یہ انتخاب غزلیات کا ہے جو ذخیرہ گنبد گیتی کی مختلف شذایات کے متن میں شامل ہیں،
ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے
کبھی جو زخمِ دل اچھا ہوا ہے
یہ بختی نہ پوچھو میرے دل کی
خدا یا کس طرح گزرتے گی اوقات
کہیں ہو نوح کا طوفان بر پا
خدا ہی جانے دل کو کیا ہوا ہے
تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے
تمھاری زلف کا سودا ہوا ہے
وہ کافر سر بسر ایذا ہوا ہے
کہ دریا عشق کا اُٹا ہوا ہے

ہمارے دل کا لے رشکِ گلستاں بلائے جاں متدِ بالا ہوا ہے
وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فترا سو

ہمارا جس سے دل پر چاہوا ہے
یہ کس کی زلفِ درخ کی یاد میں ہے کہ نالاں ہے مراجعِ مسا دل

لیا دل کو ہمارے اک نظر میں نگاہِ الفتِ جاناں کے صدقے
تصور اُن میں رہتا ہے پری کا میں اپنے دیدہ حیراں کے صدقے
رہوں ہوں یاد میں اُسکی آرام میں اُس آرام بخش جاں کے صدقے
مشکِ دل ہے جس سے اے فترا سو
دلِ جاں سے میں اُس مژگاں کے صدقے

سوں کب تک یہ حیراں کی تباہی ملا دلبر کو میرے یا اتھی
قلم بھی جان پر روتا ہے میری یہ آنسو ہیں نہ سمجھو تم سیاہی
رہوں کیونکر نہ میں حسرتِ زدہ سا چھٹی ہو دل میں اُسکی خوش نگاہی
نہیں تجھ بن مجھے یک لحظہ آرام یہ میرے اشکِ نیتے ہیں گواہی

بیاں اُسکا نہیں ہوتا غمِ زرد غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی
تھاری زلف میں جبے پہننا ہے مرے دل کو ہی بیدِ پیچ و تابانی
کرے ہے زگرے شہلا کو حیراں تھاری چشمِ مست نیم خوابانی

عجب ڈھبے نگاہیں لڑ گئی ہیں دلوں میں برھیاں سی گر لڑ گئی ہیں
نظر آتا نہیں کچھ روتے روتے مژہ آنکھوں کے آگے اڑ گئی ہیں

جب اتنا بولتے ہیں جھوٹ زاہر زبانیں اُن کی مُنہ میں سڑ گئی ہیں
 عرق آلودہ رخسارے تمہارے گلوں پر اُس گویا پڑ گئی ہیں

مری خاطر ہیں کیوں ہوں سے بیزار مجھے اُنکا ہے اور اُنکو مرا پاس
 فرا سو تم سے وہ ہوتا جدا کیوں تمہارا کچھ بھی گر ہوتا ذرا پاس

بیٹائی دل سے ہے سرود کار جس دن سے میں تجھ سے آشنا ہوں
 توجان نہ جان اسے فرا سو جی جان سے تجھ پہ میں فدا ہوں

تو توڑ کے سبکے جوڑ مجھ سے لے مان مرا کہا منتر اسو
 ناحق ہی خفا جو تم رہو گے تو زیتے میری کیا منتر اسو
 ہیں شعلے بھرے مرے جگر میں اور آگ تو مت لگا منتر اسو
 قسمت کا لکھا تھا سو ہوا آہ دے کون اُسے مٹا منتر اسو
 اک بات میں تجھ سے پوچھتا ہوں دل کو مرے کیا ہوا منتر اسو
 تجھ سا نہیں کوئی بے مروت اس بات کا ہے گلا منتر اسو

لے اب شرفِ براق رودے رونے پہ میں سستہ ہوا ہوں

آنے کی خبر ہے تیرے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو
 گردِ دُش نے تری توجی سے کھو یا اے گردِ دُش روزگار دل کو

ہوئی غم میں تمام زندگانی
 گر پختہ مزاج ہو تو سمجھو
 پیدا ہوئی جب تبھی سے لائی
 یہ صبح سے حال ہے تو کیونکر
 ہرگز نہ کرے سرائے تن میں
 یوں زیرِ فلک کرے ہے تم بن
 جس شکل سے مرغِ نو گرفتار
 بہتر ہے غمِ سراق سے مرگ
 بس مجھ سے تو باتھ اٹھا میں تجھ کو
 اے مایہ جاں نہ ہو جو تو پاس
 خیر اب کے یہ سن بقولِ جامی

ہے مرگ کا نام زندگانی
 ہے رشتہ خام زندگانی
 مرنے کا پیام زندگانی
 ہوگی تاشام زندگانی
 بے یار مستام زندگانی
 صاحب یہ غلام زندگانی
 کاٹے تر دام زندگانی
 سن لیجے کلام زندگانی
 کرتا ہوں سلام زندگانی
 آئے کس کام زندگانی
 اے بے تو حرام زندگانی

معلوم نہیں کہ خواب دیکھا
 اُس پارہ جاں کو مثلِ سیاب
 شبِ چہرہ ماہتاب دیکھا
 دیکھا تو پُر اضطراب دیکھا

جی تن میں نہیں نہ جان باقی
 جل بجھ گئے مثلِ ہیزم خشک
 میں خشک شجر سا ہوں چین میں
 سب گل کے گداز ہو گیساتن
 یاں قصہ غم ادا ہوا ہے
 کھاتا ہے ہر ایک رشک مجھ سے

ہے عشق کو امتحان باقی
 یاں کس کار ہا نشان باقی
 ہے پوست اور استخوان باقی
 ہے شمعِ منط ز بان باقی
 اور داں ہے ادا و آن باقی
 یہ رہ گئے مستردان باقی

یہ نیستی ہے کمال ہستی
دنیا سے مجھے اٹھائے اُمید
سر تیرے قدم سے کیوں اٹھاؤں
جب تک نہ مری برائے اُمید
ترسایا ہے تو نے مجھ کو کیسا
بدلا تو خدا سے پائے اُمید

اک دن بھی کیا نہ تجھ سے شکوہ
سو ہم نے ترے ستم سے چپ
کرتے رہے نالہ ہائے سرِ یاد
کس دن ترے آگے ہم ہے چپ

جو شخص ہیں دوستی میں پورے
اُن کا ہوں میں دوستدار جیسے
بیمار و حشراب زار ہو کر
ہم بیٹھ رہے ہیں ہاں جیسے

زلف میں بھنس گیا ہے جی اپنا
دل پریشان ہے اُجی اپنا
اُسکی چوٹی کی چوڑے، دل میں
جس پہ جی دیوے ناگنی اپنا
دل تو ایسا ہے یہ نہیں ڈرتا
مرنے جینے سے بھی کبھی اپنا

شکل زیرِ نفتاب بدرِ منیر
رہتی ہے زیرِ شیشہ چوں تصویر
کرو صد برگ و جعفری پہ نظر
کہ وہ عاشق کی شکل کے ہیں نظیر
نہیں بچنے کا آہ دل مسیرا
چشمِ جادو ہے اُسکی مڑگاں تیر

جھوٹی قسمیں نہ کھا تو اب اتنی
غم ترا مجھ کو کھا گیا ظالم
یا د کیسی ہے دے گیا دل کو
اور سب کچھ بھلا گیا ظالم
کچھ بھی دنیا میں خوش نہیں آتا
کیا ستم دل کو بھا گیا ظالم

تپ عنسہ سے رُلا رُلا کے مجھے زور طوفاں اٹھا گیا ظالم

انتخاب غزلیات مندرجہ بیاض شور میرٹھی

یہ جو دشمن عنسہ نہانی ہے
درد ہے عنسہ ہی ناتوانی ہے
غافل ہم اُس سے وہ رہی ہم سے
سوزِ دل کس طرح زباں پر آئے
نظر آجائے گی کمر تیری
ہے تو انائی سے بہت بہتر
قصر تعمیر کر چکے ہیں بہت
جس کی الفت میں جی دھڑکتا ہے
اور بھی اک غزل فرا سو پڑھ
روے روشن ہی ترا پیش نظر دیکھیں تو
داغِ دل کا ہے حسرتِ دیدار ہمارا لالہ
چشم سے چشم ہے دیکھیں تو تجھی کو دیکھیں
چشمِ عالم میں ہو خورشیدِ قیامت بے نور

یہ بھی اک دوست اپنا جانی ہے
مرگ کا نام زندگانی ہے
عمر رفتہ کی قدر دانی ہے
لبے خاموش بے زبانی ہے
ہم یہ سمجھیں کہ غیب دانی ہے
اب جو یہ اپنی ناتوانی ہے
منزلِ گورِ اب بنانی ہے
اب تلک اُس کو بدگمانی ہے
اب یہ ہنگامِ شعر خوانی ہے
آنکھ کرتے ہیں اُدھر شمس و قمر دیکھیں تو
کیسے گل سے یہ لے آیا ہے زرد دیکھیں تو
تو ہی پھر آئے نظر ہم کو جدھر دیکھیں تو
حشر کے روز مرے داغِ جگر دیکھیں تو

گل کھاتے کھاتے سینہ یہ رشک چمن ہوا
رو کر اڑھائی چادرِ آبِ رواں اُسے
تا حشر رکھا مجھ کو امانتِ زمین نے
داغِ وفا کا سکے جو عاشق پہ چل گیا

جو داغِ دل اٹھا وہی غسلِ مین ہوا
مردہ کوئی جو آگے مرے بے کفن ہوا
میلہ مرا نہ ایک بھی تارِ کفن ہوا
بازارِ عشق میں جو دنا کا چلن ہوا

ہوے ہیں جبکہ ہم عاشق تھکے معصیت کے
چم و خم چچ دیکھ اُسکا ہوا دم بند سنبل کا
فلک پر چڑ جو سزاں اُسکے دونوں پتے ہیں غالی
وہ لطف آئینہ شپاک مزہم کو یوں سُبھاتی ہے
ہماری دل پہ معنی کھل گئے ہیں بیت ابرو کے
پریشاں تم نے گلشن میں کیے جو بال گیو کے
مرے حق میں ہاں بھی جھکتے ہیں پتے ترازو کے
ان آنکھوں کیلئے تو ڈھونڈو لانا سرے جاو کے

بظہر زور و بل خم ٹھونکتا ہے بزم شعرا میں
کبھی مضمون فرا سو کو جو یاد آتے ہیں بازو کے

جو سوزش دل سے آہوں سے عیاں ہے
بدولت عشق ہے گنجینہ سیمینہ
کہاں سے آئی اور جاتی کہ مر ہے
پڑی ایڑی پہ آکر اُس کی چوٹی
جہاں آتش ہے واں اُٹھتا دھواں ہے
جو داغ دل ہے باہر و نشان ہے
یہ جوں رگ رواں عمر رواں ہے
زمین کے سر بلاے آسماں ہے

زمینِ شعر بالائے شرا سو

زمینِ شعر کے پست آسماں ہے

دل لیکے تم نے جی بھی لیا کیا مضائقہ
دل دیکے تم نے پھیر لیا کیا مضائقہ
آنکھوں سے جو نہ دیکھا نہ کانوں سے سنا
حسنِ جمال تجھ کو دیا کیا مضائقہ
کیا کام دوستی میں کیا کیا مضائقہ
مال اپنا تھا دیا نہ دیا کیا مضائقہ
دکھلا ان آنکھوں نے دیا وہ کیا مضائقہ
عاشق بھی قیرا ہم کو کیا کیا مضائقہ
جلوہ نیا دکھائی دیا کیا مضائقہ
دل سے ہمیں بھلا ہی دیا کیا مضائقہ
ظالم یہ تو نے خوب کیا کیا مضائقہ

خوشنود اُسکو رکھا فرا سو نے جان دی

الفٹ کا پاس اُس نے کیا کیا مضائقہ

دیر جانناں پہ گر اپنی جبر سائی ہوتی
تیرے درباں سے اگر اپنی صفائی ہوتی
ہاتھ میں تیرے اگر اُس کی کلائی ہوتی
عشق میں غم نہ جو معشوق کا عاشق ہوتا
بیٹھا زنگ کدورت نہ دل عاشق پر
پانوں ہرگز بھی نہ رکھتا وہ زمیں پر اپنا
پشت پامار کے ہم تختے ہو جاتے دور
دیر و کعبہ میں ہماری نہ رسائی ہوتی
آستان پر ترے بے کھٹکے رسائی ہوتی
دل بے چین کو عاشق کے کل آئی ہوتی
روح کو کس لئے قالب سے جدائی ہوتی
آئینہ رو سے اگر اُس کے صفائی ہوتی
کبکے چال اگر تیری اڑائی ہوتی
جو میسر ترے کوچے کی گدائی ہوتی

لکھ غزل دوسری اور ایسی فراسو صاحب

اور کوئی طرز نہی اس میں سمائی ہوتی

باغ میں فصل بہاری اگر آئی ہوتی
بخدا ہم سے جو اُس بُتے لڑائی ہوتی
ہوتا گر حُسن طلائی کا وہ تیرے عاشق
غم و درد و الم اندوہ فغاں کا ہے ہجوم
اپنی تقصیر نہیں یا بر زمانہ ہے بُرا
شب کو جاتا میں اگر گھر میں مہتاباں کے
مست کر دیتا میں اُس بُت کو خوش اکائی سے
بوسے گل ناک میں بل کے سمائی ہوتی
صلح ہوتی نہ کبھی جمع حُدائی ہوتی
پاسے دیوانہ میں زنجیر طلائی ہوتی
ایک دل اس میں پھر کس کس کی سمائی ہوتی
کرتے ہم جسکا بھلا اُس سے بُرائی ہوتی
آہ سوزاں نے مری شمع دکھائی ہوتی
مجھ کو کچھ یاد اگر نغمہ سرائی ہوتی

عاشقی میں نہ خلل تیرے شر اسو آتا

آنکھ ناصح کو اگر تو نے دکھائی ہوتی

انتخاب کلام مطبوعہ

پہتا ہے کیا ہی تجھ کو لے یا رُسکرا نا
ٹک واسطے خدا کے لے یا رُسکرا نا

گر جائے گی بھی کی نظروں کے اُسکے آگے
اسے برق دیکھیومت زنبار مکر

ہمارا یار ہم سے جب تلک باہم نہ ہو گا
جو دل میں درد ہی ہرگز دوا کم نہ ہو گا

ہاتھوں نے نہ اک تار گریبان میں چھوڑا
پانوں نے نہ اک خار بیابان میں چھوڑا

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا
رفتہ رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہوا

سر بدن سے ہو جدا اور ہاتھ ملنے سے جدا
کیا بہانے تھے تجھے اے چشمِ آنسو بزم میں
یوں دل آوارہ اپنا اے فترا سو گم ہوا
پر نہ سر میرا ہو تیرے آستین سے جدا
ہو گیا وہ یار مجھ سے اس بہانے سے جدا
مرغ وحشی جیسے ہوئے آشیانے سے جدا

بیعت کروں نہ کیونکر پیر مغاں کی زاہد
پُر خوں یہ چشمِ و دل ہیں اپنے ہمیں غنیمت
ہے دستگیرِ مٹاں مشکل میں جامِ دینا
گواہ نہ ہو ہماری محفل میں جامِ دینا

دیکھا ہے جب سے پیر ہن اُس نو بہار کا
دامن نہیں ہی ہاتھ میں صبر و ترار کا

حال اس نوبت کو پہونچا یا مرا اس عشق نے
دیکھ کر ہر کوئی اشک آنکھوں میں بھرنے لگا

جو آپ کی دُوری میں دل پر مگر غم گزرا
فرہاد پہ کم گزرا مجنوں پہ بھی کم گزرا

ابر دکماں کے تیر ستم میں نے سیکڑوں رکھے ہیں تو دہِ دلِ ندوگہیں میں داب
 رولو فراسو کھول کے دلِ بزمِ یار میں تاجِ غم کو رکھو گے جانِ حزیں میں داب

وصل ہو اسکی دوائی سودوائی ہو سخت جی نہ چھوڑے گا مرادِ جدائی ہو سخت

جو دردِ عالم کی جگر چاکے جاگیر تو سوزِ غم کی دلِ بریاں ہے میراث

ہم کو بکھو تو بھلا ناسُرو پیغام بھیج دن کو ہی یا رات کو صبح کو یا شام بھیج

گاتے ہیں قولِ معرفتِ مرغِ چین علیٰ اُصباح ہتے ہیں آکے وجد میں سروِ سمن علیٰ اُصباح
 بندِ قبائے پھول کے شرم سے کھولے بلغم میں دیکھے صبا کھلا اگر تیرا بدن علیٰ اُصباح
 بھولے فراسو عقلِ ہوشِ محو ہوے بیکِ نگاہ آج سنے جو رشکِ مہ تیرا سخن علیٰ اُصباح

داں ہو تمھاری بزم میں مے سُرخ جامِ سُرخ یاں ہیں سرِ شکِ خون سے آنکھیں مدامِ سُرخ

رکھ اُسکے تصور میں سدا دیدہ تر بند لازم ہو کہ کا شانہِ خلوت کا ہو در بند

اپنے تو بخت سکندر پر فراسو مست اگر ط دیکھ ذلتِ مر گیا آخر کو دارا کھینچ کر

بیلیں بولی ہیں ہر دم نالہ جانکاہ کر گوشِ گل کیوں کر دیا تو نے مرے اللہ کر

ہو کیوں نہ مہر و مہ کا دماغ آسمان پر
دن رات جہہ ساہو ترے آستان پر
قامتے مثل سرودہن غنچہ رخ چمن
کیا ہی بہارِ حسن ہے اس نوجوان پر

جس کے لئے بچھائے ہیں پھولوں کے بیج روز
دہ گل کبھی نہ آیا ہمارے پلنگ پر
حیرت رہی نہ دیدہ ہمتاب کو فقط
تکتے رہے تمام ستارے پلنگ پر
پڑتی نہیں ہی کل کسی کر دٹ ذرا مجھے
پھرتا ہوں لوٹتا ہوا سارے پلنگ پر

اے دل مضطر تو زیرِ خاک نالوں کو نہ چھیڑ
چین لے اب قہرِ عدم کے سونے والوں کو نہ چھیڑ
کیوں بالِ جاں کیا جا ہے ہی ناصح زندگی
تیرہ بخت اُس زلف کے آشفۃ مالوں کو نہ چھیڑ

بیٹھے ہیں غیریوں مرے دلبر کے آس پاس
ہو خار جس دش سے گل تر کے آس پاس
اے مردماں یہ دیکھو کہ پھولوں کی بیج ہے
نخست جگر نہیں مرے بستر کے آس پاس
مرا ہے سوز و گداز سے دل گئے باب و گئے بآتش

کہ جیسے رہتی ہے شمع محفل گئے باب و گئے بآتش
لب پہ تمھارے صبح سے تا شام ہر چہ خوش
سمجھے یہ ہم کہ آپ کا تکیہ کلام ہے چہ خوش
آپ کے اس غرور کو میرا سلام ہے چہ خوش
خوب غزل ہی گرم سی شعر ہیں پُر شرر بھی
بارے فرا سو تیرا بھی کیا ہی کلام ہے چہ خوش

کیجے کھڑے پترے مہر کا قرباں عارض
کہ یہ ہمتاب سے چلے ہے دو چنداں عارض

دل فرا سو جب سے اُسکی چشم میگوں پر ہے غش
مست ہوتا ہوں میں کر کے ہوشیاری فراغ

گئی نہ دل سے تہ خاک الفت معشوق
برنگ خار ہوں بے جاں بدولت معشوق

آہ سوزاں کا مرے ہر گز اثر ہوتا نہیں
لگیوے بیدار داس تیرے دل پر فن میں آگ
ماس کا سجاوٹ ہے یا آہ سوزاں سے مرے
لے فرا سو ہے لگی دلدار کے دامن میں آگ

قاصد یہ کہیو اُس بُت مغرور سے الگ
کب تک ہو گئے عاشق رنجور سے الگ

آج کس نے ہی پیسا غزل بر سرِ گل
کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گل بر سرِ گل
کب تری مانگ میں موتی کی لڑی ہو ظالم
بوندیں شبنم کی مگر آئی ہیں دھل بر سرِ گل
گوش ناز کے نہایت ہی نہال گل کا
دیکھ بیل نہ کر اس رنگ تو غل بر سرِ گل
چراغ خور سے اگر ہولالے کا داغ روشن مراد حاصل

تو کیوں نہ خوش ہو کے بولے بیل چراغ روشن مراد حاصل

یار سے دُور ہو گئے ہیں ہم
جلتے دل کی فرا سو کر کے سیر
وہ دل مرا مانگے ہی میں صل کا طالب ہوں
وہ دن گئے جب تیرا دیدار تھا اور میں تھا
غارت گرا ہماں کو دے بیٹھا فرا سو دل
سخت رنجور ہو گئے ہیں ہم
موسیٰ طور ہو گئے ہیں ہم
انکار ہی اور وہ ہی اقرار ہے اور میں ہوں
اب دُور و آنکھوں کے دیوار ہی اور میں ہوں
بُت خانہ کے اب ز پر زنا رہے اور میں ہوں

خوب نہیں اس قدر حُسن پر کرنا عسرو
رے لیکے انگڑائیاں دیکھو ہو پر چھائیاں

پڑے ہیں کاٹنے پیری میں اب عبا کے دن
وہ نوجوانی کہاں در کہاں شا ب کے دن

کہوں میں دل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ خدا کسی کو دکھائے نہ منظر اس کے دن

کل پڑتی نہیں دل کو بن دیکھے تری صورت
ساتھ اپنے سدا شکر ہے گریہ و نالہ کا
اس عالم صورت میں صورت کے یہ معنی ہیں
شوکت اسے کہتے ہیں حشمت کے یہ معنی ہیں
ہم خاک ہوے تو بھی درسے نہ ٹلے تیرے
الفت اسے کہتے ہیں جاہت کے یہ معنی ہیں

نہ تخت و دم کی خواہش نہ ملک شام لیتے ہیں
مٹھائے نام کو ہم صبح سے تا شام لیتے ہیں
میں تو پڑا ہوں در پر ان کے اُن کو کچھ فرمانے دو

بھوکا تھا اس ناز کا میں بھی گالیاں مجھ کو کھانے دو
تجھے معلوم ظالم اُس گھڑی جاہت ہماری ہو
لگے تیرا کہیں دل اور تجھ کو بقراری ہو
یوں ہم آغوش ہوں پری کے ساتھ
جس طرح جسم ہو دے جی کے ساتھ
آئے ہوس میں وصل کی دشنام لے چلے
کیا یاد ہم کریں گے کہ انعام لے چلے
آہ و فغان گریہ و سوز و تپاک دُود
کیا ہم بھی ساتھ اپنے سر انجام لے چلے

انتخاب کلام فراسو

قصیدہ در مدح جناب زبیب النسا بیگم

اٹھائے دستِ عا میں نے جو سحر اک بار
برنگِ غنچہ رہوں دل گرفتہ میں کب تک
جناب حق میں کہا یوں کہ ایزد غفار
دہیں دیا مجھے مژدہ نسیم صبح نے آ
نکال اب تو جگر سے مرے الم کا خار
خزاں کو دیں نکالا ملا ہے گلشن سے
کہ اب تو رکھ نہ پریشان دل کو سنبھل وار
کیا گزار ہے پھر رونق چمن نے یہاں
چمن میں آئی ہے اب یہ خوشی سے لیل و نہار
کہ جس کے ابر کرم سے جہان ہے گلزار

جناب اقدس نواب فیض بخش جہاں
لئے ہے مٹھی میں اپنی ہر ایک غنچہ زر
نلے جہاں میں کوئی نام ابر نیساں کا
نسیم صبح سے ناگاہ جو سنی یہ بات
کہ میں بھی بیل خوشگو اسی کے باغ کا ہوں
عرض جناب میں کرتا ہوں اس لئے یہ عرض
یہ جب تلک کہ زمین زمان ستائے ہیں
برنگ گل ہوں سدا دست تیرے خرم و شاد

کہ جس کا نام ہے زیب النساء بعز و وقار
کہ رکھ کے خوان میں گل کے کرے وہ اُنپشتا
جو ابر فیض کا اُن کے اگر کروں تذکار
خوشی ہو میں نے کہا مثل عند لیب ہزار
کہ جن کی مدح میں ہو دامر الیب اظہار
کہ ہے قدیمی فرا سو یہ بندہ سرکار
اور آسمان پہ ہے ماہ و مہر پرفوار
خزاں نمط ترے بدخواہ ہوں ذلیل و خوار

مبارکباد عطا خلعت از سر کار بادشاہی بنام نامی گرامی حضرت حضور زیب النساء بیگم بہادر
حضرت ہو تمہیں خلعت زرتار مبارک
حق رکھے سدا بزم طرب میں تمہیں سرور
ہے دست کرم آپ کا جوں ابر گہر بار
اور آپ کی تلوار جو ہے برق جہاں سوز
بہتر ہے یہ سایہ سے سدا بال ہما کے
تعریف کروں آپ کے کیا رنگ محل کی
یوں پالکی کی شان ہو جوں سیپ میں گوہر
یوں فیل کے ہودج میں ہو جوں مہر فلک پر
فدوی ہے تمہارا بدل و جان فرا سو
کرتا ہوں دعا پر میں یہ اب ختم غزل کو
دیکھو نہ کبھی خواب میں بھی گردش دوراں
اور دولت اقبال ہو ہر بار مبارک
مے نوشی فصل گل و گلزار مبارک
ہو آپ کو یہ ابر گہر بار مبارک
اُس کا سر دشمن پہ سدا دار مبارک
ٹوپی پہ سدا طرہ پردار مبارک
ہو دے یہ محل تم کو ہوا دار مبارک
ہو تم کو یہ اسے گوہر شہوار مبارک
ہو آپ کو وہ فیل فلک دار مبارک
ہو اُس کو تمہاری کھنہ ربار مبارک
ہوں آپ کے بندے کو یہ اشعار مبارک
تم کو یہ سدا طالع بیدار مبارک

ہوں دستِ سدا آپ کے سر پہ عسرت دشمن کو نہ ہو دور یہ زہار مبارک

قصید مبارکباد عید پاسکو و مدح حضرت یسٰی النسا بیگم بہادر دام اقبالہ
 آج سوئے باغ جو ناگہ ہوا میرا گزر
 پھرتی ہے دیتی ہوئی جا و ب صحنِ باغ میں
 جس طرف دیکھا صفتِ راغنیہ و گل ہیں ہم
 پھرتی ہے نرگس ہر اک جانب کو بہرا ہتمام
 اور جو شمشاد کو دیکھا تو شکلِ سبز ہے
 فمراں ہی قہقہے کرتی نہیں ہر ایک سو
 الغرض اپنی بدل کر سچ ہر اک اہلِ چمن
 آج وہ دن ہے کہ روح القدس نے جسم کیا
 اس لئے دینے مبارکباد یہ اہلِ چمن
 یعنی وہ فیاضِ عالم منبعِ فضل و کرم
 نام سے اُس کے اگر چاہے کوئی ہو مطلع
 (۲) زیب دیتا ہے کہوں جو کچھ میں اُسکی شان میں (۱) یا درِ بیکس ہے ذات اُسکی جہاں میں نامدار
 ربِ باریابی کے لیے مجھے کو اُس در پہ مدام (۱) آن کر شاہ و گدار ہتے ہیں منتِ امیدوار
 (۲) لاکھ کیا بلکہ کروڑوں بخش دے ہے آن میں (۲) نام کو اُسکے ہے حاتم سے زیادہ اشتہار
 (۳) سب پہ ظاہر ہے سخاوت جو ہے اُسکی ذات میں (۱) الغرض رکھے سلامت ہی اُسے پروردگار
 ذات پر تیری مبارک ہو یہ عید پاسکو
 جو کہ ہیں بد خواہ شیرے لے کر م بخش جہاں
 اور جو فدوی فراسو ہیں مرے خالق انھیں
 رہوے یہ جاہ و چشم تیرا ہمیشہ ہر تراز
 گردِ دلِ فلاک سے رہویں ذلیل زار و خواہ
 شاد اور مسرور رکھے تاقیامت کردگار

قصیدہ بسنت در مدح زیب النساء بیگم بہادر دام اقتبالیہا
 اگرچہ پھولی پھولی ہے بصد بہار بسنت
 کرے نہ جب تلک آکر حضور میں مجھرا
 کہ نہ کیونکہ تجھے شاخ زعفران عالم
 بندھی ہی گرچہ ہوا بسکہ اس کی عالم میں
 یہ در پہ آ کے تھائے ہے ہی پروں کھڑی
 غرض کہ اب ہے وہ رشک چمن تری سرکار
 یہ عرض رکھتا ہوں تیری جناب عالی میں
 نگاہ لطف و کرم ہو فرا سو پر ہر دم
 جہاں میں جتنے ہیں وابستگان خیر اندیش
 عدو ہیں جتنے تھائے سدا رہیں غمگین

۳۳۷
 قصیدہ بسنت در مدح زیب النساء بیگم بہادر دام اقتبالیہا
 پہ تیری بزم طرب کے ہے شر مار بسنت
 نزار واقعی رہتی ہے بیقرار بسنت
 ہوئی ہے قطع ترے تن پہ جامہء اربنت
 کہ گل کے دستہ پہ آتی ہی ہو سوار بسنت
 کہ پائے محفل عالی میں تاکہ بار بسنت
 کہ جس سے رہتی ہی معذور کار و بار بسنت
 بنلے لایا جو ہوں میں گناہگار بسنت
 ہو سازگار سر موسم بہار بسنت
 رہے بغل میں سدا ان کی گلفشار بسنت
 ہمیشہ سایہ سے اُنکے کرے فرار بسنت

قصیدہ در مدح حضرت بیگم صاحبہ زیب النساء بہادر بہ تقریب دسہرہ
 فیض باری سے گہرا رہے جوں ابر کرم
 کیجئے غور کہ کیا بادہ عشرت کے مدام
 غنچہ لالہ کے مینا پہ ہے مینا کاری
 مے کے سوشیشے ہیں ہر خوشہ انگور لئے
 ہے ستم شلخ ہزاری پہ نواسنج ہزار
 ہر سے سایہ کرے کیوں نہ شعل خورشید
 پھول کے پھول کے طرہ نے دکھائی یہ بہار
 گل خورشید کے سورج کھی ہو ہاتھ میں کیا

باغ عالم میں ہی ہر تخت گل رشک ارم
 ساغر گل کو سدا کرتی ہی شبنم شب خم
 جس کی مے سے لب اہر بھی ہو نافرماں کم
 ز گس مست نہ کیوں تاک کو تاک کے پیہم
 سن کے صد برگ بصد برگ نوا ہے خرم
 کاکل سنبل پرتیچ ہے درہم برہم
 جس ویش رایت نصرت پہ زری کی پرچم
 رخ اور نگاہ پر گہرائے نور نگاہ عالم

جعفری اور گل شرفی کی دولت سے
 سرخرو ہو کے ذرا سبزے کی سرسبزی دیکھ
 دیکھ گلزار میں میں نے یہ غرض تازہ بہار
 سچ بتا آج یہ کس دُزِ طرب کی ہے دُھوم
 مجھ سے تب اُس نے یہ پھر آ کے کہا لے غافل
 اس لئے غنچہ و گل ہاتھ میں زرے لے کر
 کہ یہ سب جا کے اُنھیں دیویں مبارکبادی
 تب یہ سُنتے ہی کہا مطلع ثانی میں نے
 مہرِ سامہر سے یوں واسے ترا دستِ کرم
 چرخ پھرتا ہے سدا کا سُرخورشید لئے
 گل کے بوٹے ہی نہیں فیض سے تیرے زردار
 موج زن بسکہ ہے دریا سے عدالت تیرا
 کیا تری تیغ میں برش ہے عیا ذاً باللہ
 قالب پناہی تھی جان سے کیا دیکھے وہ
 چرخ کے دل پہ ہی زخم اُسکا نہیں کاکشاں
 ہوشِ بے وصل کی بھی جلد روی اُس سے گرد
 اور ہو گرم تو جوں برق چمک دکھلا دے
 فیض تیرا ہی کہ ہی چرخ رواں لے فیاض
 دیکھ کر ہو دجِ زریں میں تجھے بولے خلق
 باندھ کر لیں چلے جبکہ تری قاہرہ فوج
 جوں خطِ برق کا ہوا برسہ میں جلوہ

صحن گلزار سدا پُرس ہے بدینا رودرم
 ہر طرف کو ہی بچھا فرش سمور و قاقم
 پوچھا یوں موجِ نسیم سحری سے ہدم
 جو ہی یہ عالم گلشن پہ پھین کا عالم
 آج آیا ہے دسرہ کا مبارک مقدم
 واسطے نذر کے تیار ہوئے ہیں باہم
 نام سے اُن کے ہی خوش رہتا ہی سارا عالم
 جو تجلی میں نہیں مطلعِ خورشید سے کم
 گویا عالم میں پھر آیا ہے دوبارہ حاتم
 تارتے در پہ کرے آ کے گدا ئی اک دم
 شلخ پُرمیوہ ہی باسے ترے احسانِ خم
 پانی یاں پتے ہیں اک گھاٹ سدا شیرِ غنم
 کہ علم اُس کو اگر خواب میں دیکھے رستم
 گا دُسر کا بھی وہ سرِ وقت سحرِ پائے قلم
 مہ نہیں پھا ہا یہ رکھا ہے لگا کر مرہم
 تیرا شبِ نہ خرا ماں ہو اگر لگ کے قدم
 کہ زمیں پر نہ ذرا نقشِ قدم کا ہو رسم
 ہے عکاری کہ وہ ہی گنبدِ عرشِ اعظم
 ہے ملک کر سئی اعلیٰ پہ شکلِ آدم
 یوں نمودار ہوں ہر طرف نری کے وہ علم
 یا شبِ مہ میں چمک کاکشاں کی بہیم

ہے وہ مسجود جہاں خمیر عالی تیرا
 بسکہ داراے جہاں ہے تو سکندر طالع
 بس ثنا مجھ سے ہو کربا سکی جو ایسا ہوئے
 میں فراسو وہ ترا ہوں شر ملک اشعار
 سنگ بیکاری سے ہی شیشہ دل چور مرا
 بہرہ یاب آسے سرب دنی و علی تک ہیں
 جب تلک باغ جہاں میں ہی بہار ابدی
 ہوں نمک خوار ترے گل کی زمیں سے شاد آ

کیا مناسب ہے حریم اسکا اگر ہوئے حرم
 آصف جاہ و جلال اور سلیمان چشم
 ذات پر جود و سخا اور جناب اکرم
 جس کے آگے ہو لب طوطی گویا اکہم
 جو رگردوسے ہوں جوں زلف پریشاں بہم
 میری بھی غور سی کیجئے از روئے کرم
 اور ہی سبزہ افلاک شگفتہ حرم
 اور دشمن ترے برباد ہوں از صرصر عنبر

قصیدہ در تعریف حضور زیبا لہنا بگیم بہادر و مبارکباد ہولی
 کھیلے ہے ہوشگفتہ ہر گلزار ہولی
 سج دھج پہ گلرخوں کے ہوئے نثار ہولی
 گلشن میں مچ رہی ہے بے اختیار ہولی
 لیکن نثار تم پر ہے بار بار ہولی
 ہے جس کے شوق میں یوں پڑا اضطراب ہولی
 حاتم کی بھی سخاوت یاں شرمسار ہولی
 اب جس سے عقل لقماں بے اعتبار ہولی
 تم نے جو لیس پھینکی دشمن کے پار ہولی
 شاید کہ چرخ پر بھی نیروں کی مار ہولی
 اُس پر پیئے نہ پانی کیوں وار ہولی
 ہوں آپ کو مبارک ایسی ہزار ہولی

باغ جہاں میں آئی لے کر بہار ہولی
 ہر ایک کے ہے بریں پوشاک کیا بستی
 پچکاری ہر کلی ہے اور گل عبیر برکت
 ہے آپ ہی اگر چہ رشک بہار ہولی
 فردوس کی طرح ہی رنگیں چھب تمھاری
 دست کرم تمھارا اس نگ نہ نشان ہے
 دانا سخن میں یا حق نے کیا ہے تجھ کو
 بازو میں زور یہ کچھ رکھ کر کہاں میں جس دم
 ہرگز نہیں تلے سوراخ ہیں یہ سارے
 جس کی جناب ایسی بحر کرم بھلا ہو
 کیجے قبول میزے اشعار یہ کرم سے

ہے جب تک قامت و تربنت کی یاں
اور جب تک جہاں میں ہے برقرار ہولی
جو دوست ہیں تمھارے جوں گل رہیں شگفتہ
دل میں چھبے مدد کے مانند حنا ہولی

مدح نواب ظفر یاب خاں بہادر

آپ کا وصف جو کرے نہ رستم
تو زبانِ تسلیم کردوں میں تسلیم
رشکِ نقش و نگارِ مانی ہیں
بخدا آپ کے رقومِ تسلیم
اس سے نکلے ہیں گو ہر حسنی
آپ کی ہے دواتِ بحرِ کرم
خطِ گلزار سے تمھارے سدا
صفحہ کا غزیں ہے باغِ ارم
اور خطِ شماعی سے بخدا
دیکھے خطِ غبارِ جو کوئی
مہر کی ہے شماع سے تو ام
کیا لکھوں وصفِ خطِ نستعلیق
دل سے اُس کے غبارِ غم ہو عدم
اور خطِ شکستہ بختے ہے
ہے جو اہر سا ایک ایک رقم
اُس کی بس خوشنویسوں کو دیکھ
دل شکستوں کے واسطے مرہم
حلقہ زلف ساں ہی ہر اک لفظ
وصف میں ہے ہمیشہ لوح و قلم
آپ کا زورِ پنجہ کیا کہیے
اور نقطے ہیں رشکِ خالِ صنم
ہو شجاعت میں اس قدر یکیتا
ہے خجل جس سے پنجہ ضعیف
اور سخاوت پر دل ہے اتنا کچھ
کہ نہ تم سے دو چار ہو مگرستم
جلد یاں اس قدر ہیں گھوڑے میں
کہ فدا کیجئے دلِ حاتم
ہے قدم اسکا رشکِ موجِ نسیم
دوڑ جس کی غزال کا ہے رم
بزمِ عالی ہے اس قدر رنگیں
اور چھپٹے شرار کی ہمد
آپ کی سُن کے شکر میں گفتار
ہے بجا جس کو کہیے محفلِ جسم
طوطی خوش سقاں ہے ابکم

آپ کا میں ہوں بندہ دلبند
چشمہ ہر آپ ہیں جوں ہر
یعنی ذات مبارک نواب
اب دعا پر کروں میں ختم کلام
خانہ دوستان ترے آباد
آپے رکھتا ہوں میں چشم کرم
چشم الطاف کھولے لیے مست کم
رکاب حاتم ہیں آپ فیض شمیم
تاناہ طول سخن سے ہو ہم
بزم اعدا ہو حلفت ماتم

قطعہ مبارکب دروز دیوالی

کیا گرم طرب ہو کے تو آئی ہے دیوالی
ہیں بھول کھلے مثل چراغوں کے ہر اک طرف
ہر سر و چراغاں ہی طرح کا ہٹاں کے
بارش یہ کری کھیل بتاشوں کی جو تو نے
عالم ہے کھلونوں کی عجب جلوہ گری کا
یاں شیریں دہن مل کے سمجھی کھیلیں ہیں تجھ کو
کب اُس کے مقابل ہو دیوالی کی تجلی
رونق سر نو خلق میں لائی ہے دیوالی
گلزار نے بھی آج سنائی ہے دیوالی
یہ دل میں سما کے بھی سنائی ہے دیوالی
یاں آب گھٹا کی بھی گھٹائی ہے دیوالی
عالم یہ نیا ساتھ تو لائی ہے دیوالی
ہر ایک داتیری مٹھائی ہے دیوالی
جیسے یہ فرا آسوں نے منائی ہے دیوالی

قطعہ در مبارکباد عید نطال مبارک

آئی عید نطال مثل ہزار
آج عیش و طرب کرو صاحب
تم کو عالم میں آئیں یہ موقع
اور فرا آسو پہ ہو نگاہ ہر
نوح کی عمر سی ہو عسری
کیا جس نے جہان کو گلزار
حسب ارشاد عیسیٰ محنتار
ایسی عیدیں کرو ہزار ہزار
تم سے راضی ہو ایند و غفار
ہے فرا آسو کی یہ دعا ہر بار

مرے گناہوں پہ صاحبِ دھیان کیجیے گا
 یہ اپنا مہر سادل مہربان کیجیے گا
 سحابِ فضل کو فرمائیے گا اب ارشاد
 یہ دستِ خشک مرا گلستان کیجیے گا
 میں باغِ فیض تمہارے کا ہوں گیا ہر منط
 کچھ اور مجھ پہ نہ ہرگز گمان کیجیے گا
 فلک بھی سجدہ کرے گا تمہارے در پر آ
 جو مدح آپ کی صاحبِ بیان کیجیے گا
 یہ دوست آپ کا دل سے فرما سو صاحبِ
 دل کریم کو ملک مہربان کیجیے گا

انتخاب اشعار حمد یہ

جہاں جہاں ہی یہ کون و مکان صفِ گلزار
 ہے فیضِ حمدِ خدا سے عجب طرح کی بہار
 ہے مبداءِ جزو کل ممکناتِ بوقتِ لموں
 زکاتِ دنوں شذرِ رنگِ نقوشِ گونا گوں
 اب اسکی جس نے دو عالم کو کر دیا پیدا
 کرے ہے دفترِ توحید کو تسلیم انشا
 ہر ایک قطرے میں وہ آپ ہو گیا باہر
 ہزار رنگ سے وہ دل میں آسمان ہے
 ہزار رنگ سے وہ دل میں آسمان ہے
 اسیرِ دامنِ کثرت ہوں میں ہر راہ
 خدا یا کر مجھے وحدت کے آگاہ
 ترے ہی عکس سے جلوہ نما ہے
 جہاں آئینہ آسا پر صفا ہے
 بہارِ فضل سے بہتر ہے ہر رنگ
 جہاں کا ہے برنگِ گلستانِ ہنگ
 ترے ہی نور کا جھمکا ہے اللہ
 غرض ماہی سے دیکھا ہم نے تاماہ
 نمایاں زلفِ درخ سے ہی شبِ روز
 تری ہی مہر سے کراہِ دل افروز
 عدم سے ہی ہوئی ہستی نمودار
 تری بخشش سے ہی ہے رب غفار
 عیاں کی ہے یہ پستی اور بلندی
 عدم کو تو نے دے کر بختِ مندی
 بنائے تو نے عاشق و معشوق
 کیا ہے خلق کو تو نے ہی مخلوق

محبت کی تجھی سے دل میں ہی راہ
 کبھی جوں یوسف اور جابہ دیوے
 کبھی آوارہ رکھے جوں صبا تو
 کرے اوراق گل ساں گاہ باہم
 کبھی تو مثل گل خندان رکھے
 کبھی طالب بنائے گاہ مطلوب
 کبھی موہوم ہو اور گاہ مفہوم
 تری صورت کی ہی یہ سب کرامات
 دو عالم کا ترے ہی ہاتھ میں کار
 ترے ہی ہاتھ ہے نبض دو عالم
 جسے چاہے تو مائے اور جلاوے
 کرم سب پر ہے تیرا ہر سر ما
 جو منہ میں سوز باں ہوں غنچہ آثار
 زباں پر اس قدر جو گفتگو ہے
 الہی میں ہوں لبریز گستاہاں
 معاف اپنی سبھی جبرم و خطا ہو
 کٹی لہو و لعب میں زند گانی
 رہی جرم و گنہ کی بسکہ عادت
 نبائے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست
 گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ
 رہی گی چشم تر تا حشر روتی

تو دے ہی چشم و دل کو گریہ و آہ
 کبھی فقر و حنیض چاہ دیوے
 کبھی جوں کوہ رکھے جابجا تو
 کبھی جوں گنجیفہ کر دیوے برہم
 کبھی شبہ منظر گریبان رکھے
 کبھی غالب تو رکھے گاہ مغلوب
 کبھی معلوم ہو اور گاہ معدوم
 تری ہی لاشریکے میرے ربّات
 جو کچھ چاہے کرے ہی تو ہی مختار
 کہ صحت سے تری حکمت سے ہمدم
 جدا چاہے کرے چاہے ملاوے
 جو کچھ کرتا ہے تو ہے وہ ہی اچھا
 فرا سو سے نہ ہو تو حید اظہار
 مرے دل میں ہمیشہ آرزو ہے
 ولیکن ہوں تری بخشش پہ نازاں
 جو تیری بندگی اک دم ادا ہو
 تری کچھ یاد کر ہم نے نہ جانی
 نہ ہر گز کچھ ہوئی ہم سے عبادت
 نہ چھوٹے دستگیری گر تری دست
 رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ
 خجالت کے سدا موتی پر دنی

گناہوں سے نہایت ہوں میں دلیر
 کسی غفلت میں میری زندگانی
 کراپنا فضل اب مجھ پر عنایت
 تو ہی تو چارہ بچار گاہے
 رکھ اپنی ہی محبت میں ہمیشہ
 ترا ہی عشق ہر دم رہنمویں ہو
 مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے
 تو دے صد داغ الفت میرے دل کو
 جو تیرے عشق کی ہو مجھ کو مستی
 یہ دل میں دن معنی کا اٹھے جوش
 ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی
 فرا سو ہے تری الفت کا طالب

مثل ہی کردنی خویش آمدہ پیش
 نہ جانی مستد رتیری پر نہ جانی
 سمجھا دے اب مجھے راہ ہدایت
 تو ہی قوت وہ ہر ناتواں ہے
 مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ
 مراد دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو
 شرابِ عشق سے مستانہ کر دے
 تو کر گلریز میری آبِ گل کو
 بھلا دوں دل سے میں صورت پرستی
 کہ ہو عشق مجازی سب فراموش
 تو دنیا سے ہو مجھ کو بے نیازی
 کہ تیری ذات کے ہر شے پہ غالب

کروں آپ گھر سے دھوکے زباں
 اُس کی صنعت پہ میں ہوا شیدا
 ملک ہستی یہ اور ملک عدم
 سب کی ہی پرورش میں اُسکی ہر
 اولیا انبیا و غوث و قطب
 حسن اور عشق کو کیا پیدا
 ایک کن سے ہی صد سخن میں رنگ
 ہے اثر نالہ ہائے لبِ بل میں

ایزد کبریا کی حمد بیاں
 اُس نے دونوں جہاں کئے پیدا
 عرش اور کرسی اور لوح و قلم
 آسمان و زمین و ماہ و مہر
 اُس نے بھیجے یہاں پیر سب
 جان و دل اُس کے نام پر شیدا
 اُس کی قدرت کا ہی چمن میں رنگ
 رنگ نیرنگیوں کا ہے گل میں

لکھ نہ اسو تو اسکا حمد و بیاں
 حمد اُس کی ادا ہو تجھ سے کہاں
 وصف اُس کا کہا نہیں جاتا
 لیجئے چوم اُس کے دونوں ہاتھ
 ہے اُسی سے چمن کا آب رنگ
 دل میں عاشق کے بھر دیا ہے درد
 عشق کا دل میں ہے اُسی کے درد
 اسقدر ہے شراب عشق کی تیز
 بحر الفت میں اسقدر ہوں غرق
 نور صبح بہار پر دیکھا
 سبزہ نوحہ زار پر دیکھا
 خلق جس کے ہے نور سے تاباں
 خشک ہوتی ہے پر سخن میں زباں
 اور چپ بھی رہا نہیں جاتا
 عشق اور حسن کو بنایا ساتھ
 جس نے بلبل کو بھی دیا آہنگ
 آہ معشوق کو دیا دم سرد
 جس کا دل گرم اور دم ہے سرد
 دیدہ و دل کے جام ہیں لبریز
 کفر و دیں میں نہیں سمجھتا شرقت
 سبزہ نوحہ زار پر دیکھا

کردں پہلے حمد خداوند گار
 کہیں عشق اور حسن پیدا کیا
 ہر اک رنگ میں آپ ہو کر عیاں
 کہیں نازنین اور محبوب ہے
 چمن میں کہیں سبزہ و گل ہوا
 محبت کی آڑ اُس نے لے لی کہیں
 کہیں دلربا شوخ شیریں رہا
 کہیں شمع ساں بزم میں آگیا
 پھر آہی وہاں جا کے مائل ہوا
 غرض لے کے ماہی سے یاں تاباں
 کیا جس نے عشق بتاں آشکار
 دلوں کو کہیں اُس نے شیدا کیا
 دکھاتا ہے کیا کیا وہ نیرنگیاں
 کہیں عاشق زار مجذوب ہے
 کہیں وہ دل آشفۃ بلبل ہوا
 بنا فقیں وہ اور سیلی کہیں
 کہیں بن کے فرہاد غمگیں رہا
 جھلک نور کی اپنے دکھلا گیا
 کہ پروانہ سوخستہ دل ہوا
 اُسی کی محبت کی ہے جلوہ گاہ

جو چاہا کہ عشق اپنا ظاہر کرے
 اُسی کے سببے ہو اے عیاں
 زیادہ یہاں کھولے کیونکہ لب
 زباں نے مری زور پایا کہاں
 دلوں پر ظائق کے باہر کرے
 تڑپا سے یاں لیکے تالامکاں
 سبب اسکا یہ ہو کہ جاے ادب
 کرے جو کہ قدرت کا سارا بیاں

از گناہاں زیر نقصا نیم ما
 میں سراپا خستہ پر تقصیر ہوں
 از گناہاں در پریشانی منم
 تیری خدمت سے میں کب معزول ہوں
 چاہیے بخشے مجھے تو کبریا
 رستہ کے باشد اسیر دام تو
 کیجیو مت آتاں سے اپنے دور
 در حمایت تست جملہ اولیا
 خالق آدم و میکائیل تو
 سہرا سرا فیل و عزرائیل تو
 لیکہ خود را بندہ اتانیم ما
 پُر گنہ ہوں اس لیے دلگیر ہوں
 ہست اُمید از تو نادانی منم
 چاہتا ہوں بندہ مقبول ہوں
 نطفہ آدم سے ہوتی ہے خطا
 گر شود آزاد باشد رام تو
 مجھ کو رکھیو گمراہاں سے اپنے دور
 در کفالت تست جملہ انبیا
 مبدع تو راۃ وہم انجیل تو
 مالک ہابیل وہم قابیل تو

شنائے صانع بے چوں ہے بہتر
 بساں چار دیواری عتاصر
 کیا کاخ فلک جس نے منور
 کیا اُس نے چراغ جاں منور

انتخابِ شہنویات

حمدِ خداے پاک لکھوں میں
 وصفِ کل ادراک لکھوں میں

سب میں شامل اور جُدا ہے
 رنگ اُس کا ہر گل میں پیدا
 شعلہ میں اور طور میں وہ ہے
 گل اور جُز میں شان وہی ہے
 مجھ سے کب ہو صفت خدا کی
 ارض و سما اور مہر سے تامہ
 دیدہ غور سے جس جا دیکھا
 کعبے میں ہے اُس کا چرچا
 مہر خموشی لب پر بہتر
 وہی خدا ہے وہی خدا ہے
 جز میں ہے اور گل میں پیدا
 ظلمت میں اور نور میں وہ ہے
 سب قالب میں جان وہی ہے
 وہ نوری اور میں ہوں خاکی
 ہے وہ سب میں اللہ اللہ
 نہاں ہے سب میں سب میں پیدا
 بُت خانے میں اُس کی پُر جا
 عجز و ادب ہے سب پر بہتر

مذمت میخواراں

یہاں ہے گرم دورِ جامِ گلگوں
 سحر اور شام ڈھلتی ہے برانڈی
 جلیں بزمِ نئے ہے صاحبوں کی
 خدا کا خوف نہ عیئے کا ہے ڈر
 اسی کی رات دن ہیاں مدارات
 اسی پر کا پڑا ہے عکس کا لا
 اسی کالی برانڈی کا نشان ہے
 اسی کا چرخ پر سایہ پڑا ہے
 بہت بارش کا باعث ہے سو کیا ہی
 شفق سے کب ہوا چرخ کہن سُرخ
 کیا صوفی کے دل کو جس نے پُرخوں
 پڑی قدموں میں وتی ہے برانڈی
 انیس جاں یہ شے ہے صاحبوں کی
 نہ ہے اندیشہ کچھ اندرونِ محشر
 عداوت جی کو ہے ایمان کے سات
 ہے جرمِ مہ میں اس نے داغ ڈالا
 گھٹا نیلی بروئے آسماں ہے
 جو نیلا ابر آس پر کھڑا ہے
 برانڈی میں یہ پانی چھانتا ہے
 حرارت سے ہی مے کے اُسکا تن سُرخ

تے اوپر کہاں ہیں آسمان سات
 تپش اسکی نہیں یہ بے سبب اب
 گلاسوں کی ہی یہ کثرت تو اتار
 ہوئی ہو اسکی شدت اب یہاں تک
 فلک جو شکل بوتل کی بنا ہے
 نہ کیوں ہو چرخ ہفتم پر زحل تنگ
 سحر کو مہر جو گردوں پہ آیا
 فلک پر رقص یہ زہر کو کب ہے
 جو بوتل انجمن میں سرنگوں ہے
 فلک پر کب ہیں اختر جگمگاتے
 ہوا ہے قمر یہ اللہ کیسا
 نشہ میں کوئی اوندھا لوٹتا ہے
 نشہ میں جو کہ بخود ہو گیا ہے
 دعا یہ ہے مری اب بے غفار

پھپھو لے پھپھو لے ہیں یہ مہیات
 خمارِ شر سے ہے مہر کو تپ
 ہجوم انجم کا ہو جوں آسمان پر
 شرارت اُس کی پہونچی لامکاں تک
 بشکل جام گردش میں ہوا ہے
 سیہ اُس کا حرارت کے ہوا رنگ
 نشہ کا نام سن کر تھر تھرا یا
 کہاں ہے ناچ یہ لرزہ کی تپ ہے
 عطار دکا گلے پر اُسکے خوں ہے
 لرزتے نشہ سے ہیں تھر تھراتے
 چلا ہے دور مے کا آہ کیا
 کسی کا پاؤں جامہ بھٹ گیا ہے
 کفن میں جیسے مردہ سا پڑا ہے
 یہ ہو جاوے جہاں سے جلد فی النار

پشونا مہ

اب تو پشوبہت تاتے ہیں
 تن دو دوڑوں کے پھل رہا ہی تمام
 سارے اعضا میں اٹھتی ہی خارش
 تن کیا ہم نے مسخ کھجلا کر
 پسو دیتے ہیں اب بہت آزار

رات کو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں
 شب کو آتا نہیں ذرا آرام
 اور خارش میں قہر درد و تپش
 جسم گیا خون جا بجا آ کر
 سوتے ہیں چار پائی پر لاچار

خواب کیجے کہاں بعیش و نشاط
 خالی اُن سے کوئی مکان نہیں
 گہ تر پشت سر سرائے ہیں
 تنگ ہے خلق پتوؤں کے ہات
 شیخ کو جانو نہ شب بیدار
 ہر جگہ پتوؤں کی ہے اسراط
 چین اب زیر آسمان نہیں
 گاہ پہلو میں کاٹ کھاتے ہیں
 نیند آتی نہیں کسی کو راست
 پتوؤں کے سبب سے ہیں بیزار

انتخاب شنوی فارسی مسمیٰ "ظفر الظفر"

(فتح نامہ انگریزی)

بایں رزم نامہ جو پردا ختم
 ز خیل سیاہان بدکار خو
 بہر سو زویدن نظر و خند
 ز ہر سو سیاہاں ہمہ کینہ خواہ
 زن و مرد ہم کمسن اطفال را
 نہ بیند کسے زندہ ناموس خود
 سر پشته مردگاں صد ہزار
 نختیں ز میرٹھ بیاں سا ختم
 ز آقائے خود رد سیہ رزم جو
 تر و خشک ہیزم ہم سو خند
 برفتند در عرصہ رزم گاہ
 بکشتند در جا و ہر جا بجا
 ہر اسان شد از جان مایوس خود
 فتادند زارغ و زغن بے شمار

حکیم خردمند و الامت م
 کہ از دست کوتہ زبان دراز
 ہماں ڈاکٹر بٹن ہوشمند
 بنا چاری از قدرت کردگار
 زدہلی بروں گشت آں دلفروز
 کہ بٹن ازاں ڈاکٹر بود نام
 ہمی داشت در صاحبان امتیاز
 زدست زمانہ کشیدہ گزند
 کہ از خواب خور ہم نمیداشت کار
 خدا را پرستش کناں چہند روز

رسیده هر چند پورپیا ده پا	نه عقبش کسے نے کسے پیشوا
به تن خرقه گیر دارنگ داشت	هر رنگ اورنگ نیرنگ داشت
که در گردش سحر از چوب بود	که در راج آنرا بخوانند هود
از چوب سیه سحر بر سینہ بود	که بالای او در گلو تو نبه بود
کدے تھی مغز را تو نبا نام	همی کرد با هندواں رام رام
نمیداشت جز کڑی دیگر لباس	تنش بود عریاں خودش بجواس

همه روز با صاحبان آمدند	رسیدند از من اماں خواستند
که یک یک دران صاحبان کجکلاه	گرامی تر از صد هزاراں سپاه
رسیدند بر ما کرم داشتند	پریشان دل و چشم نم داشتند
همی خواستم بے نیازی کنم	بوامان دگاں چاره سازی کنم

درین رزم باشند بسیار کس	که از زندگی خود کشادند نفس
رعونت نباشد دل پاک را	بز یورچه زینت تن خاک را
جہاں زیر فرمان او رام شد	چو دل رام گردد آرام شد
جہانے چو از عدل آباد شد	بہمش دل عالمے شاد شد

بیا ساقی از بخت برگشته ام	خراب و پریشان و سرگشته ام
که از تشنگی جان بیتاب شد	مرا خواهش بادہ ناب شد
بیا خضر ما شو تو این دم شتاب	تو اثر بدہ دوسہ جام شراب
شو خاطر غمزدہ را سحر دور	بکن از دل ما غم و رنج دور

ز ساہل شروع شدستم پروری
 روا کرد بیداد بے حساب
 رسد را نمودند غارت بسم
 جہاں در جہاں گنج برداشته
 سیاہاں پراگندہ از ہر درے
 پے غارت ہر چند پور آمدند
 باغوائے افغان ہر چند پر
 ہمہ آں دہاقین آتش پرست
 سیاہل گرفتہ کساں را از اں
 کہ در خواب بودیم من آں زماں
 ہمہ کس گرفتہ اسبیا و گنج
 رسیدند بفرق ماسے دریغ
 زن بختی بانی مرا بستہ کرد
 ز شرم و حیا سرنگوں داشتہ
 نہ آمد کے بر سرم دوستدار
 کہ از چوب شکست پشت و کمر
 تن و جسم ماہر و گشتہ فگار
 ہمہ مال اسباب را خواستہ
 گرفتند ہمہ زیور و سیم و زر
 بہر سو شروع گشت غار مگر ی
 کہ رفت از دل خلق آرام و خواب
 بشد ہر دواں را اذیت ہم
 ہنود و مسلمان دوسر داشتہ
 کہ ہمراہ ساہل شدند بے زرے
 بساہل تلنگان باہم شدند
 پے غارت مار رسیدند شد
 پے سوختن داد آتش بدست
 رسیدند بفرق مانا گساں
 رسیدند تلنگان باگو جہراں
 کہ در دستش افتاد بے دست رنج
 نہادند سنگین کشیدند تیغ
 ز چاک تن ہر دو را خستہ کرد
 کہ از گریہ حال زبوں داشتہ
 فلک کرد با حال ما چشم چار
 نہ آمد سوسے رحم بیدا و گمر
 رواں خوں زن اشک زدید زار
 کشیدند و بستند و برداشتند
 شدیم بستہ لب خامش و چشم تر

بیالے بروج شرف آفتاب
 بدہ آں سے احمر سلناب

بیا اے دل افروز جاں تازه کن
 بیا ساقی لے مایہ انبساط و
 شدند از کمال شرف کامراں
 به لطف خداوند جاں آفرین
 تو باز یب این بزم را سازده
 که سازم من این داستان اتمام
 جہاں را بشہ پر آوازہ کن
 جہاں را جمال تو باغ نشاط
 گرامی رفیقاں ہمہ افسراں
 برآمد مراد محبتاں دین
 بدستم عنان سخن بازده
 فرازیم سرور دل خاص عام

فتح نامہ گفتیم به لفظ دری
 فرا سو دلم از سخن سیر نیست
 شد آرایش نظم این داستان
 درین داستان سفته شد گوہری
 درین قصہ نظم به چستی گذشت
 کشادیم برخوش کسوت زری
 سخن با چو تیر مست شمشیر نیست
 به سیر و تماشاے خورد و کلاں
 پی پی پیکراں را شود زیوری
 کتاب سخن را درستی گذشت

انتخاب دیوان فارسی ز فراسو صاحب

بر صفحہ رحمت چو رواں شد رستم ما
 در عالم حیرت چه سرور مست فراسو
 حقا کہ یکے شد دو زبان تسلیم ما
 چوں عمر شرار مست وجود و عدم ما

دے اے شعلہ خور حمے کہ در کوے تو افتادم
 به ہنگام وصال دوست عمر خضر میخو اہم
 در دل او اثر نہ کرد افسوس
 ہاں منم دیوانہ ات بر کن جدا سرا ز تنم
 برنگ کاہ ہمراہ صبا طے کردہ منزہا
 به گویم تا به پیش شوق مجل با مفصل ما
 نیست در نالہ ام رسائیہا
 کا کلت زنجیر ما و ابروت شمشیر ما

بر در میخانه سرچون برهن سودم بے
را هم ما هرگز نه شد یارب بستی پیر ما

چسای از قید عشق کس پری بیرون کشم پاره
که دایم طایر دل کرده زلف چلیپا را
نکش تیغ جفا ز شک گلشن بر سر عاشق
چه سازی زین بشارت گل آزدگی ما را
عجب دریای دل در شیشه خود سا قیا داری
طلسم است این به کوزه بند کردی معجز دریا را

نیست خط بر عارض چون ماه تابان شما
سبزه سیراب می دارد گلستان شما

عاشق مفلس دل داده بے سامانم
بزد شوخ ز کفم نفتد شکیبائی را
مجبوری عقلست گرفتاری دنیا
خود را نه فروشی به خریداری دنیا
تا که برخ آئین مشغول بمانی
آرایش دنیا است ز گل کاری دنیا
دوش از بر یافت به اغیار به آویخت
آزرد گیم گشت ز غم خواری دنیا
گشت خاک درت اورنگ جهانبانی ما
گشت نقش قدمت افسر سلطانی ما

مارا دل برشته ز عشق تو سبز بود
مزر و غم از دمیدن این دانه شد خراب
در وجد آمدند ز شوقم پری رخاں
در بزم غیر نغمه مستانه شد خراب
در عشق شمع روے تو پروانه شد خراب
در گرد و با و کوے نو دیوانه شد خراب
آب و گلیم نیامده در کار هیچ حلق
سوراخ در سبوشد و پیانه شد خراب
من شدم از وضع یارها خراب
سینه ام از داغ دارها خراب
چشم مارا کرد زارها خراب
دل شد از شعله فشارها خراب

مثل آئینہ چشم وادارم
گشته ام مایل لب میگوں
مدتے شد بہ ہجر می نالم
مہر و اخلاق توئے یار و فادار کجا ست
من چرا بندہ حسنت نہ شوم جان جہاں

صہ بلا درد انتظار سے ہست
مستی و شوق بادہ خوار سے ہست
نہ تسلی نہ غمگسار سے ہست
مہربانیت کجا شفقت بسیار کجا ست
بہ جہاں چوں تو دگر شوخ طر حدار کجا ست

دل داغدار خوب تر از لالہ زار ہست
نرگس کجا ست آنکہ بہ صحن چمن شگفت

از لالہ زار خوب دل داغدار ہست
ایں چشم عاشق ست کہ در انتظار ہست

از جلوہ تو حال فرا سو شده دگر
برقے عجب خرمن خار و خشک گذشت

زنداں رسیدہ را بہ تماشا چہ حاجت ست
باشد مرا خار شکن چشمک پر می ژ
منصور خواند راز انا الحق بر سے خاک

شد موسم بہار بہ غوغا چہ حاجت ست
مارا بہ جام و شیشہ و صبا چہ حاجت ست
در دل خیال عرش معلّا چہ حاجت ست

درون سینہ چو شکست شدہ ہا سے دلم
نہ عمر رفتہ بسر شد اگر چہ سل سالم
دلم شکست ز جورش مگر بہ کن ناصح ہا

برائے من ز از آئینہ عذاب درست
نماند یاد مرا چوں خیال خواب درست
نہ موسیقی و صلش پے صواب درست

از سر دنیاے دوں کیبار می باید گذشت
بہ دو چوں باد خزاں رنگ طراوت از بہار

از امید و وعدہ دیدار می باید گذشت
ہمچو پوس گل ازیں گلزار می باید گذشت

گر فرآ سو رشح معنی چکد از شعر تو
 از بهار ابر گوهر باری باید گذشت
 فریب عاشقی خورد دم فرآ سو
 چرا ظاهراً هر کخم را ز من نهان نیست
 کجا خیزد صدای آشنای
 که این جانم در لای کاروان نیست
 چرا بر مند جسم می نشاند
 مرا خوشتر ز کوی دوستان نیست

نغمه شیرین دهنم آرزوست
 باو بهار و طنم آرزوست
 شور قیامت شود از گور من
 نشو و نما کفتم آرزوست
 دیدیم چه خوش خواب که زان چشم پر آبست
 سامان شرابست کبابست و ربابست
 گاهی نه رسیدی به تماشای طپیدن
 از آب دم تیغ هم دم دم آبست
 قلم کردی مبارکت باد
 تیغ جوهرت سرم برید است
 من از عنیم روزگار رفتم
 مارا غم روزگار نه گزاشت
 آمد عنیم او به خلوت دل
 امید در انتظار نه گزاشت
 عمریت کس ز لطف مرهم
 بر سینه داغدار نه گزاشت
 یار از بادیه برافروخته رخسار کجاست
 تا ازاں بهره بر دم دولت بیدار کجاست

بارب دلم و ونیم ز تیغ نگاه کیست
 چشمم که گریه میکند این او خواه کیست
 درد و بهراں را دولی دیگر است
 نسخه دیگر شفاے دیگر است
 درد لیم آه سحر مثل صباست
 در چین زارم هوای دیگر است
 بیوفار با وفا بودن خوش است
 دلربا را آشنا بودن خوش است
 نامرادی سید هر دم مراد
 در جهاں بے التجا بودن خوش است
 همچو سلطان گردناری تخت و تاج
 با گدا بر بوریا بودن خوش است

طوقِ وفا در گلو آمدہ چوں فاختہ
کار من افتادہ است از قدر بجوے دوست
کعبہ و ہم بتکہہ کافر و دیندار را
ہست چو قبلہ نہادیدہ من سوے دوست
آبروے بسلاں گہ بسر خاک و خوں
گاہ سیر کشتگاں بر سر زانوے دوست

جان لبب آمدہ این خشکی لب چہ علاج
دیدہ چوں آئینہ دادند طلب چہ علاج
غیر بایار خوش نے آید
پیش گل خار خوش نے آید
در سرائق تو جان من مارا
زیست ز نہار خوش نے آید

غیر ہمراہ یار می آید
ہم خزاں ہم ہمار می آید
دل من ہچو صید مضطرب است
شاید آں شہوار می آید
می کنم رقص ہچو دیوانہ
کاں پری در کنار می آید
گاہ گاہے چہ شود گم و قدم رخبر کنی
ہست از خانہ تو خانہ من گامے چند
ایکے یک لحظہ ندارم بفراق تو قرار
عالم آخر چہ بود گر شود ایامے چند
مست مدہوش بدام مست فراسو صاحب
ہست نوشیدہ زمیخانہ تو جامے چند

خال ابرو چہ عجب ترک پیر ہا دارند
بہر قتل دل من تیغ و سپر ہا دارند
این چنین حسن و ادا ہا کہ تو داری بالشر
نہ ملک ہا نہ پری ہا نہ ملک ہا دارند

بہ سیر گلشن فردوس ہم نہ گمزد خوش
ہر آں دے کہ بہ ہجر تو خار خار بود
دے بہ کلبہ احزان من کرم سراما
کہ فہر و لطف نہ اطوار شہر یار بود
عزم گلستاں بست من می کند
رونق دیگر بہ چمن می کند

به جلوه ناز تو بزم چمن برافسرد
چراغ چشم گل یاسمن برافسرد

چشم فتان تو صد فتنه اگر انگیزد
نیست عاشق که زلفتاره تو پرهیزد

بغض از دل چو بدرفتار پیدا شد
زنگ از آئینه گمشد صفا پیدا شد
من ندانم چه فسوں غیر به گوشش بید
کز دل یار و فارت جفا پیدا شد

مرا اندیشه می آید رنج ساعد نازک
به آزار دل مادر پی آزار می باشد
نماند چون پریشانی دل جان مرا بای
دل آشفته تر از طره طرار می باشد

دولت آنست که او را نرسد بزم زوال
عوض گنج مرا خلوت حباناں باید
نالہ های کنم و گریه می آید
چه کنم در دل من یاد کس می آید

بر در کعبه و بت خانه مقید نه شوم
عشق هرگز طلب سبج و ز تار نه کرد

خلعت مهرت چه بر قدر دل ناخوشناست
در رخ ماهر زماں موجود سیماست
صد امید ما بدست ناامیدی شد اسیر
گریه ام در آستین است از تمنای دگر
آرزوی صد داری بر در و سل فتاده باش
میری از خاکساری با به بالای دگر
عاشقان را در قیامت به جمالش کار نیست
دیدۀ عاشق نمی بیند تماشا است دگر

دلم کنی چو بت سنگدل تو خانه خویش
کنم چو سنگ حرم سنگ آستانه خویش

بگوش او برسد گر کلام رنگینم میان باغ نہ بلبل کشد ترانہ خوشیش

بجاں رسید و بجاناں نہ شد رسیدن دل
 بہ پوش دیدہ ظاہر نگہ بحضورت عشق
 نہ جیب فکر سر خود بدوں نہی آرد
 فرا سو آہ بہ ہجر تو سوز با دارد
 ہماں چکیدن شکست ہم طپیدن دل
 کہ سجدہ ہست راں جابسر خمیدن دل
 بدید غنچہ پر مگر سپرین دیدن دل
 گئے چو شمع بیاہر حال دیدن دل

مدام گرد و بت گلزار می گردم
 بہ میں ہولے سر من کہ گرد خانہ دوست
 دل چو پارہ سیماں در لبیل دارم
 خریدارش شوم با صد دل و جان
 نہ بہ خیرم بخشہ ہم فرا سو
 فتادہ ایم وے سایہ دار می گردم
 چو گرد باد بعد اضطراب می گردم
 کہ اشک بار چو ابر بہار می گردم
 اگر اورا سر بازار بینم
 گر اورا ہمسرہ اغیار بینم

ز فیض گلستان شدہ دشتا
 بر فتم نثار سو و گفتم دعا
 مژہ ہچو ابر کرم داشتہ
 سبک عزم ملک عدم داشتہ

در محفل خویش بے توفیقی
 آزرده مشوز مستیم ہیچ
 غائب مشوز چشم من لے نور دیدہ ام
 جانم بیا کہ جاں بلیم دل طپیدہ ام
 کرد چوں مو مرا سید بختی
 از چشم پر آب جام دارم
 در دست و گداز نام دارم
 من بر بیاض دیدہ شبست کشیدہ ام
 صد بار دیدہ ام و ہنوز نہ دیدہ ام
 کا کلش را بلاے خود دیدم

زنا کامی نہ رہیم فاش اشک از غیرتِ دشمن
من آں رندم کہ در شور قیامت
چو گریاں دید مارا باغیاں گفت
بر دآں شوخ زجاں صبر و قرارم چہ کنم
دیدہ و داغ دل آشوب قیامت دارد

نہاں در موئے چشم خونِ نشانم بہت نام
ہزاراں شور و غوغا میرسانم
کہ دو دہل بہ گھٹا میرسانم
نکنم چوں دم نے نالہ زارم چہ کنم
در شب تار ستارہ نہ شمارم چہ کنم

نہ نایم ز عدم قصد رسیدن بوجود دیدہ بر بندم و از خواب گراں برخیزم

ہیچ امید شگفتن ز لبِ لعش نیست
سخت تنگ آمدم از قیدِ تعلق این جا
صبح از صحنِ چمن پاک گریباں گزرم
شوم آزاد و ازین بندشتا باں گزرم

نشاں زنگِ دلی بر رخ آئینہ دل
چوں گدایاں پے نالے بگدائی مخرام
باد رکبہ نشیں یا سربت خانہ نشیں
ساغرے خور و رندی کن و ستانہ نشیں

علاجِ سوختگاں کن زراے سوختگاں
برنگِ شیشہ مے آتش از بغلِ برخاست
کہ گفتہ اند شد آتش و اے سوختگاں
گئے بگریہ و گاہے بہ خندہ می سازم
بہ بزم بادہ کشاں گشت جالے سوختگاں
خیالِ روے تو باشد ہولے سوختگاں

ہر چہ ساماں پیش خود داری بڈ دلدارا
بستہ کن دل را بزلّٰفِ کافر عاشق کشی
در محبتِ بے سرو سامان می باید شدن
بند چوں در رشتہ ایماں می باید شدن

ترا از عالم نورنگی یاد سستک نادان
تو چوں ببل شدی نالان عالم غنچه ساز خندان

بسکه بدست میم هوش نمی دارم من
تر تیغ تو واگذاشت نماز
پر چه دل بجای نامه دهم
از سر عشق لاله روز گزشت
دل خود کن فراسو صاحب صاف
هلال آسمان یکسو دابر و صنم یکسو
پند ناصح چه کند گوش نمی دارم من
هر که از خون خویش کرد وضو
قاصد اشک می رود آنسو
داغم از دست این دل بد خو
جلوه آراست روی او هر سو
چنان باشد که داسے یکسو و تیغ دو دم یکسو

هر دم از سینه کشم ناله و آه تازه
بسکه خون تاب جگر مردم چشم آرد
گر سوے غیر کند یار نگاہ تازه
او نگاہے چون کند بر سر آه تازه

شنیده ام ز لب ببل این سخن تازه
ز فیض ابر بسیار می شده چمن تازه
ز حال زار غریباں کجا خبر داری
کسے نه گفت به یوسف ز گریه یعقوب
بنال زود دلائست وقت خاموشی
من از شاخ ز گس گرفتیم خامه
بهار تازه و گل تازه و چمن تازه
نهال سر و سمن تازه نترن تازه
تراست انجمن افروز انجمن تازه
که برد باد بوسے بوسے پیرهن تازه
که عند لیب به باغ است نوحه زن تازه
نوسیم به برگ گل شوق نامه

دل و جانم را بودی زنده باشی
اگر در غم شود این جسد عالم
مرا بے جاں نمودی زنده باشی
همین گویم که تو فرخنده باشی

مرا کے پنجہ گل می فریب
تو بادست حنا پائیدہ باشی
نقابے در کشیدی بر رخ خویش
به محفل شکل مارا دیدہ باشی
رخ خود را تو خود گردیدہ باشی
چو زلف خود بخود پیچیدہ باشی
بوصلت نیز شادی مرگ بشم
چرا بیجا ز من رنجیدہ باشی

خواہم کہ تو بسیار غزل خواں بد را آئی
از بزم سخن گو و بخنداں بد را آئی
تا صبح نہ بر باد رود خاطر جمعیت
در شام چو با زلف پریشاں بد را آئی

آویخته ام شانہ صفت در موے گیسو
اندیشہ مرا نیست ازین و زیابہ
من قانع ام از رنگ رخ کاہ ربابے
از کس نہ گرفتیم مبت پر کاہے
مارا ز پریشانی خود خاطر جمع است
ہرگز نہ کشم منت آن زلف سیابہ
بے لعل لبست غنچہ دل انہواں شد
جاں را ز پیام تو شود رسم و راہے
صد چشم عنایت نہ تو داریم فراسو
نظارہ میسر چو شود بر سر راہے

رباعیات

لے آمدنت قرار و جان دل ما
لے شمع رخت زیب دہ محفل ما
یک تیغ نگاہ تو متنا دارد
مقول تغافلست دل بسمل ما

آں دلبر طناز بسنتی پوش است
از دیدن او جان و دلمہ مدہوش است
بر جان فراسو تو منہ تقوے را
آں یار پریناں اگر مینوش است

در سایه چنجد چوں بیا پیدان نیست چوں در و دل مراد واپیدان نیست
 بیگانه فراموشده زابتائے جہاں در صحبت آں یار و آشنا پیدان نیست

هر صبح نواسه ارغنون می آید هر شام شراب لاله گوی می آید
 هر وقت دگر حال مندر سو بینی هر چیز که از خاک بروں می آید

این خنکده را حال دگر می بینم از حبیب سرو کار دگر می بینم
 فارغ نشود به توبه هرگز ز گناه عذر گنه از گسسته تر می بینم

زاهد که بظاہر است عابد و سخواه از مکر و فریب است باطن گمراه
 بر فعل بدش چنان چنین باید گفت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

انتخاب کلام جان اسمٹ

جھوم جھوم صحرا پر ابر کو ہزار آیا نوجہنوں مبارک ہو موسم بہار آیا

اطالی نسل کے شعراء

- (۱) کرنل جین بیٹسٹ فیروز
 (۲) میجر جولین فیروز
 (۳) سر فلانس فیروز
- جان
 طالب
 مطلوب
-

نموده کلام کرنل جان بیسٹ فیلو ز متخلص به جان

جان بجز و نیازی دارد	از بزرگان وسیله می دارد
ناشناس است رمز دانی	بتو دارد در حساب شاسائی
پُر ز عصیان جرم های کثیر	طور خوبی کسے بے تقصیر
یا الهی تو مکر مست فرم	سر مارا تو هوشمند نما
تو غفور رحیم و من بدکار	هر چه بهتر بود برا نم دارد
از سر مصرعه حرفت نام حقیر	تو علی گناه من بپذیر

کریا کرم کن که من هستم	پیچاں ز راه خودی حق سرم
اگر نیکم و گر بدم پُر گناه	بجز تو کس نیست دیگر پناه
چنان کن که هستی سزاوار آں	مکن با من آناں که هستم چنان
تو غفار هستی و من بدترم	امید از تو داریم فضل و کرم
بایاں بدارای خدا یا مرا	که دیگر ندانیم غییر از ترا
بدنیا پیچاں تو این بنده را	مکن خوار و زار این سراقنده را
الهی چو بسیار در مانده ایم	کرم کن که بسیار ناخوانده ایم
گناهان که داریم بیش از شمار	تو از فضل آں جمله را در گزار
بروز قیامت که آئنده است	ازاں روز این بنده ترسند است

دراں روز مارا مکن شرمسار

مگرداں زایاں دلم زینهار

نمونہ کلام طالب

۲۷ جولین

(میسجر جلدین فیلونڈ)

ہائے طالب دیکھنے کو اُسکی صورت کیلئے مرغ دل ترپے ہے کیسا اڑ کے ملنا چاہیے

ہر رنگ و گل میں تیری قدرت کھلی ہوئی ہے تصویر تیری یہ ہی خود کیوں چھپا ہوا ہے

تو شکل اپنی مجھ کو جبے دکھا چکا ہے ہے دن کو آہ و نالہ شب گریہ و بکا ہے
کیا کیا کروں بیاں میں سوزِ درد کی حالت سینہ ہی سارا بریاں دل بھی جلا پھکا ہے
فرما دو قیس و امین پونچے بمنزلِ عشق ڈھونڈھا ہی جس نے جس کو آخر وہ پا چکا ہے

انسان ہو کے آیا چاہے جو فضل کر دے اپنا شفیق عیسے چاہے جو فضل کر دے
اندھے کو آنکھ بخشے گونگے کو دے زبان وہ اُس پر قیس جو لایا چاہے سو فضل کر دے

انتخاب دیوان مطلوب

(جلد ۲۸ ہجری)

عیسیٰ مسیحانا صری برحق ہے جلوہ نور کا انسان کی صورت سے بنا قدرت سے شعلہ طور کا
یہ جزو لاینفک کائنات زندگی نے حل کیا اس عمر کا بڑھنا ہوا گھٹنا شب و بچور کا
ہے عشق کی یہ انتہا مطلوب طالب بن گیا اب میرے آگے کم ہوا رتبہ بہت منصور کا

الحب کا عمل رکھتے ہو قلوب میں مُقرر
بے زربھی تمھارا ہوا زردار تمھارا
ہیں اشک ترے غم سے خیم چشم میں لبریز
پی پی کے سدا سیر ہے سرشار تمھارا

جو مجھ سے گریزاں ہو وہ کچھ تجھ سے نہیں دور
لے جذبہ دل اُسکو مرے پاس مِلا لا
بجلی نے تری برق کو بیتاب بنایا
بالے سے خجل ہو گیا مستاب کا ہا لا
برگشتہ جو وہ مردِ مکِ چشم ہے مجھ سے
مطلوبِ نظر آتا ہے کچھ دال میں کا لا

دل وصل میں کھلتا ہے مرا مثل گلِ تر
تو ہجر سے اُس کو نہ بنا ناگلِ لا لا
اک دم میں ابھی آتشِ وحشت کو بجھا دے
بہتر ہے کہ ٹوٹے نہ مرے پاؤں کا چھالا
اُمید قوی ہے کہ دلی تیری مُرا دیں
بر لائے گا مطلوبِ حُدا و ند تعالیٰ

نقربنی کا سہ جو یہ بدر بنا پھرتا ہے
حُسن کی تیرے یہ کرتا ہے گدا لی مستاب

پھینک دیتی ہے نگہ جنبشِ ابرو دیکھو
تیرے چلے سے نکالے ہو کماں سے آپ
سُرنگیں آنکھ کا تیری جو کہیں ذکر کروں
بند ہو جائے ابھی میری زباں سے آپ

اپنی سی تیری جو صانع نے بنائی صورت
نہ چھپی حُسن کے پردے میں چھپائی صورت
مہر سے میرے یہ کس مُنہ سے مقابل ہو گا
بدر پھرتا ہے لے اپنی پرانی صورت

اُس بُت کی خامشی سے یہ عقدہ کھلا مجھے
کلے سے آئے ہو لبِ شیریں ہن کے چوٹ

ذکرِ جاناں ہی کا اکثر ہے زباں زد اُسکے
میں یہ کہتا ہوں کہ زاہد کی ہی تقریرِ عبث
حاشیہ چڑھ گیا مطلوبِ یدِ قدرت سے
مصحفِ سُرخ پہ یہ خط کی نہیں تحریرِ عبث

تیرے گرِ بامِ ملک کاشِ رسانی ہو جائے
بخدا مجھ کو تو پھر شوکتِ معراج ہے آج
آبرو بارِ پہ ہے زلفِ پریشاں مطلوب
چادرِ کعبہ یہ اُدڑھے ہوئے حجاج ہی آج

رمز کو اُسکی نہ پوچھوں گا کہ ٹیڑھی کھیر ہے
سہل اُسکے ہر کنائے میں نکل آتا ہے بیچ
چڑھ گیا مطلوبِ تیرے آتشِ دل کا دھواں
چرخ سے وہ بڑھ کے دیکھیں کس پہ لپٹا ہی بیچ

وعدہ جو روحِ جفا میں بھی وفا درکار ہے
بیوفا تجھ کو کروں میں وریشیاں کس طرح
مصحفِ سُرخ کی تلاوتِ شیخِ جی سے بن چکی
بوڑھے طوطوں سے پڑھا جاتا ہی قرآنِ کس طرح

ہے میری آنکھِ دلِ شعلہ زن کی شاخ
بوں برق بنکے چمکے ہی چرخِ کہن کی شاخ
باتوں میں شاخِ زانہ لگاؤ نہ میری جاں
اس گفتگو سے تیری قلم ہے سخن کی شاخ

حالتِ وجد میں شبِ رقصِ صنم نے کر دی
ایک ٹھوکر میں سرِ دل کی ریاستِ برباد
اس سبب سے نہیں پروا میرے شکوے کی اسے
ہجر کی وصل میں ہی ساری شکایتِ برباد
اتفاقاً ترے کوچے سے جو ناصح گزرا
عمر بھر کی ہوئی سب اُسکی ریاضتِ برباد

عشقِ محباز کہ جو حقیقی نہ ہو سکے
جس جا شجر نہ ہو تو غنیمت سمجھ ارنڈ
جن کے مزاجِ عشق سے ہو جائیں معتدل
ایذا نہ دیوے گرمی نہ اُنکو ستائے ٹھنڈ

نقل تصویر تری میں رقتِ دل سے نہ دوں
دو جہاں کوئی بھی گردِ دیے مجھے فی کاغذ
حالِ پنی شربِ رقت کا جو مطلوب لکھے
تجھ پہ غالب ہے کہ چھا جائے سیاہی کاغذ

ہم ترے عشق میں ہیں حرصِ ہوا سے بیباک
ہے مثالِ پنی تو مرغانِ غرقاب کا پر
تیری کلغی ہی سے قائم ہے وجودِ عفتا
ورنہ پیدا ہی نہیں طاہرِ نایاب کا پر
پر سے طاؤس کے مطلوب ہوا پست ہما
مور چھل ہے جو شہِ حسن کے آداب کا پر

جتنی تھی سب نکل گئی اتنی فقط ہو س رہی
پھینکیے نقدِ جان بھی تجھ پہ سے یار و روار
کوچہ دلربا کی خاک کرتی ہو حسابِ پاک
دامنِ حرص چاک چاک جامہ خودی کا تار تار

کیسے ہوں کارگر وہاں ہلِ فا کے توڑ جوڑ
اُس کے ہیں بط و ضبط میں جو ردِ جفل کے توڑ جوڑ

مجھ کو ہے اس میں گفتگو کرتا ہی کیوں حجاب تو
ہونے دے یار و بد و پردا اٹھا کے چھڑ چھاڑ

تو نے اک آن میں یہ یار بتائی تجوین
سات پردوں میں جو گردوں نے چھپائی تجوین

منظور اُس کو ہو جو بلانا ہزار کو س
ہوں مثلِ برق کیا مرا جانا ہزار کو س
میں تھک گیا یہ عشق کی منزلِ طے ہوئی
ہے اک قدم بھی اب تو اٹھانا ہزار کو س
کس نے مطلوب نہیں کی خواہش
سب کو ہو میرے حسیں کی خواہش
شوق سے در پہ ترے گھس جائے
کس کو ہے یار حبیب کی خواہش
کیا قہر ہوا لو اور سنو یہ لطفِ کرم کے طورِ سنو
سب کہتے ہیں جسکو جو رُسنو وہ اُسکی عنایتِ فنا

پاس میں کس کے گیا کب اور کسی سے کیا غرض
ہے فقط مطلوب کو تیری رضا کی جستجو
ہے مجھ اک تجھ سے مطلب اور کسی سے کیا غرض
ہجر ہو یا وصل کی شب اور کسی سے کیا غرض

یہ خوشخام تیرا ہے تعلیم یافتہ
اُسکا جگر تو دیکھ یہ کیا بے جگر ہے آہ
طاقت کسی کی ہی جو بدے آسماں سے شرط
جسکی لڑی ہوئی ہی کہاں آسماں سے شرط
میں اُسکے دیکھنے کی بڑاں آسماں سے شرط
جس شوخ کا ہے روزِ دیا آفتاب

رنج ایسے ایسے میرے دل پہ لاتا ہے لحاظ
روبرو اُسکے بہت مجھ کو ستاتا ہے لحاظ

غفلت میں بھی دیکھوں میں تجھے دیدہ دل سے
ہر چند نہ ہو دیدہ بیدار کا موقع

کاکل سے میری آہ کا شعلہ دھواں ہوا
مطلوب تیرا دل ہے وہ جاہم جہاں نما
کالے کے آگے سچ ہو کہ جلتا نہیں چراغ
لگتا ہے جس سے عالم جاوید کا سراغ

اُسکو گلوں نے باغ میں تسلیم کر لیا
جوہر و جفا میں رنج میں اور دردِ حیر میں
خوشبوئے زلفِ یارِ جولائی صبا لطیف
پایا ہے لطفِ یار سے ہم نے مزا لطیف
اُس گل کی ناز کی جو لطافت پذیر ہے
شعلہ ہے عشق کا مرے دل میں صبا لطیف

مصحفِ مرغِ خطِ گلزار سے تحریر ہوا
سلطنتِ بہرِ تصدق نہ ہوتا نہ سہی
کلمہ قدرت نے یہ مضمون لکھا نستعلیق
جاں نثاری کی ہے مطلوب کو اُسکے توفیق

جنگجو مجھ کو نہیں تیرے ستم سے چٹمک
کیوں ہو پھر تجھ کو خدا جانے کرم سے چٹمک
آنکھیں پتھر کے ہوا جسم سراپا پتھر
تھی بتوں کو جو بہت میرے صنم سے چٹمک

کہہ دو کہ میرے خوں سے وہ ہرگز نہ آئے تنگ
پچکاری ہ بھرے جو مرے اشک چشم سے
ہولی میں خوب صوم مچا کر اڑائے رنگ
خوں میرے دل کا دیکھ اڑے سرخی تنگ

تو مجھ سے دل کے لینے میں پہلو تھی نہ کر
چشمِ ثبوت سے ہے ہو دل سا غیر شراب
صاحبِ دلوں کا کام ہو لینا ثوابِ دل
آنکھوں سے اُس پر ہی کے اٹھایا حجابِ دل

تھے زلفِ معنبر کی جو خوشبو سے معطر
دریاے حقیقت کا کنارہ نظر آیا
بھٹائے ہوئے ہند سے تاتار گئے ہم
اس بحرِ محبازی کے جو اُس پار گئے ہم

ہو صورتِ صال تو پھر زندگی کہاں
مطلوبِ تیرا کثرتِ غم سے ہے لا علاج
قاہم ہو ہم سے غم کی غذا اور غذا سے ہم
واماندہ ہو اثر سے دوا اور دوا سے ہم

دو نفی سے تو ہو اثبات کی صورت جانا
تیری اک ہو گئی مشہور نہیں خوب نہیں

دیکھو اساتذہ نے یہ اُلٹی مثال دی
سوکھا پڑا ہے گرمیِ فرقت سے کشتِ دل
ابرو کی ہو صفت کہیں پیدا ہلال میں
آنکھوں سے اڑ گئی ہو نمی خشک سال میں

گو بادشہ ہے دل تو مری ہو وزیر جان
اس سلسلے میں میرا جگر ہے امیر جان

مطلوبِ شعر گوئی سے گرتجھ کو عشق ہے برکت علیٰ خفیت کو اپنا مشیر جان

تو جو اے جانِ جہاں ناز سے ہو جلوہ نما کو چشموں کو بھی نورِ بصری پیدا ہو

بیتاب ہوا سینے میں میرے دل سوزناں بیدِ صہب یہ پڑا معدنِ سیاب میں شعلہ
رُخ سے ہوا تیرے دلِ مطلوبِ منور قائم ہوا خورشید سے مہتاب میں شعلہ

موتی پر دے زلف میں اختر بنا دیے تو نے اندھیری رات میں تارے دکھادیے
گردش نے چشمِ یار کی قائم رکھا مجھے ورنہ فلک نے خاک میں لاکھوں طلا دیے
کی جو تسلیم ناز پر داری یہ سبب ہے کہ سر جھکا بیٹھے
اتہام آیا ہم پر بوسہ کا اتنا کیوں ہم کو منہ لگا بیٹھے
پارہ دل کیا ہے خاکِ ستر ہم بناتے ہیں کیمیا بیٹھے
باز رہ اپنی ہٹ سے اونٹ کھٹ گھٹ میں جھٹ پٹ ترا خدا بیٹھے
لو میرزا صاحب یہ رہی آن ہماری کس شان سے نکلی ہے مغل جان ہماری
مطلوبِ یہ کہتا ہو فدا کر کے دل اپنا لے جان بھی تجھ پر سے ہے قربان ہماری

برسات میں کیا خوب سبزے کی فضا ہے جنگل میں بھی اک فرشِ زمرد کا بچھا ہے

زلزلہ روئے زمیں پر ہے تمھارے مارے لاجرم چرخ ہے گردش میں ہمارے مارے
جب ہی ٹھہری کہ مرنا ہے وصالِ عاشق تو سن سہر رواں کیوں نہ ترارے مارے

ساغر ہماری خاک کا تو شوق سے بنا
میں تو حجاب میں بھی تجھے دیکھتا رہا
مینا بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی
پر وہ اٹھا کے کیوں مری مٹی خراب کی
مطلوبِ چین سے تھا عدم میں گناہ کی
تمت لگا کے کیوں مری مٹی خراب کی

ناخن ہے ماہِ نو کفِ پا آفتاب ہے
کھل جائے اُسے عقدہٴ صوری و معنوی
پھرتے ہیں تیرے قدموں کے شمس و قمر لگے
جس لب پہ تیری ٹہر کر مہمِ بیشتر لگے

کاش در تک جو ترے میری رسائی ہوتی
تقویت دے مرے دل کو لب یا قوت سے تو
بیچھے بیچھے مرے یہ ساری خدائی ہوتی
نا تو اں ہے اسے یا قوتی کھلائی ہوتی

متفرق اشعار

دل نہ رکھتا تھا جو ایجا د کیا آئینہ
حیف اُس نکتہ کو ہرگز نہ سکندر پہونچا

شیخ کا زہد و یگانا پو دیکھ رندوں نے کہا
کیا قیامت آگئی دجال کا خر کھل گیا

عکسِ رخ چمکا رہا ہے آئینہ در آئینہ
کیا یہ برجستہ ہوا ہے آئینہ در آئینہ

برسات

برسات میں کیا خوب یہ سبزے کی فصل ہے
گلشن پہ ہے جو بن تو گلوں پر بھی ہر رون
جنگل میں بھی اک فرشِ زمرد کا بچھا ہے
اسلِ بر بہاری میں ہر اک غنچہ کھلا ہے
ہر غوک ترشح میں صنم بول رہا ہے
بادل کی گرج سُننے ہی طاؤس وہ بولے

کوئل شجر انبر پہ کیا کوک لہی ہے
 جھینگر کی ہے جھنکار شب تار میں اک جاں
 ہر چار طرف تند ہے پڑ شور یہ لیکن
 ہر نالا بھی دریا ہو ہر اک جھیل ہو تالاب
 جس برق پیالے سے شب تار بھی دن ہو
 اس ابر سیہ مست میں دے جھوم کے بوسے
 بجلی بھی چمک دیکھ چمک جاتی ہو ہر دم

اور اُس پہ بھی دلکش یہ پیچھے کی صدا ہے
 خلخال کی نقال بہ آواز بلا ہے
 کوچے میں ترے شب کو ہوا نغمہ سرا ہے
 بارش ہو کہ یہ ارض و سما ایک ہو اسے
 یہ اُسکے تبسم سے تری نشو و نما ہے
 ساقی مرے حق میں لبث مست نشا ہے
 اندھیر ترے بام پہ دیکھا نہ سنا ہے

برسات میں اس تیری غزل سے مترشح
 مطلوب یہ ٹھمیری کے مضامین کا مزا ہے

منتخب

(۱) میٹسٹ بتیس عروج

(۲) رتھوان مراد آبادی

(۳) اسفان

(۴) سفیر لکھنوی

(۵) میچل سردھنہ

(۶) جان کرچین

(۷) مسز اسکاٹ

(۸) پادری ہیولیت

(۹) بائیلو

(۱۰) بگنولڈ

کلام بیسٹ عروج سر دھنہ

محشر سے میرے سوزش دل کو سبوت ہے بس نفخ صور بھی مجھے اک بانگ بوق ہے
میں وہ ہمائے اوج ہوں رجاؤں عرش پر پر کیا کروں کہ پانوں میں دایم غلوں ہے
نصا دعبث لگانہ مری رگ پہ نیشتر یاں جائے خوں بھرا ہوا غم سے عروق ہے
کیا خاک دل لگے کہ نہیں ٹھہرتا کوئی ملک عدم کو جائے چلا جوق جوق ہے

قللہ عشق سے کوئی نکلا نہیں عروج

دایم فریب یہ کوئی طوق عنوق ہے

کل نہایا جو مرا غنچہ پردہن پانی میں بلبل زار گیا بلبل بن پانی میں
دیکھ کر تاب لب لعل رخ جاناں کی شرم سے غرق ہوا لعل بن پانی میں
جوشش گر یہ نے طوفاں کیا یاں تک پانی ڈوب رہتا ہے سدا میرا بدن پانی میں
دوستو اس مرے تم خواب کی تعبیر تو دو تیرے دیکھے ہیں شب میں نے ہرن پانی میں
ہیں مگر کان کے بالے کے شناور کرتے بلبل آئینہ رکھتی ہے وطن پانی میں

غرق ہو بحر تفسر میں نہ نکلا بتیس

تیرے کا تجھے سکھلا یا تھا فن پانی میں

جیسے ہیں آپکے یہ طرہ دستار کے پھول ایسے ہم نے نہیں دیکھے کبھی شجار کے پھول
قطرے ابرو سے نہا اس طرح جھاٹے اُس نے جس طرح سان پہ جھڑنے لگیں تلوار کے پھول
ہاتھ پائی میں لڑی ہار کی چھتری تو کسا چل پرے دور ہو دست پھیر مرے ہار کے پھول

پڑ گئے نیل یہ رخساروں پہ میرے بتیس

ایسے یہ سخت تھے اجرے ترے گلزار کے پھول

زعفران کے رنگ سے تو کر شراب زرگی پیتے ہی بن جائے گا یہ دل کباب زرگی

سہرہ نرگس رُخ جانناں پہ اپنے دیکھ کر ابر سے کھینچا ہے خورنے یوں نقابِ نرگسی

خوشی سے رہنا مری جان تو جہاں رہنا نہ لکھنا خط تو مگر دل سے آشنا رہنا

دمِ اخیر جو لب پر وہ لب ذرا پھر جائے
میں جی اُٹھوں مری آئی ہوئی قضا پھر جائے
نہ پوچھ مجھ سے کہ کیا ہو گا اپنے دل میں سوچ
خدا نخواستہ جس شخص کا خدا پھر جائے
الہی وہ نہ پھرے جس کے غم میں مرتے ہیں
بلا سے خلق پہ گر خنجر جفا پھر جائے

نعت مسیح علیہ السلام از رضوآں مراد آبادی

اترائیں نگاہیں جو پڑیں سوئے مسیحا
دل لوٹ گیا دیکھتے ہی روئے مسیحا
مٹ جائے ہمیشہ کو پریشانی سُنبل
پڑ جائے اگر سایہ گیسوئے مسیحا
ہر ماہ میں گھٹ بڑھ کے فلک پر مہ انور
ابر روئے مسیحا ہے کبھی روئے مسیحا
خورشید کا جلوہ نہ تجلی ہے مستمر کی
پھیلی ہوئی ہے روشنی روئے مسیحا
موسمی کی طرح برقِ تجلی کو بھی غش آئے
بے پردہ اگر ہو رُخ نیکوئے مسیحا
بلبل کو محبت کبھی ہوتی نہ چمن سے
پھولوں میں نہ بس جاتی اگر بوئے مسیحا
تعبیر ہے دیدارِ خدا اُس کو ملے گا
جو خواب میں دیکھے رُخ نیکوئے مسیحا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا
دیکھا جو کبھی آئینہ روئے مسیحا
وہ بلبل خوش لہجہ ہوں نعمہ مرا سُنکر
جھوما کئے برسوں شجر کوئے مسیحا
پژمر دہ ہوں یارب نہ گلِ باغِ محبت
ان پھولوں سے آتی ہی مجھے بے مسیحا
رضوآں جو دم نزع اشارہ ہو طلب کا
جاں کرتی ہوئی رقص چلے سوئے مسیحا

اسفان (دہلی)

خط کا یہ جواب آ یا لکھا جو کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے ٹکڑے

غزلیات سفیر (مشتی حسن علی) لکھنوی

دو لے خون عیسیٰ حق نے کی ہمو عطا کیسی
در عینے پہ ہو جا خاک وہ اکیر عظم ہر
یسوع کے نقد جاں دینے سے بالا مال ہیں من
نسیم لطف سے تیرے گل مقصد کھلا اپنا
محبت میں ترے ہم مریش بس زندگی یہ ہر
نہ معنی ذات مخفی کے کسی صورت سے حل ہوتے

تپ عصیاں کو حاصل ہو گئی دم میں شفا کیسی
مہوس دھونڈھتا پھر تا عبث شے کیا کیسی
زریاں سے پڑی کیسے قلب اب صفا کیسی
تجھی سے بارور رہی شاخ نخل مدعا کیسی
کسے کہتے ہیں مرنا موت کیا ہوا ورقضا کیسی
ترے جلوے سے ظاہر ہو گئی شان خدا کیسی

سفیر اب کیوں نہ سو جاں قرباں اس مسجا پر
کہ جس نے تیری خاطر کی ہو اپنی جاں فدا کیسی

ہوا روشن تری مدحت سے رخ قرطاس بجاں کا
نہیں ثانی کوئی تیرا تو کتنا ہے دو عالم ہے
ہماری درد کا درماں ہی تو اسے شافی مطلق
رہیں سر سبز شاخیں گلشن عینے کی دنیا میں
ہے تارِ نفس میں دانہ تسبیح عینے کا
ہر اک ترہ ترے در کا ہو رشک خسرو خاور

بڑھا رتبہ تری توصیف سے کلک نیتاں کا
تری ذات مقدس راز ہی اک ذات بڑواں کا
عقیدہ ہی ترا مرہم ہمارے زخم عصیاں کا
پھلا پھولا ہے یار بہر اک نخل اس گلستاں کا
نہوے قطع جب تک سلسلہ اس رشتہ جاں کا
شہنشاہوں کو کب حاصل ہو رتبہ تیرے درباں کا

سفیرِ خطا کیوں مضطرب ہے، روزِ محشر سے
ترے سر پہ ہی سایہ رحمتِ عیسیٰ کے داماں کا

انتخابِ کلامِ چلِ سر دھنہ

(مسدس) کچھ ڈھنگِ سر دھنہ کا عجب ہی نرالا ہے (مسدس)

بیگم کا گرہ گھر بھی بہت اس میں اعلیٰ ہے

اول برے سیر یہ گر حب کا باغ ہے خوشبو سے جسکے پھولوں کی عنبرِ دلِ غ ہے
آوازِ زاغ کی نہ یہاں کوئی زاغ ہے گویا اندھیرے گھر کا یہ روشن چراغ ہے
ہر ایک سمت باغ میں حاطہ نکالا ہے

کچھ ڈھنگِ سر دھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

شفا دے روش نہیں تنکے کا نام بھی کاشی کی ہے یہ صبحِ اجودھیا کی شام بھی
گر جا ہے گر صراحی ہے یہ جام بھی ہے افسرانِ خاص کا آنا مدام بھی
ہے ماہتاب گر جا تو یہ اس کا ہالہ ہے

کچھ ڈھنگِ سر دھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

پھل پھول اُسکے دیکھے ایک ایک انتخاب آڑ و انار سنگترہ آلوچہ بے حساب
امر و دنا شپا تیاں در آرم لا جواب جو ہی کہیں ہی بیلا کہیں در کہیں گلاب

نرگس کھڑی ہے و جد میں شرمندہ لالہ ہے

کچھ ڈھنگِ سر دھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

پھر کر کے سیر باغ کی دل کو رجھائیے جو چیز چاہیں ہولے لے لے کے کھائیے
لے کر ٹکٹ دو آنہ کا گر جا میں جائیے تصویریں دیکھئے نہ لبوں کو ہلائیے

بتلائے گا وہ تم کو جو بتلانے والا ہے

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

گر جا کا گیت دیکھئے کیا شاندار داخل جب سہیں ہو گئے عجب آئے گی بہار

جو اتار و بعد میں ٹوپی بھی لو اتار بیگم کا پھر وہ دیکھو گے دربار شاندار

خوب اسکو لطف آئے گا جو جانے والا ہے

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

عیسے کہیں ہیں موسے کہیں جبریل ہیں آدم کہیں ہیں نوح کہیں میکائیل ہیں

حوا کہیں ہیں اور کہیں مریم شکیل ہیں کاغذ ہی لکڑیاں ہیں نہ لوہا نہ کسیل ہیں

تصویر مرمر میں یہاں ہر ایک اعلیٰ ہے

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

مرغان خوش نوا کی وہ آواز جانفز ا گلمائے گوناگوں سے سراپا سجا ہوا

گویا نقابے کسی دُہن کا وا ہوا جو دیکھتا ہے اسکو وہ کہتا ہے واہ وا

ہے ایک طشت باغ تو گر جا پیالا ہے

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

ہے فادر این تھو فی فیجر بھی ذی شعور سیرت کا ہی فرشتہ برستا ہے رخ پہ نور

خواہش یہ دل میں ہے کہ اٹھیں دیکھئے ضرور فادر ہی مثل موسے تو گر جا ہے مثل طور

جس کا پجاری فادر ہے گر جا شوالا ہے

کچھ ڈھنگ سردھنہ کا عجب ہی نرالا ہے

گر جا سے جا کے دیکھئے کوٹھی کی پھر بہار لڑکے یہاں پہ پڑھتے ہیں انگریزی بے شمار

اور ماسٹر وہاں کے ہیں ذی عقل ہوشیار کوٹھی بلند ایسی ہے جیسے کہ کوہ ہسار

اک حوض غسل خانہ میں کوثر کا پیالا ہے